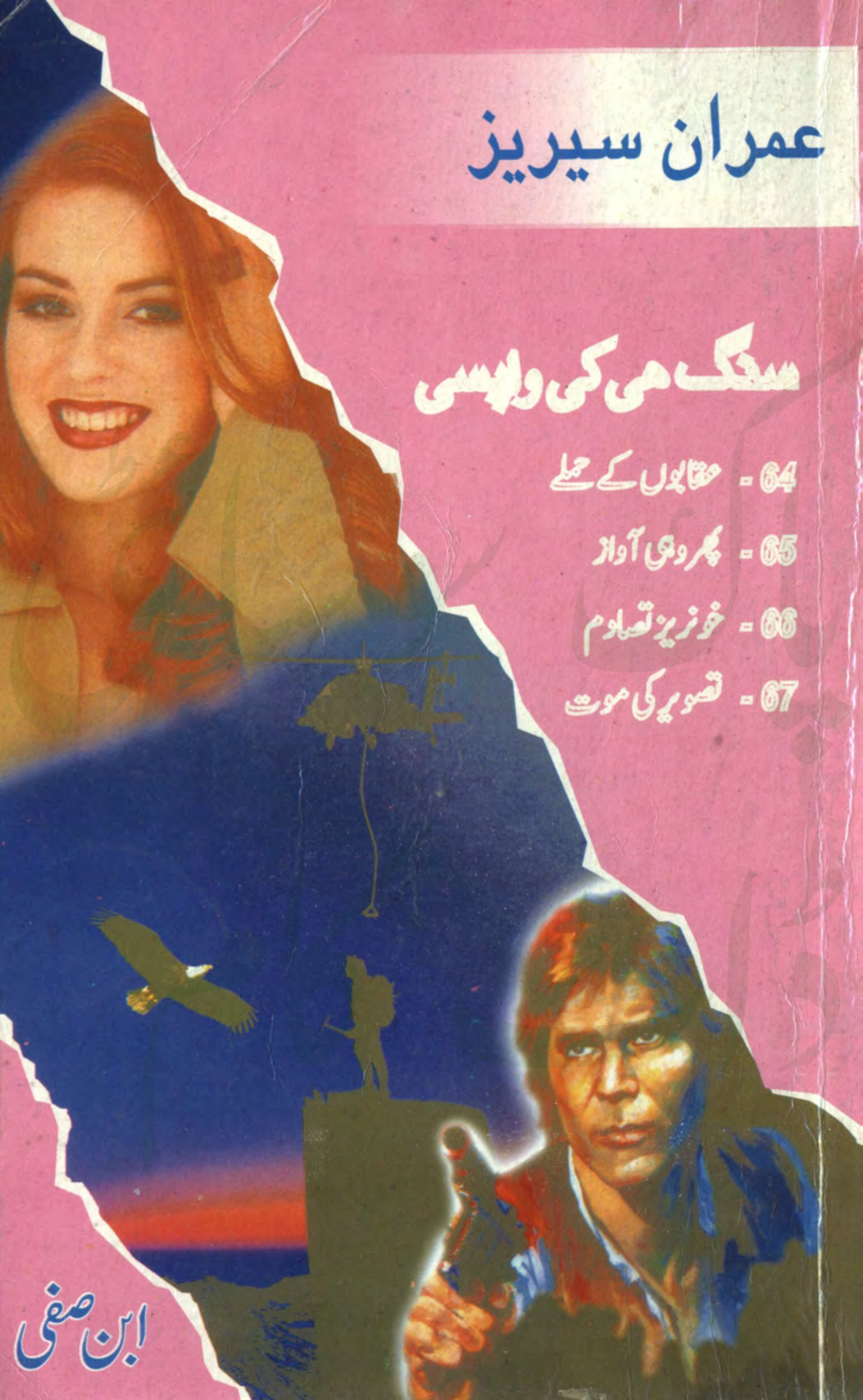

عمران سیریز

سنگ ہی کی واپسی

64 - عقابوں کے حملے
65 - پھر وہی آواز
66 - خونریز تصادم
67 - تصویر کی موت

ابن صفی

عمران سیریز نمبر 64

عقابوں کے حملے

(پہلا حصہ)

پیشرس

لاہور سے ایک "پرستار" رقم طراز ہیں!

"السلام علیکم! میں آپ کی عمران سیریز کی کتابیں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ ان کے متعلق آپ کو چند باتوں کے بارے میں اپنا خیال بتاتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے فریدی کو اپنا ہیرو بنایا ہوا ہے اور عمران کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے معمولی معمولی ماتحت بھی اس کی بے عزتی کر دیتے ہیں اور ہر آدمی اسے ایک حقیر مسخرہ سمجھتا ہے۔ حالانکہ جب لوگ اس کی کتابیں پڑھتے ہیں تو اسے اپنا ہیرو بنا لیتے ہیں اور اپنے ہیرو کو ذلیل ہوتا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔"

یہ ایک خط کا اقتباس ہے "پرستار" موصوف نے مشورہ دیا ہے کہ عمران کے ماتحتوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہی ایکس ٹو بھی ہے اس کے بعد اسی سلسلے مین ایک پلاٹ بھی لکھا ہے جس پر مجھے کم از کم پانچ سو صفحات کا ناول لکھنا چاہئے۔

پیارے پرستار! عمران آپ کا ہیرو ہو گا لیکن وہ اپنے ماتحتوں کی نظر میں ہیرو بننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ جو کچھ بھی ہے اسی میں اپنی بہتری سمجھتا ہے۔ بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا رہنا ہی اسے پسند ہے لہٰذا آپ بھی برداشت کیجئے۔ اب زیر نظر ناول ہی کو لے لیجئے۔ کیا کچھ نہیں گذری عمران پر لیکن میدان اسی کے ہاتھ رہا۔ ترم خانی کا زمانہ نہیں ہے بسا اوقات مونچھ نیچی کر لینے ہی میں بھلائی ہوتی ہے۔ ورنہ حشر انہی خان صاحب کا سا ہوتا جو ایک بار کسی بنئے پر اکڑ گئے تھے۔

"ابے تیری یہ مجال ہمارے سامنے مونچھ اونچی کئے بیٹھا ہے۔"

بنیا ہاتھ جوڑ کر بولا۔ ”خان صاحب میرے بال نہ بچہ کہ مجھے کسی کی فکر ہو۔ میری مونچھ تو اونچی ہی رہے گی۔“

خان صاحب خاموشی سے گھر آئے تلوار کھینچی اور اپنے بال بچوں کا صفایا کردیا پھر لہو ٹپکتی تلوار لئے بنئے کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور کڑک کر بولے۔ ”اب بتا میرے بھی بال بچہ نہیں رہا۔“

بنئے نے بے حد خاکسارانہ انداز میں اپنی مونچھ نیچی کرلی۔ اب خدارا مجھ سے نہ پوچھئے گا کہ خان صاحب کا کیا بنا.... بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ عمران کی کامیابی کا راز اس کی حکمت عملی میں پوشیدہ ہے اس کا کوئی بھی ناول اٹھا کر دیکھ لیجئے ابتداء میں اس کی جو حرکتیں خالص حماقت معلوم ہوتی ہیں وہی آخر کار کامیابیوں کی طرف لے جاتی ہیں.... نہ فریدی عمران بن سکتا ہے اور نہ عمران فریدی۔ دونوں کی شخصیتیں متضاد و حالات اور مختلف ماحول کی پیداوار ہیں۔ فریدی کے مزاج میں جاگیردارانہ رکھ رکھاؤ پایا جاتا ہے عمران کی ذہنی نشو ونما عوامی بھیڑ چال میں ہوئی ہے۔ اس نے اپنے طبقے کے اثرات قبول نہیں کئے.... زیرِ نظر ناول میں آپ اسے ایک بالکل ہی نئے روپ میں پائیں گے۔ اس کہانی میں اس نے جس بات کا بیڑا اٹھایا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ آئندہ دیکھئے کہ اس کی یہ کامیابی اُسے کن دشواریوں سے دوچار کرتی ہے۔ لیکن ٹھہریئے! کہیں آپ نے ”عقابوں کے حملے“ کا یہ مطلب نہ لیا ہو کہ ہوائی جہازوں کا کوئی اسکواڈرن زمین و آسمان ایک کردے گا۔ اگر خدانخواستہ آپ مجھ سے پہلے ہی سے پلاٹ بنائے بیٹھے ہیں تو مجھے یہ سننے کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ ”کہانی پھُس ہو کر رہ گئی۔“ اللہ مجھ پر رحم کرے۔ آمین۔

ابن صفی

۲۱ر اگست ۱۹۷۲ء

◆

ڈینی ولسن کے سرکس نے سردار گڑھ میں دھوم مچا رکھی تھی۔ سیزن شروع ہو چکا تھا۔ اور سردار گڑھ کی آبادی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اندرون ملک کے میدانی علاقوں کی گرمی سے بھاگ کر متوسط طبقے کے لوگ عموماً یہیں پناہ لیتے تھے کیونکہ دوسرے پہاڑی مقامات کے مقابلے میں یہاں زیادہ مصارف نہیں ہوتے تھے ہوٹلوں میں ٹھہرنے کی استطاعت نہ رکھنے والے مقامی باشندوں کے ساتھ ان کے گھروں میں قیام کرتے اور مناسب معاوضے پر اپنے ہی گھر کا سا آرام پاتے۔ مقامی لوگ بڑے خوش اخلاق اور متواضع تھے۔

تین سال پہلے ڈینی نے سیزن میں یہاں سرکس لگایا تھا اور توقع سے زیادہ ہی سمیٹے تھے۔ دوسرے سیزن پر بھی اتنی آمدنی ہوئی تھی کہ جی خوش ہو گیا تھا۔ لہذا اس سال کیونکر باز رہ سکتا تھا۔

اس بار تو ان لڑکیوں نے سارے سردار گڑھ میں تہلکہ مچا دیا تھا جو پتھر کے زمانے کا لباس پہن کر رقص کرتی تھی۔ یہ تینوں نسلاً سفید فام تھیں اور اتنی بے جھجک تھیں کہ ایک اشارے پر پتھر کے دور سے بھی پہلے کے زمانے میں جست لگا سکتی تھیں۔

ڈینی صرف پانچ دن کی آمدنی کا حساب لگانے بیٹھا تھا اور اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔

”یہ لڑکیاں تو ٹکسال ثابت ہو سکتی ہیں۔!“ اس نے اپنے منیجر سے کہا۔

”لیکن میرا دل روتا ہے باس....!“ جہاندیدہ منیجر بولا۔

”اپنے دل کو ہنسنا سکھاؤ۔ زمانہ بدل چکا ہے۔ اب لوگ جانوروں کے کرتبوں سے دلچسپی نہیں لیتے آدمیوں کے کرتب بھی انہیں نہیں بھاتے۔ ان کیبرے ڈانسرز کو سرکس سے الگ کردو پھر پوچھوں گا کہ دن بھر میں کتنی مکھیاں مار لیتے ہو۔!“

"ایسا کیوں ہوا باس! لوگ فن کی قدر کیوں نہیں کرتے؟"

"فن.....! ہوہ....." ڈینی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "آج کل یہی سب سے بڑا فن ہے کہ کپڑے اتار کر پھینک دو.....!"

"جب ہم سب کچھ بے چون وچرا تسلیم کرتے چلے جا رہے ہیں تو پھر یہی ہوگا۔ اگر ہم اس برائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو.....؟"

"میرے سرکس میں اٹھ کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں..... جاؤ..... نیلی کٹی اور رینا کو میرے پاس بھیج دو.....!"

"وہ شائد اس وقت نہ آسکیں۔!"

"کیوں؟"

"ایک سیاح ان کے خیمے میں موجود ہے جو انہیں اس بندر کی کہانی سنا رہا ہے جس کا رنگ سیاہ ہے اور جسم پر لمبی لمبی سفید دھاریاں ہیں۔!" بوڑھا منیجر بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

"لیکن ان کے خیمے تک کوئی سیاح پہنچا کیسے؟" ڈینی نے غصیلے لہجے میں سوال کیا۔

"مسٹر ولسن! زمانہ بدل چکا ہے۔!"

"کیا مطلب؟"

"ڈسپلن نام کی کوئی چیز ہمارے درمیان موجود نہیں۔!"

"کیا بک رہے ہو؟"

"وہ مغرور لڑکیاں کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتیں۔ میں نے انہیں اجنبیوں سے رسم وراہ پیدا کرنے سے باز رکھنا چاہا تھا..... جانتے ہیں کیا جواب ملا تھا۔؟"

"بکو جلدی سے..... میرا وقت ضائع نہ کرو.....!"

"انہوں نے کہا تھا کہ وہ کسی قسم کی بھی پابندی قبول کرنے پر تیار نہیں۔!"

"میں کہتا ہوں جاؤ..... اور انہیں یہاں بھیج دو.....!" ڈینی میز پر گھونسا مار کر دھاڑا اور منیجر بوکھلا کر اس کے خیمے سے باہر نکل گیا۔

ڈینی نے بوتل سے گلاس میں شراب انڈیلی۔ سوڈا ملایا اور کڑے تیور سے نکاسی کے راستے کو گھورنے لگا۔

کچھ دیر بعد صرف ایک لڑکی رینا خیمے میں داخل ہوئی۔

"کیا بات ہے مسٹر ولسن؟"

"بیٹھ جاؤ.....!" ڈینی نے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ تو گئی لیکن اس کے چہرے پر بدمزگی کے آثار تھے۔

"وہ سیاح کون ہے؟" ڈینی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ایک سیاح ہے مسٹر ولسن.....!"

"میں نے کہا تھا کہ اجنبیوں سے.....!"

"ٹھہرو!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "آج ہماری ملاقات کا تیسرا دن ہے اب وہ اجنبی نہیں رہا۔!"

"میں کہتا ہوں پہلی ہی ملاقات کیوں ہوئی؟ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اجنبی آرٹسٹوں کے خیموں میں آئیں۔"

"یہ تم کس استحقاق کی بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"کیا مجھ سے بحث کرو گی؟" ڈینی آنکھیں نکال کر بولا اور وہ مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں ہنس پڑی۔

ڈینی نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے سوچا۔ اچھا کتیا میں تم سے سمجھوں گا فی الحال خاموشی ہی بہتر ہے سیزن ختم ہونے کے بعد ایسی ٹھوکر رسید کروں گا کہ تمہاری شکلیں نہ پہچانی جائیں گی۔

پھر دفعتاً وہ بھی ہنس پڑا اور کچھ دیر بعد بولا۔ "دھاری دار سیاہ بندر کا کیا قصہ ہے۔!"

"اوہ..... وہ..... حیرت انگیز مسٹر ولسن..... اگر تم اس کی تصویریں دیکھنا چاہو تو۔"

"ضرور..... ضرور.....!" ڈینی دلچسپی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"تم ڈان فاگان سے مل کر خوش ہو گے۔ بہت اچھا اور خوش مزاج آدمی ہے۔!"

"ڈان فاگان.....؟" ڈینی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کیا وہ کوئی مقامی آدمی نہیں ہے۔!"

"نہیں اسپینی ہے۔!"

"اوہ..... تب تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔!"

"میں اسے یہیں لاتی ہوں۔!" رینا نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گئی۔ ڈینی نے پھر برا سا منہ

بنایا اس کی آنکھوں میں غصے کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔

ایک ہی سانس میں اس نے گلاس خالی کر دیا۔

"دھاری دار بندر.... اونہہ....!" وہ بڑبڑاتا ہوا دوسرا گلاس تیار کرنے لگا۔

ڈینی بلانوشوں میں سے تھا لیکن عام طور پر چہکتا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ عمر کے اعتبار سے بھی اسے اس معاملے میں ایک کمزور دماغ آدمی ہونا چاہئے تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ خود ہی نشے پر حاوی رہتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ڈان فاگان کے ساتھ خیمے میں داخل ہوئیں یہ ایک طویل قامت اور گٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گی۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور بے حد چمکیلی تھیں۔

اس نے مصافحے کے لئے ڈینی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا لیکن ڈینی نے مصافحہ کرنے کی بجائے شراب کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "اس سے زیادہ خلوص آپ کے ساتھ نہیں برت سکتا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں لیکن ڈان فاگان خشک لہجے میں بولا۔ "شکریہ! میں شراب نہیں پیتا۔!"

پھر گلاس میز پر رکھتے ہوئے لڑکیوں سے کہا۔ "میں سمجھا تھا کہ سرکس کا مالک کوئی نوجوان آدمی ہو گا۔ یہ تو بے حد بوڑھا ہے۔"

"اسی لئے یہ سب لڑکیاں بے خوف و خطر میرے ساتھ رہتی ہیں۔" ڈینی خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا ہوا مسکرا کر بولا۔ "بیٹھو"۔

ڈان فاگان سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا اور لڑکیاں کھڑی رہیں۔ ڈینی نے اُن سے بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔

دوسرا گلاس بھی وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔ دفعتاً ڈان فاگان لڑکیوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائی ہو....؟"

"مسٹر ولسن اس بندر کی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں۔!" ریتا نے کہا۔

"اوہ.... اچھا اچھا...." ڈان فاگان مسکرا کر بولا۔ "وہ تو میرے حواس پر چھا گیا ہے لیکن کسی طرح ہاتھ نہیں آتا۔!"

ڈینی نے بے اعتباری سے لڑکیوں کی طرف دیکھا تھا۔

ڈان فاگان نے ایک لفافہ جیب سے نکال کر ڈینی کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا۔ "تم شاید اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکو.... جانوروں کے بارے میں وسیع تجربہ رکھتے ہو۔!"

ڈینی نے لفافے سے تصویریں نکالیں اور سچ مچ متحیر رہ گیا۔ سیاہ رنگ کا بندر تھا اور اس کے پورے جسم پر لمبی لمبی سفید دھاریاں تھیں۔ کئی تصویریں تھیں جن میں وہ مختلف عورتوں کے پاس بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ تصاویر کا پس منظر ایک ہی تھا.... جنگل اور پہاڑ....!

"بڑی عجیب بات ہے مسٹر ولسن۔" ڈان فاگان بولا۔ "اگر صرف مرد اس کے ٹھکانے پر جائیں تو کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ پارٹی میں ایک عورت بھی شامل ہو تو فوراً ظاہر ہو جاتا ہے عورت اس کے پاس بھی پہنچ جائے تو اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا لیکن جہاں کسی مرد نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی دو چار چھلانگیں لگائیں اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پھر ڈھونڈتے پھریئے.... کہیں پتہ نہیں چلتا۔!"

ڈینی حیرت سے منہ کھولے سُن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر آہستہ سے بولا "تنہا ہو گا؟" ڈان فاگان اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

"یعنی تنہا نر.. اس کی مادہ نہ ہو گی۔ لیکن اس رنگ کا بندر ساری دنیا میں کہیں نہیں پایا جاتا۔!"

"یہ تصویریں جعلی تو نہیں ہیں۔!" ڈان فاگان ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا.... سی نیور ڈان فاگان.... میں صرف حیرت ظاہر کر رہا ہوں اگر ہم اس بندر کو پکڑ کر دنیا کے سامنے پیش کر سکے تو ہماری بھی بین الاقوامی حیثیت ہو گی مجھے اس پر بھی حیرت ہے کہ مقامی لوگوں نے اس پر توجہ کیوں نہیں دی۔"

"ہاتھ کب آتا ہے اور پھر مقامی لوگ تو اسے کوئی بدروح سمجھ کر اس سے خائف رہتے ہیں۔"

"یہ ہے کہاں؟"

"یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ تنگیز کی چڑھائی پر۔ فاصلہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین میل ہو گا۔!"

"تم یہاں کب سے ہو؟"

"قریب قریب ہر سیزن پر آتا ہوں اور تمہارے ملک میں دس سال سے مقیم ہوں۔!"

"کیا کرتے ہو....؟"

"ایک فرم میں ملازم ہوں۔!"

"لڑکی نے کہا تھا کہ تم سیاح ہو۔!"

"مسٹر ولسن! تم کسی پولیس مین کی طرح مجھ سے پوچھ گچھ کر رہے ہو۔!"

"او ہو! ہر گز نہیں... تو پھر ہمیں کب لے چل رہے ہو وہاں۔ شائد میں اسے پکڑ سکوں۔!"

"صرف اس شرط پر کہ وہ ہم دونوں کی مشترکہ ملکیت ہوگا۔"

"اوہ! یہ بعد میں دیکھا جائے گا.... ابھی تو ہم اسے دیکھنے چل رہے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ روانگی کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ڈینی نے احتیاطاً سرکس کے دو تنومند جوان بھی ساتھ لے لئے تھے۔ سات افراد کا یہ قافلہ تنکیز کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈینی خود ہی اسٹیشن ویگن ڈرائیو کر رہا تھا۔

"مسٹر ولسن اس عمر میں بھی جوانوں کا سا حوصلہ رکھتے ہیں۔" رینا بولی۔ کٹی اور نیلی ہنس پڑیں۔ ڈینی بُرا سا منہ بنائے ہوئے ڈرائیو کرتا رہا۔ ایک اجنبی کے سامنے ان کی خبر نہیں لینا چاہتا تھا۔

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔" ڈان فاگان نے سنجیدگی سے کہا۔ "مسٹر ولسن اندر سے فولاد ہیں۔"

"شکریہ....!" ولسن آہستہ سے بولا۔

سردار گڑھ میں ان دنوں چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی بکھری ہوئی تھی۔ خودرو پھولوں کی ملی جلی خوشبوؤں سے فضا مہکتی رہتی۔

دن کے دس بجے تھے۔ دھوپ بڑی خوش گوار لگ رہی تھی۔ اسٹیشن ویگن چکراتی ہوئی پتلی سی سڑک پر مسافت طے کر رہی.... حتیٰ کہ وہ تنکیز کی چڑھائی تک آپہنچے یہاں سے انہیں پیدل سفر کرنا تھا۔ اسٹیشن ویگن سڑک سے اتار کر ایک جگہ کھڑی کر دی گئی۔

"راجن! تم گاڑی کی نگرانی کرو گے۔" ولسن نے اپنے ایک آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔

"بہت اچھا.... مسٹر ولسن۔" اس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔ اس کے ملازمین اس کا احترام کرتے تھے۔

یہ بڑا پُر فضا مقام تھا.... تنکیز کی چڑھائی سرخ رنگ کے پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھی دور سے ایسا ہی لگا تھا جیسے وہ یاقوت کی چٹانیں ہوں۔

"بندر جائے جہنم میں!" نیلی نے سسکاری لی۔ "یہ جگہ کتنی حسین ہے۔!"

"دماغ میں جالے نہ ہوں تو ہر جگہ بہت حسین ہے۔!" ڈینی بڑبڑایا۔

وہ اوپر جانے کے لئے تنگ سے چکردار راستے پر چل پڑے۔ راستہ اتنا تنگ تھا کہ وہ قطار میں چل رہے تھے۔ دو آدمی برابر سے نہیں چل سکتے تھے۔

"مسٹر ولسن کو جانوروں کی ہم نشینی نے فلسفی بنا دیا ہے۔" رینا بولی۔

"اور تم آدمیوں میں رہ کر بھی آدمی نہ بن سکیں۔" کٹی بول پڑی۔

"کیوں! اس میں کیا برائی ہے؟" نیلی نے سوال کیا۔

"عورتوں میں کوئی برائی نہیں ہوتی۔" ڈینی زہر خند کے ساتھ بولا۔ "وہ تو صرف مردوں کو بُرا بنانے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔"

"اوہ.... اوہ....!" ڈان فاگان کراہا۔ "گفتگو تلخ ہوتی جارہی ہے۔ ہم کیوں نہ اس بندر کے بارے میں باتیں کریں۔"

"میں نے بھی آدمیوں سے تنگ آکر جانوروں کے درمیان پناہ لی تھی۔" ڈینی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن ہم جیسے آدمیوں کے بغیر کام بھی نہیں چلتا۔" رینا کھل کر ہنس پڑی۔

"مجبوری ہے۔" ڈینی سرد آہ بھر کر بولا۔ "اگر میں کپڑے اتار کر ناچنا شروع کر دوں تو لوگ مجھ پر پتھراؤ کریں گے۔ تمہارا اسی قسم کا رقص دیکھنے کے لئے جیبیں خالی کر دیتے ہیں۔"

"ڈیئر.... ڈیئر....!" ڈان فاگان چلتے چلتے رک کر بولا۔ "اگر یہ بحث یہیں ختم نہیں ہو جاتی تو میں آگے جانے سے انکار کر دوں گا۔"

وہ بھی رک گئے.... اور ڈینی بڑبڑایا۔ "ایک غیر معمولی بندر کے لئے۔!"

شمال سے سفید بادلوں کے مرغولے اٹھ اٹھ کر آہستہ آہستہ مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے۔ خنکی میں کسی قدر اضافہ ہو گیا تھا۔ سردار گڑھ کے لئے یہ دھوپ چھاؤں نئی چیز نہیں تھی۔

دن بھر اس کا سلسلہ جاری رہتا۔ البتہ مغرب سے اٹھنے والے بادل تو جم کر ہی رہ جاتے اور کئی کئی دن تک سورج نہ دکھائی دیتا۔

”بحث ختم ہو گئی۔“ رینا ڈان فاگان کا بازو پکڑ کر آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔

”اب چلو۔!“

اوپر پہنچ کر ایک بار پھر ڈینی موضوع گفتگو بن گیا کیونکہ وہ دوسروں کی طرح ہانپ نہیں رہا تھا۔ ڈینی اپنے جیالے پن کی تعریفیں خاموشی سے سنتا رہا۔

اس جگہ تو چاروں طرف رنگ ہی رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

”بس یہیں بیٹھتے ہیں!“ ڈان فاگان کاندھے سے مودی کیمرہ اتارتا ہوا بولا۔ اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

ڈینی پُر تشویش نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے فلاسک سے دو تین گھونٹ لئے اور ڈان فاگان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فاگان بھی ڈینی ہی کو دیکھے جا رہا تھا۔

”کب آئے گا وہ؟“ نیلی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”جب تم تینوں کی خوشبو اس تک پہنچے گی۔“ فاگان مسکرا کر بولا۔

”تم تینوں کی خوشبو۔!“ ڈینی نے طنزیہ لہجے میں دہرایا۔

”مسٹر ولسن! کیا تم ان لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے؟“ ڈان فاگان نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

”تم پسند کی بات کرتے ہو! میں ان تینوں کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔“

تینوں ہنس پڑیں۔ ڈینی بھی ان کی ہنسی میں شامل تھا۔

دفعتاً ڈان فاگان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈینی بھی بائیں جانب کی ڈھلان سے آہٹیں سُن رہا تھا۔ وہ سب اسی طرف متوجہ ہو گئے۔

”ارے.... وہ رہا....!“ رینا کی چہکتی ہوئی آواز فضا میں گونجی۔

بندر اچھل کر سامنے آ گیا تھا۔ لیکن دور ہی سے انہیں دیکھتا رہا۔ تینوں لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

”جاؤ.... اس کے قریب جاؤ۔“ ڈان فاگان بولا۔ ”اس کی بھی تصدیق ہو جائے گی کہ وہ عورتوں سے بے حد مانوس ہے۔!“

”یہ دھوکا ہے۔!“ دفعتاً ڈینی غرایا۔

”کیا مطلب؟“ ڈان فاگان بولا اور لڑکیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

”رنگ قدرتی نہیں ہے۔ کسی آدمی کی شرارت ہے۔ اسے سیاہ رنگ میں غوطہ دے کر سفید دھاریاں بنائی گئی ہیں۔“

ڈان فاگان نے طویل سانس لی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”محنت وصول ہو گئی۔“ اس نے بالآخر کہا۔

”کیا مطلب؟“ ڈینی نے اُسے گھور کر دیکھا۔

”میں اس کے سلسلے میں کسی ایکسپرٹ کی رائے چاہتا تھا۔“ ڈان فاگان نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

لڑکیوں کے چہرے مایوسی کی تفسیر بن کر رہ گئے تھے۔ کبھی وہ بندر کی طرف دیکھتی تھیں اور کبھی ڈان فاگان کی طرف۔

”لیکن اس کا مقصد کیا ہے!“ ڈینی بندر کو گھورتا ہوا بولا۔

ٹھیک اسی وقت بندر نے نیلی پر چھلانگ لگائی اور بُری طرح چمٹ گیا۔ نیلی کی خوف زدہ تیز چیخیں فضا میں گونجنے لگیں۔

ڈینی اس کی طرف جھپٹا ہی تھا کہ کوئی لجلجی سی چیز اس کے چہرے سے ٹکرا کر پھٹی اور اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ڈھیروں دھواں ناک اور حلق سے گزر کر سینے میں اتر گیا ہو.... وہ چکرا کر گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔

معلوم نہیں پھر کتنی دیر بعد ہوش میں آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے سرکس کا جوان بھی اس کے قریب ہی اوندھا پڑا تھا۔ ڈان فاگان اور لڑکیوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

ڈینی نقاہت محسوس کرنے کے باوجود بھی بڑی پھرتی سے اٹھ بیٹھا اور اپنے ساتھی کو جھنجھوڑ کر آوازیں دینے لگا۔ اس پر تو کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ اچانک رینا سامنے آ کھڑی ہوئی وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے خود بھی بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔

ڈینی نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا۔

”تت.... تم....“ ڈینی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی لیکن الفاظ گھٹ کر رہ گئے ذہنی

حالت ابھی پوری طرح اعتدال پر نہیں آئی تھی۔

"وہ... وہ... ان تینوں کو پکڑ کر لے گئے... مم... میں تو... اسی وقت ڈر کے مارے سامنے والی دراڑ میں چھپ گئی تھی جب اس منحوس بندر نے نیلی پر چھلانگ لگائی تھی۔" وہ رک رک کر کہتی رہی۔ "وہ بڑے خوف ناک تھے۔ ننگ دھڑنگ سیاہ فام وحشی... ڈان فاگان... کو پکڑ کر لے گئے... ہائے بے چاری نیلی اور کٹی... پاگلوں کی طرح چیختے جا رہی تھیں... بھاگو... یہاں سے بھاگ چلو...!"

"کک... کدھر گئے... وہ لوگ...!" ڈینی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"جدھر سے بندر آیا تھا... خدا کے لئے یہاں سے نکل چلو... وہ سات آٹھ تھے۔ ہم اکیلے ان کا کیا کرلیں گے۔" رینا گھگھیائی۔

"مم... میں اسے اٹھا کر نہیں چل سکوں گا...!" ڈینی نے بیہوش ساتھی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

پھر اس نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ڈرو مت... تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا... وہ تو میں بے خبری میں مارا گیا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا چیز تھی اور کس طرف سے آئی تھی...!"

"کیا چیز تھی... کیا ہوا تھا؟"

"کوئی گلگلی سی چیز میرے چہرے سے ٹکرا کر پھٹ گئی تھی اور بہت سا دھواں سینے میں بھر گیا تھا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا۔"

"اوہ... تو پھر اسے جلدی سے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔" رینا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں کوشش کر چکا ہوں۔ اب تم دیکھو۔"

رینا اس کے پاس جا بیٹھی اور ڈینی سینے کے بل رینگتا ہوا بائیں جانب بڑھنے لگا۔ جدھر سے بندر نمودار ہوا تھا۔ ریوالور کے دستے پر اس کی انگلیاں سختی سے جمی ہوئی تھیں۔

"تت... تم کہاں جا رہے ہو؟" رینا خوف زدہ لہجے میں بولی۔

لیکن وہ اپنی دھن میں آگے ہی بڑھتا رہا۔ پھر اس جگہ جا پہنچا جہاں سے بائیں جانب والی ڈھلان شروع ہوتی تھی۔

دوسری طرف گہرا سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے صدہا سال سے وہ جگہ ویران پڑی ہو۔ ہوا کی سائیں سائیں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔

"اسے ہوش آ گیا۔" اس نے رینا کی آواز سنی اور چونک پڑا۔

ان کا ساتھی اٹھ بیٹھا تھا اور پریشان پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھے جا رہا تھا۔

ڈینی تیزی سے ان کی طرف پلٹ آیا۔

"کیا تم اٹھ کر چل سکتے ہو؟" اس نے سوال کیا لیکن وہ ایسی بے تعلقی سے ڈینی کو دیکھے جا رہا تھا جیسے اس کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کو معنی پہنانے سے قاصر ہو۔

بالآخر دونوں نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔ بدقت تمام وہ اس جگہ پہنچے تھے جہاں اسٹیشن ویگن دوسرے آدمی کی نگرانی میں چھوڑی تھی۔ وہ انہیں حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"ابھی مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔" ڈینی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جتنی جلد ہمیں سردار گڑھ پہنچا سکتے ہو پہنچادو... بلکہ سیدھے پولیس اسٹیشن چلو۔"

* * *

عمران کا فلیٹ آج کل ضرورت سے زیادہ "آباد" ہو گیا تھا اور اس "آبادی" کی سب سے بڑی وجہ تھی جیمسن کی ڈاڑھی۔

جیمسن کی ڈاڑھی کی وجہ سے ظفرالملک کو اپنا فلیٹ چھوڑنا پڑا تھا۔

بات دراصل یہ تھی کہ برابر والے فلیٹ پر بلڈنگ کے مالک کی بہن کا قبضہ تھا۔ یہ بھاری جسم والی ایک معمر خاتون تھیں... ایک دن انہوں نے جیمسن کو اس طرح للکارا کہ اس کے ہوش اڑ گئے۔

"مجھے چڑھاتے ہو...!" وہ اس کا راستہ روک کر دھاڑیں۔

"جج... جی... نہیں..." جیمسن بوکھلا کر بولا۔

"تو پھر مجھے دیکھ کر ڈاڑھی پر کیوں ہاتھ پھیرتے ہو؟"

جیمسن نے ہونقوں کی طرح دانت نکال دیئے اور پھر جلدی سے شرما کر بولا "میری عادت ہے۔!"

"بکواس ہے.... تم مجھے چڑھاتے ہو....!"

وہ اس طرح سر ہوئیں تو جیمسن نے پہلی بار انہیں غور سے دیکھا۔ اور پھر اس کے پیروں کے تلے سے زمین نکل گئی.... ان محترمہ کی ٹھوڑی پر تین چار لمبے لمبے بال تھے۔

اب وہ صفائی پیش کر رہا تھا اور وہ آپے سے باہر ہوئی جا رہی تھیں۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ دوسرے دن مالک مکان نے ان کے دروازے پر دستک دی اور ایک تحریری نوٹس ظفرالملک کے ہاتھ میں پکڑا کر چلا گیا۔

نوٹس کے مطابق انہیں اس بناء پر فلیٹ پندرہ دن کے اندر اندر خالی کر دینا تھا کہ حسبِ وعدہ ان کے "بال بچے" چھ ماہ بعد بھی "وارِد" نہیں ہوئے تھے۔

بال بچوں والی ہوائی بھی جیمسن ہی نے چھوڑی تھی۔ مالک مکان "کنواروں" کو کرایہ دار بنانے پر آمادہ نہیں تھا۔ اس پر جیمسن چھوٹتے ہی بولا تھا۔

"بال بچے دار ہیں جناب! تبادلے پر آئے ہیں۔ عنقریب بال بچے بھی آجائیں گے فکر مت کیجئے۔"

ظفرالملک نے اسی وقت اس غلط بیانی کی مخالفت کی تھی۔ لہٰذا اس نوٹس پر اصولاً اسے فلیٹ چھوڑ دینے پر مجبور ہو جانا پڑا۔

عمران نے بڑی فراخ دلی سے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر تم لوگ اپنے ساتھ چند مرغیاں، ایک طوطے کا پنجرہ اور ایک آدھ بلی بھی لاتے تو مجھے اور زیادہ خوشی ہوتی۔"

آج وہ دونوں حسبِ معمول مکان کی تلاش میں نکل گئے تھے اور عمران کے سر پر سلیمان مسلط تھا۔ بڑی دیر سے دماغ چاٹے جا رہا تھا کہ اچانک عمران اٹھ کر بھاگا اور باورچی خانے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

"اس سے کیا ہوگا؟" سلیمان نے باہر سے ہانک لگائی۔

"میں اب یہیں قیام کروں گا۔ تجھ سے مغز چٹوانے سے زیادہ آسان تو یہی ہوگا کہ میں خود ہی پکا پکا کر تم سبھوں کو کھلاؤں۔!"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"تو اتنے آدمیوں کا کھانا نہیں پکا سکتا۔ اسی لئے تو بکواس کر رہا ہے۔"

"ہمیشہ غلط سمجھیں گے۔" سلیمان نے دروازے سے سر ٹکراتے ہوئے کہا۔

"ابے جا.... کسی اور کو چڑائیو.... دروازے پر ہاتھ مار رہا ہے۔"

"نہیں باس....!" دور سے جوزف کی آواز آئی.... "یہ سچ مچ سر ٹکرا رہا ہے.... دروازہ کھول دو.... ورنہ یہ اپنا سر توڑ ڈالے گا۔!"

عمران نے دروازہ کھولا.... جوزف کی دخل اندازی اسے غیر معمولی معلوم ہوئی تھی کیونکہ ایسے معاملات میں کبھی نہیں بولتا تھا۔

عمران کے برآمد ہوتے ہی سلیمان نے پھر کچھ کہنا چاہا تھا کہ جوزف ہاتھ اٹھا کر بولا "بس.... بس.... باہر کوئی اجنبی ہے۔!"

"کون ہے....؟" عمران نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک سفید سوریا۔" جوزف بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کہیں سے تمہارے کسی دوست کا پیغام لائی ہے۔"

"اُسے نشست کے کمرے میں بٹھاؤ.... مسالہ پیس کر ہی مل سکوں گا۔!"

"آپ کیوں خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔" سلیمان بھنا کر بولا۔ "میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ جتنا آپ خرچ کے لئے دیتے ہیں اس سے کام نہیں چلے گا۔"

"میں نے سنا ہے کہ مہمان اپنی قسمت کا ساتھ لاتے ہیں۔"

"آپ ہی کی جیب سے نکلواتے ہیں۔ آپ نے غلط سنا ہے۔"

"اچھا.... اچھا.... بکواس بند.... میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

سلیمان کو وہیں چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں آیا۔ لڑکی یوریشین معلوم ہوتی تھی تندرست اور خوش شکل تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ بیس سال رہی ہوگی.... عمران کو دیکھ کر اٹھ گئی تھی۔

"بیٹھئے.... بیٹھئے....!" عمران نے بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے علی عمران کہتے ہیں۔!"

"میں رینا فشر ہوں۔" اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

دونوں بیٹھ گئے۔ لیکن عمران کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دوسرے ہی لمحے میں اٹھ

کر بھاگ نکلے گا۔

"میں سردار گڑھ سے آئی ہوں۔!" ریتا نے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کے دوست مسٹر ڈینی ولسن کا پیغام لائی ہوں۔"

"ڈ ڈ... ڈینی ولسن.... لیکن میں تو کسی ڈینی ولسن کو نہیں جانتا۔"

"تب پھر آپ مسٹر علی عمران نہ ہوں گے۔!" ریتا نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں قسم کھا سکتا ہوں کہ یہی میرا نام ہے۔"

"اور آپ ڈینی ولسن کو نہیں جانتے؟"

"ہو سکتا ہے.... جانتا ہی ہوں.... آہا ٹھیک.... وہ تو نہیں جس نے پچھلے سال اپنے کھیت میں تین تین سیر کے آلو اگائے تھے۔!"

"جی نہیں.... ان کا سرکس ہے۔!"

"اُف فوہ.... مجھے افسوس ہے.... ہاں وہ بھی ڈینی ولسن ہی ہے۔ ٹھیک ٹھاک ہے نا.... بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"وہ اس وقت سردار گڑھ میں پولیس کی حراست میں ہیں۔"

"کیوں؟" عمران نے احمقانہ انداز میں حیرت ظاہر کی۔

"زبانی بتانا میرے بس سے باہر ہے۔ سب کچھ لکھ لائی ہوں۔ مسٹر ولسن کا خیال ہے کہ آپ کے علاوہ اور کوئی انہیں اس مشکل سے نجات نہیں دلا سکتا۔!"

عمران اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا اور اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے تہہ کئے ہوئے کچھ کاغذات نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

عمران نے جوزف کو آواز دے کر کافی کے لئے کہا اور ان کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

ریتا خاموش بیٹھی اسے بغور دیکھے جا رہی تھی۔

کاغذات دیکھ چکنے کے بعد عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اول درجے کے احمق معلوم ہوتے ہیں۔!"

"کک.... کیا مطلب؟" ریتا چونک پڑی اور اس کی آواز سن کر عمران بھی اسی طرح چونکا تھا جیسے اس کی موجودگی کو فراموش کر بیٹھا ہو۔

"کک.... کچھ نہیں.... مطلب یہ کہ آخر وہ لوگ آپ کو بھی کیوں نہ اٹھا لے گئے؟"

"مجھے وہ دیکھ ہی نہیں سکے تھے۔ میں چھپ گئی تھی۔" ریتا جلدی سے بولی۔

"کیا وہ دونوں آپ سے زیادہ خوب صورت ہیں۔"

"کیا یہ بے تکا سوال نہیں ہے مسٹر۔!" وہ بُرا مان کر بولی۔

"مجھے حق حاصل ہے کہ آپ کو ان سے زیادہ خوب صورت سمجھوں.... مجھے کون اس سے باز رکھ سکتا ہے۔!"

"میں نہیں سمجھ سکی۔"

"کیا نہیں سمجھ سکیں؟"

"میں کہتی ہوں غیر متعلق باتیں چھیڑنے سے کیا فائدہ؟"

"اچھا تو یہی بتا دو کہ وہ ڈینی جیسے خرانٹ کو کیوں نہ پکڑ لے گئے۔ تمہارے تحریری بیان کے مطابق ڈان فاگان بھی ایک جگہ سڑک پر بے ہوش پڑا ملا گیا تھا....! آہا.... اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ....!"

"وہ خود کو اسپینی کہتا تھا۔!"

"کہتا تھا.... کیا مطلب....؟"

"اب کچھ نہیں کہہ سکتا.... سب کچھ بھول گیا ہے حتیٰ کہ اپنا نام بھی نہیں بتا سکتا۔!"

"خیر.... خیر.... ہو سکتا ہے یادداشت کھو بیٹھا ہو۔!"

"پولیس سرجن یہی کہتا ہے۔!"

"لیکن ڈینی زیرِ حراست کیوں ہے؟"

"پولیس اس کے بیان پر یقین کرنے کو تیار نہیں کیونکہ اس سے پہلے وہاں کوئی ایسا بندر نہیں دیکھا گیا تھا۔!"

"تم اس کے بیان کی تصدیق کر سکتی تھیں۔ سرکس کا ایک اور آدمی بھی عینی شاہد تھا....!"

"مسٹر ولسن نے پولیس کا رویہ دیکھ کر ہم دونوں کو اس معاملے سے قطعی الگ کر دیا تھا۔ سرے سے ہمارا ذکر ہی نہیں کیا۔!"

"تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ وہ لوگ ڈان فاگان کو بھی پکڑ لے گئے تھے۔"

”میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔!“

”اور پھر وہ روانگی کے مقام سے کتنے فاصلے پر ملا تھا۔!“

”میرا خیال ہے کہ ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر۔!“

”کتنی دیر بعد ہوش میں آیا تھا۔“

”سات یا آٹھ گھنٹے بعد۔۔ لیکن اس کے جسم پر کہیں کوئی معمولی سی خراش بھی نہیں تھی۔!“

”تب تو اچھا ہی ہوا کہ یادداشت کھو بیٹھا ورنہ خود پولیس ہی اسے یادداشت کھو بیٹھنے پر مجبور کر دیتی۔ تم دیکھ لینا ڈینی بھی پاگل ہو جائے گا۔!“

”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں جناب؟“ رینا پھر بُرا مان گئی۔

اتنے میں سلیمان کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور عمران نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ رینا اسے ناگواری سے دیکھے جا رہی تھی۔

”کافی بناؤ“ عمران نے سلیمان سے کہا۔

”میں اپنے ہاتھ سے بنا کر پیتی ہوں۔!“ رینا بولی۔

”جاؤ۔۔۔۔!“ عمران نے ہاتھ ہلا کر کہا اور سلیمان سر کھجاتا ہوا واپس چلا گیا۔

”مسٹر ولسن کے بیان سے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ ان کے لئے جان تک دے دیں گے۔“ رینا نے کپ میں شکر ڈالتے ہوئے کہا۔

”بے وقوف بوڑھا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

رینا جھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتی ہوئی بولی۔ ”شائد میں غلط جگہ آگئی ہوں۔“

”بالکل۔۔۔۔! تمہارے لئے بھی صحیح جگہ جیل ہی تھی۔!“

”آپ کو قطعی حق نہیں پہنچتا کہ۔۔۔۔!“

”بیٹھ جاؤ۔۔۔۔ ورنہ میری کافی ضائع ہو جائے گی۔ ایسا کہاں کا لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہوں۔“

”پتا نہیں مسٹر ولسن نے مجھے یہاں کیوں بھیجا تھا۔!“

”شائد وہ چاہتا ہے کہ میں بھی دھاری دار بندر دیکھ لوں۔ تم تو دیکھ ہی چکی ہو۔!“

”مسٹر۔۔۔۔ اب آپ اپنی زبان کو لگام دیجئے! میں واپس جا رہی ہوں۔“

”مجھے دھاری دار بندر نہیں دکھاؤ گی۔ ویسے قیام کہاں ہے تمہارا!؟“

”سیدھی یہیں آئی ہوں لیکن اب ایک منٹ کے لئے بھی نہیں رُک سکتی۔ آپ بالکل احمق معلوم ہوتے ہیں۔!“

”معلوم نہیں ہوتا بلکہ پیدائشی احمق ہوں۔۔۔۔ کافی پلیز۔۔۔۔!“

وہ دھم سے بیٹھ گئی۔۔۔۔ اور عمران کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی۔

پھر عمران ہی نے کپ تیار کر کے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میرے چچا کے بہنوئی کا داماد سردار گڑھ کا مجسٹریٹ ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ ڈینی رہا کر دیا جائے۔!“

”یہ بھی غلط ہے۔!“

”کیوں؟“

”سردار گڑھ کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ غیر شادی شدہ ہے۔!“

”تب تو اسے بھی کوئی دھاری دار بندر ہی لے جائے گا۔!“

”میں اپنا وقت برباد کر رہی ہوں۔!“

”ساتھ ہی میری کافی بھی برباد ہو رہی ہے آخر پیتی کیوں نہیں۔!“

”کاش وہ مجھے بھی پکڑ لے گئے ہوتے۔!“

”گڈ!“ عمران چہک کر بولا۔ ”اب ہوئی نا بات۔ کافی پیو وہ بندر میرا چچازاد بھائی ہے فکر نہ کرو!“

”مسٹر علی عمران مجھے غصہ آتا ہے تو پاگل ہو جاتی ہوں۔!“

”کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔!“

رینا بے بسی سے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگی۔

کچھ دیر بعد جب وہ کپ خالی کر کے میز پر رکھ چکی تھی۔ عمران نے پوچھا۔ ”کیا تم سردار گڑھ ہی واپس جاؤ گی۔!“

”ہاں۔۔۔۔ میں واپس جاؤں گی۔!“

”اچھا تو مسٹر ڈینی ولسن سے کہہ دینا کہ میں کسی ڈینی ولسن کو نہیں جانتا۔!“

”ہوں۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔!“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم کوئی فراڈ کر رہے ہو۔۔۔۔ مسٹر ولسن تمہارے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔!“

اس بار عمران نے اسے نہیں روکا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

◆

تین دن بعد پولیس ہسپتال کے ڈاکٹر نے تجویز پیش کی کہ ڈان فاگان کو ڈینی ولسن کے سامنے لے جایا جائے۔

ڈینی حوالات میں تھا اور رینا اسے بتا رہی تھی کہ اس کا نام نہاد دوست کس طرح پیش آیا تھا۔

"ب.... بس...." ڈینی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "کام بن گیا مجھ جیسا کہن سال اور تجربہ کار آدمی بھی اُسے آج تک نہیں سمجھ سکا تو تم کیا سمجھو گی۔ اچھی لڑکی وہ اس زمین کی مخلوق تو معلوم ہی نہیں ہوتا۔!"

"صورت ہی سے اول درجے کا احمق معلوم ہوتا ہے۔"

"تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہ قائم کرو۔" ڈینی نے مسکرا کر کہا۔

ٹھیک اسی وقت ڈان فاگان وہاں لایا گیا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھے جا رہا تھا.... ڈینی اور رینا پر اس نے بے تعلقانہ سی نظر ڈالی تھی اور پھر پولیس سرجن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"کیا تم اس بوڑھے آدمی کو نہیں پہچانتے۔" سرجن نے اس سے پوچھا اور اس نے بڑی مایوسی سے اپنے سر کو منفی جنبش دی۔

"ذلیل آدمی۔" ڈینی آہستہ سے بڑبڑایا۔ اور رینا بھی پُر تنفر انداز میں اسے دیکھنے لگی۔!

دفعتاً ڈان فاگان کسی ایسی زبان میں بولنے لگا جو کسی کی بھی سمجھ میں نہ آ سکی۔ پولیس سرجن نے ڈینی کی طرف دیکھا۔

"اول درجے کا فراڈ ہے۔!" ڈینی بڑبڑایا۔

"تم غلط کہتے ہو.... یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔!" پولیس سرجن ناگواری سے بولا۔

علاقے کا ڈی ایس پی بھی موجود تھا۔ اس نے ڈینی کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ان سب باتوں کی جواب دہی تمہیں کرنی پڑے گی۔ بتاؤ وہ دونوں لڑکیاں کہاں گئیں اور یہ

اس حال کو کیسے پہنچا۔!"

"اگر میں ہی اس کا ذمہ دار ہوں تو مجھ سے زیادہ احمق روئے زمین پر شاید کوئی دوسرا نہ ملے۔" ڈینی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" ڈی ایس پی کی بھنویں تن گئیں۔

"اسے تمہارے پاس کون لایا تھا؟"

"کچھ لوگ بڑے دیدہ دلیر ہوتے ہیں۔ تم اسے بیہوشی کی حالت میں لائے تھے اور اس سے لاعلم تھے کہ ہوش میں آنے کے باوجود بھی یہ بیہوش ہی رہے گا۔ ورنہ تم اسے ٹھوکریں کھانے کے لئے کہیں اور چھوڑ آتے۔!"

"خیر اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔" ڈینی نے کہا۔ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ ایک معمر اور پُر وقار آدمی ڈی ایس پی کے قریب آ کھڑا ہوا۔

ڈی۔ ایس۔ پی اسے دیکھتے ہی چونک پڑا تھا۔

اس نے ڈی۔ ایس۔ پی سے کہا۔ "مسٹر ڈینی ولسن کی ضمانت پر رہائی کا پروانہ لایا ہوں۔"

"کس نے ضمانت دی ہے؟" ڈی ایس پی کا اندازِ گفتگو جارحانہ تھا۔

"میں نے....!" اجنبی نے خشک لہجے میں کہا اور کچھ کاغذات ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف بڑھا دیئے۔

اس طرح آن کی آن میں ڈینی کو حیرت انگیز طور پر رہائی نصیب ہو گئی.... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسی فرشتہ رحمت کو دیکھے جا رہا تھا۔ لاکھ ذہن پر زور دیتا رہا لیکن یاد نہ آ سکا کہ پہلے اسے کہاں دیکھا تھا۔

پولیس اسٹیشن کے باہر نئے ماڈل کی لمبی سی ڈوج ڈارلٹ کھڑی تھی۔ باوردی شوفر نے ان کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ معمر اجنبی رینا اور ڈینی کے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"کیا میں اپنے محسن کا نام معلوم کر سکتا ہوں۔؟" ڈینی نے اسے مخاطب کر کے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا کارڈ نکال کر ڈینی کی طرف بڑھا دیا۔

"میں عینک کے بغیر نہیں پڑھ سکتا۔" ڈینی نے کارڈ لے کر رینا کو دیتے ہوئے کہا۔ رینا نے

بہ آواز بلند پڑھا۔ “مسٹر اے ایچ ہاشمی بار ایٹ لاء.... تھرٹین کورٹ روڈ سردار گڑھ۔!”

“لیکن.... لیکن....!” ڈینی نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ لیکن بیرسٹر ہاتھ اٹھا کر بولا۔

“اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کے ایک ہمدرد نے جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا میری خدمات حاصل کی ہیں۔!”

“اوہ.... اوہ.... میں سمجھ گیا۔” ڈینی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

بیرسٹر نے ان دونوں کو سرکس کی کمپاؤنڈ میں اتارا تھا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

“تم نے دیکھا....؟” ڈینی نے رینا سے فخریہ لہجے میں کہا۔

“مم.... میں نہیں سمجھی۔!”

“مسٹر عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔!”

“ارے وہ منحوس.... میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔!”

“دیکھ لینا....!”

“اگر وہی ہے تو چھپنے کی کیا ضرورت ہے.... سامنے کیوں نہیں آیا۔!”

“تم نہیں سمجھ سکتیں۔!”

“خیر.... مجھے کیا....!”

پھر ڈینی اپنے ملازمین میں گھر گیا تھا اور رینا سیدھی اپنی چھولداری کی طرف چلی گئی تھی۔

پہلے وہ عمران کے متعلق سوچتی رہی تھی پھر ذہن ڈان فاگان کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ کیا ڈینی کا خیال صحیح ہے کیا سچ مچ ڈان فاگان نے فراڈ کیا تھا کیا اب محض اداکاری کر رہا ہے لیکن کب تک.... اور پھر اداکاری بھی یادداشت ضائع ہو جانے کی.... کب تک معمول پر نہ آئے گا۔ کیوں نہ اس سے علیحدگی میں ملاقات کی جائے۔ لیکن وہ تو پولیس ہسپتال میں ہے اور پولیس سرجن اُسے ڈینی کی ملازمہ کی حیثیت سے جانتا ہے پھر اچانک نیلی اور کٹی یاد آئیں نہ جانے بیچاریاں کہاں ہوں گی۔ پتا نہیں ان پر کیا گزر رہی ہو گی۔ خدا غارت کرے ڈان فاگان اور منحوس بندر کو.... ڈان فاگان....!

اس کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئیں۔ اس نے تہیہ کیا کہ ڈان فاگان سے ضرور ملے گی۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ پولیس ہسپتال جا پہنچی تھی۔ اتفاق سے پولیس سرجن ہی

سے پہلے مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

“ہو سکتا ہے میں اس کی یادداشت واپس لا سکوں۔” رینا بڑے دلآویز انداز میں مسکرا کر بولی۔

“میں نہیں سمجھا۔!”

“میں اس وقت موجود تھی جب اس نے نیلی اور کٹی کو بندر کے سلسلے میں سفر پر آمادہ کیا تھا۔”

“آپ نے پہلے اس قسم کا کوئی بیان کیوں نہیں دیا؟”

“خواہ مخواہ الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن اب جب کہ مسٹر ڈینی ولسن مجرم گردانے جا رہے ہیں۔ میں کس طرح خاموش رہ سکتی ہوں۔”

“اگر یہ بات ہے تو شاید آپ اس سلسلے میں کچھ مدد کر سکیں.... آیئے میرے ساتھ۔!”

وہ اسے اس کمرے میں لایا جہاں ڈان فاگان مضطربانہ انداز میں ٹہل رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر رکا اور رینا کو گھورنے لگا۔

اس کے بعد کچھ غیر مانوس سے الفاظ اس کی زبان سے نکلے تھے۔

“کیا کہہ رہا ہے؟” رینا نے سرجن سے پوچھا۔

“اسپینی کے علاوہ اور کچھ نہیں بول سکتا۔!”

“یہ قطعی غلط ہے انگریزی بھی روانی سے بولتا تھا ورنہ انہیں بندر کے بارے میں کیسے بتاتا۔ ہم سب اسپینی سے نابلد ہیں۔”

سرجن کسی سوچ میں پڑ گیا اور رینا نے ڈان فاگان کو مخاطب کر کے انگریزی میں کہا۔ “مجھے حیرت ہے کہ تم مجھے نہیں پہچانتے۔ تم نے کئی دن ہم تینوں کے ساتھ گزارے تھے۔”

ڈان فاگان بالکل اسی طرح اسے دیکھتا رہا جیسے کچھ بھی نہ سمجھ سکا ہو۔!

“تمہارا یہ فراڈ کتنے دنوں چلے گا؟” رینا پھر بولی۔

“ٹھہرو....!” سرجن ہاتھ ہلا کر بولا۔ “ایک تجویز ہے۔ ہم ایک بار پھر تنکیز کی چڑھائی پر چلیں۔ اور تم بھی ہمارے ساتھ رہو۔!”

“میں تیار ہوں۔!” رینا نے کہا۔

پولیس سرجن نے فون پر ڈی ایس پی سے رابطہ قائم کر کے اپنی تجویز اس کے سامنے بھی پیش کرتے ہوئے کہا۔ “اگر یہ سچ ہے کہ اس قسم کا کوئی بندر وہاں موجود ہے اور عورت کی بو پا کر

سامنے آتا ہے تو اس کی بھی تصدیق ہو جائے گی کیونکہ سرکس ہی کی ایک لڑکی ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی ہے۔!“

کچھ دیر بعد.... دو جیپوں میں پانچ مسلح کانسٹیبل ایک سب انسپکٹر پولیس سرجن، رینا اور ڈان فاگان تنکیزر کی طرف روانہ ہو گئے۔

ڈان فاگان، سرجن اور رینا ایک ہی جیپ میں تھے راستے میں کئی بار ڈان فاگان اسپینی میں کچھ بڑبڑایا تھا لیکن اس کے انداز سے ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ گردوپیش کے ماحول سے قطعی بے خبر ہو۔

رینا نے اسی جگہ گاڑی رکوائی جہاں پہلے وقوعے سے قبل ڈینی کی اسٹیشن ویگن روکی گئی تھی۔

پیچھے والی جیپ بھی رُک گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اور گاڑی کھڑی نظر آئی جس میں ایک ہپی بیٹھا کوئی موٹی سی کتاب پڑھ رہا تھا۔

وہ سب جیپوں سے اتر گئے۔

ہپی کتاب بند کر کے ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی جاندار تھیں پولیس انسپکٹر نے اسے گھور کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

دونوں جیپوں کے ڈرائیور ایک مسلح کانسٹیبل سمیت وہیں رُک گئے اور بقیہ لوگوں نے چڑھائی کا رخ کیا۔

پولیس انسپکٹر بار بار مڑ کر گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہپی کو گھورنے لگتا تھا جو اب پھر اپنی موٹی سی کتاب میں ڈوب گیا تھا۔

ڈان فاگان خاموشی سے راستہ طے کر رہا تھا اُس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی کہیں بھی تو اس کی آنکھوں میں شناسائی کی جھلک نہیں دکھائی دی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہلی بار اودھر آیا ہو۔

رینا سوچ رہی تھی کہ کہیں اس سے غلطی تو سرزد نہیں ہوئی۔ اگر آج پھر کوئی حادثہ پیش آیا تو ڈینی کو کیا جواب دے گی۔

کچھ دیر بعد وہ اسی جگہ پہنچ گئے جہاں بندر دکھائی دیتا تھا۔ ڈان فاگان کو ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ رینا مسلح کانسٹیبلوں کے نرغے میں تھی۔ پولیس سرجن ڈان فاگان کو بغور دیکھ رہا تھا۔

اچانک اسی وقت ٹھیک اُدھر ہی سے دو آدمیوں کے سر اُبھرے جدھر بندر نمودار ہوا تھا۔

”اوہو....!“ رینا چونک پڑی پھر اس نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لئے ان میں سے ایک جانی پہچانی شخصیت تھی اور دوسرا بڑے بالوں والا ایک ہپی نوجوان تھا۔!

رینا کی حیرت بڑھتی رہی.... عمران یہاں کہاں؟

وہ دونوں پوری طرح سامنے آ گئے۔ مسلح کانسٹیبلوں کے تیور بتا رہے تھے جیسے وہ اُن پر اچانک حملہ کر دینے کے حکم کے منتظر ہوں۔

دفعتاً ڈان فاگان پھر کچھ بڑبڑایا اور رینا نے دیکھا کہ عمران نے ہنس کر بالکل ویسی ہی زبان میں اسے مخاطب کیا بس پھر کیا تھا ڈان فاگان اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دونوں کے درمیان زبانی ٹھن گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دونوں ایک دوسرے کو پھاڑ کھائیں گے ہپی نوجوان کھڑا ہنس رہا تھا۔

پھر مسلح کانسٹیبلوں کی دخل اندازی نے انہیں ایک دوسرے سے فاصلے پر پہنچا دیا تھا۔

”ہاں نہیں تو....!“ عمران سر جھٹک کر بولا۔ ”سالے نے خواہ مخواہ گالیاں دینی شروع کر دیں۔“

”کک.... کیا آپ اسپینی جانتے ہیں۔“ پولیس سرجن نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”کیوں نہیں....!“

”اس نے کیا کہا تھا؟“

”بڑی گندی سی گالی دی تھی پھر میں نے بھی وہ سنائیں کہ عقل ٹھکانے آ گئی ہو گی؟“

ڈان فاگان پھر بے تعلقانہ انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دیر سے اس کی زبان ہی نہ کھلی ہو۔

”آپ کون ہیں؟“

”ارے واہ.... کیا میں آپ کو آدمی کی بجائے کچھ اور نظر آ رہا ہوں۔“

”یہ بات نہیں!“ سرجن نے نرم لہجے میں کہا ”ہمیں توقع نہیں تھی کہ یہاں ہمارے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہو گا۔ شاید نیچے آپ ہی لوگوں کی گاڑی کھڑی ہے۔!“

”ہم بھی بندر دیکھنے آئے تھے۔ اخباروں میں پڑھا تھا اس کے متعلق....!“

”کیا آپ سردار گڑھ ہی کے باشندے ہیں؟“

”جی نہیں سیزن گزارنے آئے ہیں۔!“

رینا اردو بول اور سمجھ سکتی تھی لیکن وہ خاموش ہی رہی۔ عمران سے متعلق ڈینی کا قول کرسی نشین ہوتا نظر آرہا تھا۔

"میرا نام سعید صدیقی ہے۔ پولیس ہسپتال کا ڈاکٹر ہوں۔!"

"میرا نام علی عمران ہے۔!"

دونوں نے مصافحہ کیا اور ڈاکٹر بولا۔ "ہمیں کسی ایسے ہی آدمی کی تلاش تھی جو اسپینی جانتا ہو۔!"

"یہ آخر ہے کیا بلا؟" عمران نے ڈان فاگان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"آپ نے اخبارات میں اگر وہ کہانی پڑھی ہے تو ڈان فاگان کے بارے میں بھی جانتے ہوں گے....!"

"آہا.... تو یہ حضرت ہیں بھلا میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا کہ مجھے گالیاں دینے لگے۔"

"یادداشت کھو بیٹھا ہے کبھی کبھی صرف اسپینی میں بڑبڑانے لگتا ہے۔!"

"آپ لوگوں کو بھی گالیاں دیتا ہوگا صورت ہی سے ناہنجار معلوم ہوتا ہے۔"

"یہی تو بات ہے۔ دراصل اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کا ریکارڈ رکھنا پڑے گا۔"

سب انسپکٹر نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "پندرہ منٹ تو ہوگئے۔!"

عمران اس کی طرف متوجہ ہوگیا وہ بھی عمران ہی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیوں جناب! کیا آپ کو ادھر آتے ہوئے خوف نہیں محسوس ہوتا تھا۔!" اس نے عمران سے پوچھا۔

"میرے ساتھ ظفر الملک ہیں۔!" عمران نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی ظفر النساء نہیں کہ خوف محسوس ہوتا۔!"

"کیا بات ہوئی؟"

"آپ لوگ ان بیچاری خاتون کو یہاں کیوں لائے ہیں؟" عمران نے رینا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ کو مجھ سے کوئی سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔!"

"بالکل پہنچتا ہے! میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اس اسپینی کو فضول سمجھ کر سڑک پر پھینک گئے تھے لیکن بے چاری لڑکیاں۔!"

"آپ اسے خوف زدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔!"

"اردو سمجھ لیتی ہے۔!" عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی ہاں.... اور وہ خود ہی آئی ہے۔!"

دفعتاً کسی نے چیخ کر کہا۔ "وہ رہا۔"

اور ٹھیک اسی وقت ایک دھماکہ ہوا.... افراتفری مچ گئی.... گہرا دھواں انہیں اپنے نرغے میں لے رہا تھا۔

◆

عمران نے بائیں جانب والے نشیب میں چھلانگ لگائی تھی۔ بڑی تیزی سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا تھا پھر کمر کسی ٹھوس چیز سے ٹکرائی اور آنکھوں میں تارے ناچ گئے کوئی بڑا پتھر راہ میں حائل ہوگیا تھا ورنہ اضطراری چھلانگ اسے سینکڑوں فٹ گہری کھڈ میں لے جاتی۔ کمر میں ایسی ہی چوٹ آئی تھی کہ کئی منٹ تک اس کے جسم میں ہلکی سی جنبش بھی نہ ہوسکی۔

آنکھیں بند کیے دم بخود پڑا رہا۔ کرتا بھی کیا۔ فی الحال ذہن سے سب کچھ محو ہوگیا تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کمر کی چوٹ نے سارے جسم کو سُن کر دیا ہو۔

کیا ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی؟ ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا اس خیال پر لیکن پھر فوراً خیال آیا ایسا نہیں ہوسکتا۔ ریڑھ کی ہڈی ٹوٹتی تو وہ یہ سوچنے کے قابل نہ رہ جاتا کہ کہیں ریڑھ کی ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی۔

پھر وقت اور گذرا۔ اس کا ذہن آہستہ آہستہ صاف ہوتا جارہا تھا۔ پھر اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور بخیر و عافیت اٹھ بھی بیٹھا البتہ کمر کی تکلیف بدستور قائم تھی۔

یہ ایسی جگہ تھی کہ یہاں سے سر پر پھیلے ہوئے نیلے آسمان کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

جہاں سے لڑھکتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ اس ڈھلان پر قدم جما کر اوپر جانا قریب قریب ناممکن ہی معلوم ہوتا تھا پھر نیچے نظر ڈالی تو روح فنا ہوگئی اور وہ اس پتھر سے چمٹ گیا جس سے ٹکرا کر چوٹ کھائی تھی۔ وقت گذرتا رہا عمران کی نظریں چڑھائی کی طرف لگی رہیں پھر اسے اوپر کچھ لوگ دکھائی دیئے۔

وہ ہاتھ ہلا ہلا کر چیخنے لگا۔ "ادھر.... ادھر.... میں اوپر نہیں پہنچ سکتا۔ یہ دیکھو.... جلدی کرو....!"

"تم وہاں کیسے پہنچے؟" کسی نے اوپر سے پوچھا۔

"یار کمال کرتے ہو۔ ارے کچھ کرو.... ورنہ بالکل نیچے پہنچ جاؤں گا۔"

"اچھا.... اچھا.... پتھر کو مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ ہم کچھ کرتے ہیں۔"

پندرہ یا بیس منٹ بعد ایک رسہ پھینکا گیا اور پھر جب وہ اس رسے کے سہارے اوپر پہنچا تو سردی کے باوجود بھی پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔

کچھ دیر ہاتھ پیر ڈالے پڑا رہا۔ پھر اٹھنے کی کوشش کی اور گردوپیش کا جائزہ لینے کے بعد ان سے پوچھا۔ "میرا ساتھی کہاں ہے؟"

"سب موجود ہیں.... اس کے علاوہ....!"

"وہ لل.... لڑکی۔"

"وہ بھی بچ گئی۔" پولیس سرجن بولا۔ "لیکن ابھی ہوش میں نہیں آئی۔"

"کہاں ہے؟"

"وہ ادھر.... اس پتلی سی دراڑ میں پڑی ہے۔"

"عمران آگے بڑھا.... دراڑ دو فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی لیکن طوالت کا اندازہ کرلینا دشوار ہی تھا کیونکہ آگے گہری تاریکی تھی۔

وہ پولیس والوں کی طرف مڑ کر بولا۔ "لڑکی چالاک معلوم ہوتی ہے۔!"

اس کے بعد اس نے اپنا سر پیٹنا شروع کردیا۔

"ارے.... ارے.... کیا ہوا جناب؟" پولیس سرجن آگے بڑھ کر بولا۔

"ہائے.... میرا ساتھی...." عمران کراہا۔ "وہ جنگلی اسے لڑکی سمجھ کر لے گئے۔ سمجھاتا تھا دیکھ بھائی اگر تو نے سر کے بال بڑھائے ہیں تو ڈاڑھی بھی رکھ لے.... لیکن کون سنتا ہے.... ہائے.... آخر وہی ہوا جس کا خدشتہ تھا۔ خدا کے لئے اپنے کسی سپاہی کو نیچے بھیج کر ڈاڑھی والے کو بلوا دیجئے۔"

"اچھا.... اچھا.... آپ خود کو سنبھالئے تو۔" سرجن بولا۔ اتنے میں سب انسپکٹر جھپٹ کر عمران کے قریب پہنچا اور اس کا بازو پکڑ کر کہنے لگا۔ "آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ آپ کا تعلق انہی جنگلیوں سے نہیں ہے؟"

"اب تو ہو ہی گیا ہے تعلق۔!"

"کیا مطلب؟"

"جب تک میرا ساتھی نہ مل جائے مطلب خود میں بھی نہیں سمجھ سکتا۔"

"وہ شائد ہوش میں آرہی ہے۔" سرجن نے کہا اور تیزی سے دراڑ میں داخل ہوگیا۔

"ادھر نہ دیکھئے.... میری بات کا جواب دیجئے۔" سب انسپکٹر عمران کو گھورتا ہوا بولا۔

"آپ کی بات نے لاجواب کردیا ہے مجھے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ جنگلی کس طرف سے آئے تھے۔"

"آپ نے نہیں دیکھا تھا؟"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی جناب! ابھی ابھی آپ ہی نے مجھے اُس کھڈ سے نکالا ہے۔ دھماکہ ہوتے ہی تو میں اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔"

"بہر حال آپ لوگ شبہے سے بالاتر قرار نہیں دیئے جاسکتے۔"

"کبھی نہیں دیئے گئے۔ میری تو شکل ہی دیکھ کر لوگ شبہے میں پڑ جاتے ہیں۔"

سرجن رینا کو سہارا دیئے ہوئے دراڑ سے برآمد ہوا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر عمران پر نظر ٹھہری۔ کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلے تھے لیکن آواز نہیں نکلی تھی۔

عمران دوسری طرف مڑ کر ایک کانسٹیبل سے بولا۔ "بھائی! ذرا نیچے جا کر اس ڈاڑھی والے کو بلا لاؤ۔"

"میری اجازت کے بغیر کوئی یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔" سب انسپکٹر غرایا۔

"اچھا! تو وہ لوگ آپ کی اجازت ہی سے میرے ساتھی کو اٹھا لے گئے ہیں۔ اب سمجھا۔ لڑکی کو بچانے کے لئے میرے ساتھی کو قربانی کا بکرا بنا دیا۔ واہ!"

"فضول باتوں میں کیا رکھا ہے!" سرجن رینا کو ایک طرف بٹھاتا ہوا بولا۔ "ہم وقت ضائع کررہے ہیں کیوں نہ انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"یہ ہوئی ناقاعدے کی بات!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اب بتایئے وہ کدھر سے آئے تھے؟"

بات دراصل یہ تھی کہ کسی کانسٹیبل نے بندر کو دیکھ کر نعرہ لگایا تھا.... پھر دھماکہ ہوا تھا اور ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی تھی۔ کوئی دیکھ ہی نہیں سکا تھا کہ جنگلی کب اور کدھر سے آئے تھے۔

سر جن عمران کو اس کے بارے میں بتا ہی رہا تھا کہ جیمسن بھی آ پہنچا۔

عمران نے اُسے دیکھ کر اس طرح منہ بنا دیا جیسے رو ہی تو دے گا۔ پھر گلو گیر آواز میں بولا۔ "اے میرے دوست کے یار وفادار.... وہ نامراد جنگلی اُسے لڑکی سمجھ کر اٹھا لے گئے۔"

"کسے؟"

"ظفر کو....!"

"اور آپ لوگ؟" جیمسن نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"لیکن تم خود بخود کیسے چلے آئے؟"

"میں نے شاید دھماکا سنا تھا۔"

"افراسیاب نے گولا مارا تھا.... تم نے ٹھیک سنا تھا۔"

"ٹھیک سے بتایئے جناب.... ہز ہائی نس کہاں ہیں؟"

"یقین کر بھائی.... ان محترمہ کے دھوکے میں ظفر کو اٹھا لے گئے۔" عمران نے رینا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں نہیں سمجھی۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔!" وہ تنک کر کھڑی ہوگئی۔

"پھر کیا کہوں؟ آپ تو اس دراڑ میں جا لیٹی تھیں۔ میرا ساتھی پیچھے سے انہیں لڑکی ہی لگا ہوگا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ وہ لوگ کدھر سے آئے تھے۔ آپ نے ضرور دیکھا ہوگا کیونکہ آپ کو دراڑ میں داخل ہوجانے کا ہوش تھا۔"

"ادھر سے....!" رینا نے داہنی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

جیمسن اس طرف بڑھا ہی تھا کہ سب انسپکٹر دھاڑا۔ "ٹھہرو! تم دونوں حراست میں ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ سردار گڑھ چلنا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟" جیمسن عمران کی طرف مڑا۔

"یہ حضرات ہمیں ان جنگلیوں کے سرپرست سمجھ رہے ہیں۔"

"یہ کیا بکواس ہے؟" جیمسن سب انسپکٹر کو گھورتا ہوا بولا۔ "میں! ہز ہائی نس نواب زادہ ظفر الملک کا سیکرٹری ہوں۔"

"اور کیا...." عمران سر ہلا کر بولا۔ "لیکن سیکرٹری صاحب.... ذرا آپ بھی اپنی یہ پھول دار جیکٹ اتار دیجئے.... پیچھے سے ڈاڑھی نہیں دکھائی دیتی۔!"

"یور مجسٹی.... آپ دیر کیوں کر رہے ہیں؟" جیمسن بھنا کر بولا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا...." عمران رینا کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ان کی جیکٹ اور پتلون دیکھو....!"

"میں کہہ رہا ہوں جناب....!"

"ٹھیک ہے.... ہمیں دیکھنا چاہئے۔" سر جن نے انسپکٹر سے کہا۔

سب انسپکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر کانسٹیبلوں کو اشارہ کرتا ہوا اسی طرف بڑھا۔

اس طرف کی ڈھلان ناقابلِ عبور نہیں تھی۔

"کک.... کیا آپ بھی....؟" عمران نے حیرت سے پوچھا۔

"میں یہاں اکیلی تو نہیں ٹھہر سکتی۔" رینا نے کہا۔

وہ اس کے برابر ہی چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ظاہر نہ ہونے دینا کہ مجھے پہچانتی ہو۔!" عمران آہستہ سے بولا۔

"کب ظاہر ہونے دیا ہے۔ میں تمہیں غلط سمجھی تھی۔ مجھے معاف کر دو۔!"

"سب ٹھیک ہے۔"

جیمسن بڑے جوش میں سب سے آگے چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک جگہ رک کر اس نے زمین سے کوئی چیز اٹھائی.... اور پھر وہ سب اس کے گرد اکٹھا ہوگئے۔

"یہ سرخ رنگ کا ایک ریشمی رومال تھا۔"

"ہز ہائی نس کا رومال۔" جیمسن عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔

"رکھ لو یادگار کے طور پر۔" عمران نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

پھر وہ بائیں جانب جھپٹا تھا.... اس نے بھی کچھ اٹھایا.... یہ فاؤنٹین پن تھا۔

"راستہ بدل دینا چاہئے۔" اس نے سر جن سے کہا۔

”کیا مطلب؟“

”شاید وہ پوری طرح بیہوش نہیں ہوا تھا۔ نشان دہی کرتا گیا ہے۔“ عمران نے کہا اور بائیں جانب چل پڑا۔

سب سے پہلے سرجن نے اس کی تقلید کی تھی.... یہ راستہ دشوار گذار ثابت ہوا۔

ایک تنگ سے درے کے قریب ظفر الملک کا مفلر پڑا ملا۔ وہ پھر رک گئے۔ ڈان فاگان بھی ان کے ساتھ تھا۔ دفعتاً اس نے کچھ کہا اور عمران مڑ کر مسکرانے لگا۔

”کیا کہہ رہا ہے؟“ پولیس سرجن نے کہا۔

”مفلر کی والدہ محترمہ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ ناہنجار نے۔“

”ارے تو کیا اسپینی میں بھی؟“

”جی ہاں۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”دنیا کی ہر زبان مادری ہی زبان کہلاتی ہے۔“

”آپ لوگ بے تکی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا یہ باتوں کا وقت ہے۔“ جیمسن جھلا کر بولا۔ اور اسی تنگ سے درے میں گھستا چلا گیا۔

”ٹھہرو.... ٹھہرو....!“ پولیس انسپکٹر چیختا رہا۔ لیکن کون سنتا ہے۔ جیمسن ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

پھر عمران نے بھی آگے بڑھنا چاہا تھا لیکن انسپکٹر اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔ ”اپنے ساتھی کی رسید آجانے دیجئے پھر آپ بھی زحمت فرمایئے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”ہو سکتا ہے وہ اتنی دیر میں کسی غار میں گر کر اپنی ہڈیاں سرمہ کر چکا ہو۔“

”تو پھر؟“

”میں اپنی موجودگی میں کسی کو بھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”اور یہ سب کچھ ہوتا ہی رہے گا؟“

”میں مجبور ہوں...جب تک کوئی ایسا آدمی ساتھ نہ ہو جو ان اطراف سے بخوبی واقف ہو۔“

”جتنی دیر میں آپ کوئی ایسا آدمی تلاش کریں گے۔ وہ جنگلی میرے ساتھیوں کو بھون کر کھا جائیں گے۔ اچھی بات ہے آپ جا کر کوئی ایسا آدمی تلاش کر لایئے میں یہیں بیٹھا ہوں۔“

عمران سچ مچ درے کے سامنے آلتھی پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔ ٹھیک اسی وقت درے سے دوڑتے ہوئے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی اور کوئی اچھل کر عمران پر آپڑا۔ یہ جیمسن تھا اور گرتے ہی بیہوش ہو گیا تھا۔

پھر ایک عقاب کسی طرف سے نمودار ہوا اس نے بیہوش جیمسن پر ہی جھپٹا مارا اور اس کی جیکٹ کو ادھیڑتا ہوا مخالف سمت میں بلند ہوتا چلا گیا۔ رینا ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی تھی۔

”شائد ادھر ہی کہیں کوئی مادہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔“ سب انسپکٹر عقاب کی پرواز پر نظر جماتے ہوئے بولا۔

”اور اب میں اسے لے کر بیٹھوں۔“ عمران جیمسن کی طرف مکا ہلا کر کلکلایا۔

”شکر کیجئے کہ ان حضرت کی واپسی ہو گئی۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔

”ارے وہ پھر پلٹ رہا ہے۔“ رینا چیخی۔

عمران نے سر اٹھا کر دیکھا۔ عقاب دوسرے جھپٹے کے لئے پلٹ چکا تھا۔

”فائر کرو۔“! اس نے چیخ کر کہا اور جیمسن پر چھا گیا۔ اس بار عقاب عمران کی پشت پر پنجے مارتا ہوا دوسری طرف نکل گیا تھا۔

رینا سب انسپکٹر سے الجھ پڑی۔ ”آپ فائر کیوں نہیں کرتے؟“

”راؤنڈز کا حساب دینا پڑتا ہے۔ ہمارا اسلحہ چڑی ماری کے لئے نہیں۔“

”پھر وہ کیسے قابو میں آئے گا۔ ارے.... ارے.... پھر پلٹا۔“

اس مرتبہ عمران نے بڑی تیزی سے اپنا کوٹ اتارا تھا۔ اور پھر انہوں نے دیکھا کہ جیسے ہی عقاب نے جھپٹا مارنے کے لئے غوطہ کھایا۔ عمران کے کوٹ سے الجھ کر رہ گیا۔

کوٹ سمیت اسے دوسری طرف جھٹک کر عمران نے اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ کر بیٹھ گیا۔ ٹھیک اسی وقت ڈان فاگان دھاڑتا ہوا اس کی طرف دوڑا۔

”دیکھو.... دیکھو....!“ عمران چیخا۔ ”اب یہ مردود براہِ راست مجھے.... گالیاں دے رہا ہے.... اسے سنبھالو....!“

سب انسپکٹر کے اشارے پر دو کانسٹیبل ڈان فاگان سے چمٹ گئے تھے وہ رک تو گیا لیکن اس کی زبان بدستور چل رہی تھی۔

اسی دوران میں عمران بھی اٹھ کر اپنا کوٹ جھاڑنے لگا۔ عقاب کی گردن وہ پہلے توڑ چکا تھا۔

رینا جیمسن کے قریب جا بیٹھی تھی اور اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔ پھر ڈاکٹر بھی اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟" سب انسپکٹر نے عمران سے پوچھا۔

"گالیاں.... صرف گالیاں جیسے یہ عقاب اس کا کوئی ننھیالی رشتہ دار رہا ہو.... اور سنو.... وہ اب بوڑھی عورتوں کی طرح قرب قیامت کی دھمکی بھی دے رہا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے جناب.... لیکن آپ کیا چیز ہیں۔"

"ناچیز....!" عمران کہتا ہوا پھر جیمسن کے قریب پہنچ گیا اور جھک کر اس کا داہنا بازو ٹٹولنے لگا کیونکہ آستینیں خون سے بھیگی ہوئی تھیں۔

بدقت تمام جیکٹ اتاری جا سکی۔ اس کا بازو زخمی تھا اور آستین میں دو سوراخ نظر آئے۔

"گولی.... یہ زخم گولی کا ہے۔" سرجن نے پُر تحیر لہجے میں کہا۔

"ہڈی تو محفوظ ہے۔!" عمران نے پوچھا۔

"یہی غنیمت ہے۔" سرجن سر ہلا کر بولا۔

"اسی لئے میں روک رہا تھا۔" سب انسپکٹر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ "پتا نہیں کیا چکر ہے۔"

ٹھیک اسی وقت عمران نے جیبی ٹرانس میٹر پر اشارہ محسوس کیا.... اس وقت یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ سب انسپکٹر سر پر سوار تھا.... لہذا ٹرانس میٹر نکالنا ہی پڑا۔

کہیں سے کوئی بھرائی ہوئی آواز میں پکار رہا تھا۔ "ہیلو.... ہیلو.... عمران صاحب....!"

"ہیلو.... عمران.... ہواز دیٹ۔"

"ظفر الملک...." دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہائیں.... تم کہاں ہو؟"

"سڑک کے کنارے پڑا ہوں.... لیکن کہاں.... یہ نہیں بتا سکتا۔"

"جس راستے سے ہم آئے تھے۔ اسی پر تو نہیں۔"

"یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔"

"اور کون ہے تمہارے پاس....!"

"کوئی بھی نہیں.... دور دور تک کوئی نہیں دکھائی دیتا۔"

"تم وہاں پہنچے کس طرح؟"

"کچھ پتا نہیں.... دھماکے کے بعد سے کچھ بھی یاد نہیں۔"

"اچھی بات ہے.... جہاں ہو وہیں ٹھہرو.... میرا خیال ہے تمہارا حشر بھی ڈان فاگان ہی کا سا ہوا ہے۔ ہم سردار گڑھ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔"

"بہت بہتر۔"

عمران ٹرانس میٹر کا سوئچ آف کر کے اُسے جیب میں ڈالنے ہی والا تھا کہ سب انسپکٹر نے ہاتھ پکڑ لیا۔

"بہت قیمتی ہے۔ ہرگز نہ دوں گا۔" عمران بولا۔

"میں پوچھ رہا ہوں کہ آپ کے پاس پرمٹ ہے اور آپ کس سے گفتگو کر رہے تھے؟"

"میں اپنے اس ساتھی سے گفتگو کر رہا تھا جو رائفلوں کے درمیان بھی ان وحشیوں سے محفوظ نہ رہ سکا تھا۔ وہ اس وقت کسی سڑک کے کنارے پڑا ہوا ہے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں پرمٹ۔"

"آپ جھک مار رہے ہیں۔" رینا آگے بڑھ کر بولی۔ نہ جانے کیوں اُسے غصہ آ گیا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ نے اب تک کیا کیا ہے۔؟"

"یہ میں جانتا ہوں کہ مجھے کب کیا کرنا چاہئے؟"

بات بڑھ جاتی لیکن سرجن آڑے آیا.... وہ زخمی جیمسن کے لئے فوری طور پر طبی امداد فراہم کرنا چاہتا تھا۔

اُسے وہاں سے اٹھا کر سڑک تک لے جانے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔

گاڑیاں سردار گڑھ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ عمران اپنی جیپ ڈرائیو کر رہا تھا پچھلی سیٹ پر جیمسن کسی نہ کسی طرح لٹا دیا گیا تھا۔ اور اب سب انسپکٹر عمران کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

"آپ میرے ہیڈ کوارٹر چلیں گے۔" اس نے عمران سے کہا۔

"پہلے ہسپتال.... آپ بھول رہے ہیں۔ ویسے آپ کب بھرتی ہوئے تھے جناب؟"

”بھرتی نہیں ہوا تھا۔ ٹریننگ کالج سے آیا ہوں۔“

”اوہ اچھا.... بھلا بتایئے تو.... مونگ کی کھچڑی کا کیا فار مولا ہے۔“

”آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا؟“

”میرا ایک انسپکٹر دوست مونگ کی کھچڑی پر اتھارٹی ہے۔“

”خیر دیکھوں گا۔“ سب انسپکٹر سر ہلا کر بولا۔

اچانک گاڑیاں رک گئیں.... ظفر الملک مل گیا تھا۔ اس کے کپڑے تار تار تھے.... اور وہ بمشکل کھڑا ہو سکتا تھا۔

وہ سب گاڑیوں سے اتر پڑے۔ ظفر الملک کو سہارا دے کر ایک گاڑی میں بٹھایا گیا۔ رینا عمران کے قریب کھڑی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ٹھیک اسی جگہ ڈان فاگان بھی پڑا ملا تھا۔ اور ہاں ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ میں بھی اس حادثے کے وقت وہاں موجود تھی۔!“

”فکر نہ کرو.... سب دیکھ لیا جائے گا۔“

سب انسپکٹر نے انہیں گفتگو کرتے دیکھ کر ان کی طرف دوڑ لگائی تھی۔

”یار تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں اب تمہیں اپنی گاڑی میں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ یہ بیٹھیں گی میرے ساتھ... پولیس والوں میں اتنی دیر تک بیٹھنے سے میری گرامر کمزور ہو گئی ہے۔“

رینا پہلے ہی اچھل کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ سب انسپکٹر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ ”نہیں.... اسی گاڑی میں جایئے۔“

”میں تو نہیں جاتی۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں!“ سب انسپکٹر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

”سنو دوست! عمران اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولا۔ ”عورتوں سے اس لہجے میں گفتگو نہیں کیا کرتے۔ تمہارا ایس پی بڑا حسن پرست آدمی ہے۔ اگر شکایت کر دی گئی تو اسے بڑا دکھ ہو گا۔ سردار گڑھ پہنچ کر میں تمہیں اس سے ضرور ملاؤں گا۔ بس جاؤ.... اپنی کسی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ میرا ساتھی تمہاری ہی گاڑی میں ہے۔ میں اسے چھوڑ کر کہیں بھاگ نہیں سکتا۔“

”اچھی بات ہے سردار گڑھ پہنچ کر دیکھا جائے گا۔“ سب انسپکٹر نے غصیلے لہجے میں کہا اور اگلی گاڑیوں کی طرف بڑھ گیا۔

گاڑیاں پھر چل پڑی تھیں۔ رینا مڑ کر جیمسن کو پُر تشویش نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”پتا نہیں بیچارے پر اس درے میں کیا گذری.... مگر ہم نے شاید فائر کی کوئی آواز نہیں سنی تھی۔“

”قطعی نہیں....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”میں آپ سے شرمندہ ہوں مسٹر عمران۔“

”کوئی بات نہیں.... میرے سلسلے میں عورتوں کو عموماً شرمندگی ہی اٹھانی پڑتی ہے۔“

”مسٹر ولسن بڑے پیار سے آپ کے قصے سناتے ہیں۔!“

”بوڑھا سنک گیا ہے۔ اللہ اس پر رحم کرے۔!“

”ان کے سلسلے میں ڈی ایس پی کو منہ کی کھانی پڑی۔ وہ چاہتا تھا کہ ضمانت نہ ہو سکے۔“

عمران کچھ نہ بولا.... گاڑیاں سردار گڑھ کی طرف بڑھتی رہیں۔

◆

شام ہو گئی.... لیکن رینا کا سراغ نہ مل سکا۔ ڈینی بے حد پریشان تھا.... وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ پولیس والوں کے چکر میں پڑ گئی ہو گی۔ ورنہ پولیس اسٹیشن سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ پھر اندھیرا پھیلنے لگا.... سرکس کا شو بھی شروع ہو چکا تھا۔ اس نے منیجر کو طلب کر کے کہا۔ ”میری دشواریوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ کیا کروں۔ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”میں تو پہلے ہی سے لڑکیوں کا مخالف ہوں.... باس۔“

”تم گدھے ہو.... آخر وہ کہاں غائب ہو گئی؟“

”رپورٹ درج کرادوں گم شدگی کی۔“

”اس بار پھانسی ہی ہو جائے گی۔“

ڈینی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رینا بوکھلائی ہوئی اندر داخل ہوئی اور قبل اس کے کہ ڈینی باز پرس کرتا اپنا کارنامہ بیان کر چلی۔

ڈینی غصیلے انداز میں سنتا رہا اور پھر اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ ”اس بار وہ تمہیں پکڑ ہی لے جاتے تو بہتر ہوتا۔“

”کیوں....؟“

”میں شبہے سے بالاتر ہو جاتا۔“

”اتنی خود غرضی....؟“

”آخر تم مجھ سے پوچھے بغیر گئی کیوں تھیں؟“ ڈینی دہاڑا۔

”آپ کبھی اجازت نہ دیتے.... اور مسٹر ولسن! وہ آپ کا دوست علی عمران تو واقعی ایک سمجھ میں نہ آنے والا آدمی معلوم ہوتا ہے.... ایس پی اسے دیکھ کو بوکھلا گیا تھا اور پھر جو اس سب انسپکٹر کو ڈانٹ پلائی ہے تو بس مزہ آ گیا تھا۔“

”کہاں ہیں ماسٹر عمران؟“ ڈینی نے کسی قدر نرم ہوتے ہوئے پوچھا۔

”پولیس ہسپتال چلے گئے۔ ان کے دونوں ساتھی وہیں تو ہیں۔ شو میں اپنا کام ختم کرنے بعد میں بھی وہیں جاؤں گی۔!“

”کیوں؟“

”انہوں نے بلایا ہے۔“

”اچھا.... اچھا.... اب جا کر شو کے لئے تیاری کرو۔“

رینا چلی گئی.... اور ڈینی مسکرا کر اپنے منیجر سے بولا۔ ”ماسٹر عمران کی عجیب شخصیت ہے۔!“

”میں جانتا ہوں!“ منیجر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”کیوں! تمہارا لہجہ خراب کیوں ہے؟“

”مجھے وہ لڑکی یاد ہے.... جو برسوں اس کے لئے روتی رہی تھی!“

”اوہ.... ہاں۔!“ ڈینی کا لہجہ بھی مغموم ہو گیا۔ ”لیکن اس میں ماسٹر عمران کا کوئی قصور نہی تھا.... وہ خواہ مخواہ ان کے لئے پاگل ہو گئی تھی.... یقین کرو وہ عورتوں کو منہ نہیں لگاتے۔“

”ایسے لوگوں کو کیا کہا جائے.... یا تو وہ آدمی ہی نہیں ہوتے.... یا اول درجے مکار.... وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں ان کے پیچھے دوڑتی پھریں۔“

”نفسیات نہ پڑھاؤ مجھے.... دفع ہو جاؤ....“

منیجر چلا گیا.... اور ڈینی نے بوتل اٹھائی۔ گلاس لبریز ہی کر رہا تھا کہ کوئی بغیر اجازت پر کر خیمے میں داخل ہوا۔

”ہائیں۔!“ ڈینی اچھل کر کھڑا ہو گیا.... تم ڈان فاگان.... تت.... تم یہاں کیسے؟“

لیکن وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا.... کچھ بولا نہیں۔

”کیا تمہاری یادداشت واپس آ گئی ہے؟“ ڈینی نے تلخ لہجے میں سوال کیا لیکن پھر کوئی جواب نہ ملا۔

”جب تم اپنی یادداشت ہی کھو بیٹھے ہو.... تو تمہاری موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟“

دفعتاً ڈان فاگان کی پشت سے آواز آئی۔ ”یہ خود نہیں آیا۔ لایا گیا ہے۔“ اور پھر عمران سامنے آ گیا۔

”اوہ.... گریٹ مین....!“ ڈینی اس سے بغل گیر ہونے کے لئے جھپٹا۔

”ٹھیک ہے.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ عمران اس کی پیٹھ تھپکتا ہوا بولا۔ ”میں اسے یہاں اس لئے لایا ہوں کہ اس کی یادداشت واپس لاؤں۔ اسے جتنی پلا سکتے ہو پلاؤ۔“

پھر اس نے ڈان فاگان کی طرف مڑ کر اسپینی میں کچھ کہا تھا اور وہ بڑی سعادت مندی سے ایک اسٹول پر بیٹھ گیا تھا۔

اس کے بعد عمران آہستہ آہستہ ڈینی سے کچھ کہتا رہا تھا۔ ڈینی ان دونوں کو خیمے میں چھوڑ کر باہر چلا گیا۔

عمران وہ گلاس اٹھا کر جو ڈینی نے اپنے لئے تیار کیا تھا۔ ڈان فاگان کی طرف بڑھاتا ہوا کچھ بولا۔ کسی ندیدے کی طرح ڈان فاگان نے گلاس پر قبضہ کیا تھا اور اسے ختم کئے بغیر کسی اور طرف نظر تک نہیں اٹھائی تھی۔

دوسرے گلاس کا بھی یہی حشر ہوا تھا۔ عمران تیسرے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ ڈینی دروازے میں دکھائی دیا۔ عمران کی طرف دیکھ کر اس نے اپنی بائیں آنکھ دبائی تھی اور مسکراتا ہوا پلٹ گیا تھا۔ تیسرے گلاس کے بعد اس نے ڈان فاگان کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر خیمے سے باہر آ گیا۔

سامنے ہی پولیس کی جیپ کھڑی تھی۔ ڈرائیور نے ان کے لئے دروازہ کھولا۔

ڈان فاگان اور عمران پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے جیپ چل پڑی۔ اب جو ٹھنڈی ہوا لگی تو ڈان فاگان کی زبان بھی چل پڑی۔ پتا نہیں کس قسم کی بکواس تھی جس کے جواب میں عمران بھی چہکنے

لگا تھا۔

کچھ دیر گاڑی مختلف سڑکوں پر چکراتی رہی۔ پھر ایس پی کے بنگلے پر جا رکی.... ڈان فاگان کو ایک کمرے میں پہنچایا گیا۔ اس وقت کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ عمران اسے وہیں بٹھا کر خود باہر نکلا اور دروازے کو باہر سے مقفل کر دیا۔

راہداری میں ایس پی موجود تھا۔

"کہئے.... کیا رہی....؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کے ڈاکٹر صاحب تشریف لائے یا نہیں؟" عمران نے سوال کیا۔

"ہاں.... وہ ڈرائنگ روم میں موجود ہیں۔!"

"یہیں بلا لیجئے! میں چاہتا ہوں کہ ان کی موجودگی ہی میں اس کی یادداشت واپس آئے۔!"

ایس پی چلا گیا۔

واپسی پر پولیس سرجن کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس کے ساتھ تھے۔ ڈینی ان میں شامل تھا۔ عمران کے اشارے پر وہ برابر والے کمرے میں چلا گیا اور بقیہ اس کمرے کے دروازے پر کھڑے رہے جس میں ڈان فاگان کو عمران نے چھوڑا تھا۔

اچانک اندر سے گھونگھروؤں کی جھنکار سنائی دی جیسے کوئی رقص کر رہا ہو۔ پھر انہوں نے ڈان فاگان کی چیخ سنی.... وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر کچھ کہہ رہا تھا پھر یک بیک اسپینی سے انگریزی پر اتر آیا۔

"دروازہ کھولو.... بچاؤ.... مجھے بچاؤ....!"

"دیکھا....!" عمران پولیس سرجن کو آنکھ مار کر بولا۔ "اس طریق علاج کو گھپلالو جیکل ٹریٹ منٹ کہتے ہیں۔"

ڈان فاگان بدستور دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخے جا رہا تھا.... مجھے بچاؤ.... ورنہ یہ مار ڈالے گا.... ارے درندو.... خدا کے لئے دروازہ کھولو....!"

عمران نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اور ڈان فاگان اچھل کر اُن لوگوں پر آپڑا... سنبھال لیا گیا ورنہ منہ کے بل ہی گرا ہوتا۔

کمرے میں ایک ریچھ پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ٹھمک ٹھمک کر ناچے جا رہا تھا۔

ڈرے ڈرے سے قہقہے فضا میں گونجے....!

ڈان فاگان بری طرح ہانپ رہا تھا۔ عمران نے پولیس سرجن سے کہا۔

"بس اب آپ لے جایئے اسے اور بیان لیجئے لیکن خیال رہے کہ کہیں دوبارہ بے ہوش نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو لاطینی بولتا ہوا ہوش میں آئے گا۔ اور لاطینی کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔"

ریچھ جہاں تھا وہیں ناچتا رہا۔ آگے نہیں بڑھا تھا۔ عمران نے ڈینی کو آواز دے کر کہا

"اب میری طرف سے ریچھ کو انعام دے دو۔"

پھر انہوں نے دیکھا کہ ڈینی نے اسی کمرے کے ایک دروازے سے برآمد ہو کر ریچھ کے اگلے پنجوں میں بیئر کی ایک بوتل تھما دی۔

"ارے.... تو یہ بیئر پیتا ہے....!" کسی نے حیرت سے کہا۔

"ریچھوں کا ڈاکٹر ہے۔" عمران بولا۔

سرجن ڈان فاگان کا بازو پکڑے ہوئے وہاں سے چلا گیا.... شاید عمران کی بے تکلفی اسے گراں گذری تھی۔ دوسرے لوگ ریچھ کو بیئر پیتے دیکھتے رہے۔ بوتل خالی ہو گئی۔

عمران نے ڈینی سے کہا۔ "اب اسے یہاں سے لے جاؤ.... ورنہ یہ مشاعرہ برپا کر دے گا۔"

اس کے بعد ایس پی عمران کو ڈرائنگ روم میں لایا۔ سرجن ڈان فاگان سمیت وہاں سے جا چکا تھا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کی خود فراموشی قطعی ڈھونگ تھی۔!" ایس پی بولا۔

عمران خاموشی سے چیونگم کچلتا رہا۔ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا لیکن چہرے پر حماقتوں کے بادل بدستور چھائے ہوئے تھے۔

* * *

ڈان فاگان نے اعتراف کر لیا تھا کہ اس نے مصلحتاً یادداشت کھو بیٹھنے کی اداکاری شروع کر دی تھی۔ حالات کے مطابق پولیس اس پر ضرور شبہ کرتی۔ اور وہ بڑی دشواری میں پڑ جاتا بھلا کس طرح ثابت کر سکتا کہ وہ لڑکیوں کے اغوا کی سازش میں شریک نہیں تھا۔

جیمسن ہوش میں آنے کے باوجود بھی نہ بتا سکا کہ اس کے بازو میں گولی کیسے لگی تھی۔ یا کس

نے فائر کیا تھا....؟

"درہ آگے جاکر بالکل تاریک ہو گیا تھا۔ " اس نے عمران کو بتایا۔ "ہاتھ کو ہاتھ نہیں بجھائی دیتا تھا۔ میں پلٹ آنے کے لئے سوچ ہی رہا تھا کہ بازو کو کوئی چیز چھید گئی۔ پھر پتا نہیں کس طرح میں وہاں تک پہنچا تھا۔!"

رات کے دس بجے تھے.... رینا بھی اسی کمرے میں موجود تھی۔ ظفر الملک کو خواب آور دوا دی گئی تھی لیکن جیمسن جاگ رہا تھا۔ بازو میں شدید تکلیف کے باوجود اس نے خواب آور دوا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔

"تم دوسری عورتوں کی طرح ڈرپوک نہیں معلوم ہوتیں۔!" عمران نے رینا سے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔!" وہ اکڑ کر مسکرائی۔!

"اس مہم پر چلو گی میرے ساتھ ؟"

"اس کا انحصار مسٹر ولسن پر ہے۔!"

"اُسے میں دیکھ لوں گا۔"

"بس پھر مجھے بھی انکار نہیں۔!"

"مجھے آپ سے اختلاف ہے یور مجسٹی۔ " جیمسن بولا۔ وہ عمران کو اسی طرح مخاطب کرتا تھا۔

"اس مسئلے پر پھر بات کریں گے۔ " عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

اتنے میں پولیس سرجن آگیا۔ اس نے عمران سے کہا۔ "اگر انہیں آرام ہی کرنے دیا جائے تو بہتر ہے۔"

"ضرور.... ضرور....!" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

سرجن انہیں اپنے کمرے میں لایا تھا۔ بیٹھتے ہی ڈان فاگان کا ذکر چھڑ گیا۔

"پولیس کا مطلب ہے ہوّا.... " عمران سر ہلا کر بولا۔ "غیر ملکی بھی کچھ دن یہاں رہ کر ہماری پولیس کے طریق کار سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس بیچارے نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ یادداشت کھو بیٹھے۔ کیوں نہ پولیس کا نام بدل دیا جائے۔ جیسے وکٹوریہ روڈ کا نام بدل کر شارع نور جہاں کر دیا گیا ہے.... پولیس کا نام "دل ربا" رکھ دیا جائے.... یونی فارم بدل دیا جائے.... چوڑی دار پائجامہ۔ اچکن اور دو پلی ٹوپی.... جتنا بڑا افسر ہو اتنا ہی زور دار سرمہ لگائے.... پھ

دیکھئے کیا مزہ آتا ہے.... عوام پولیس کو کاندھے پر اٹھائے اٹھائے پھریں گے۔ آپ خود سوچئے۔ آپ پولیس سرجن کی بجائے دُلربا سرجن کہلائیں گے.... ہائے ہائے....!"

سرجن ہنس رہا تھا عمران کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ "یقین کیجئے اگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو میں اپنی زندگی میں کسی نہ کسی قسم کی کمی ضرور محسوس کرتا۔!"

"کرتے نا....؟ اب ڈان فاگان کو میرے حوالے کر دیجئے.... سب دیکھ لوں گا۔"

"کیس میں ملوث ہے.... اس لئے شائد ضمانت کے بغیر ایسا نہ ہو سکے۔"

"خیر اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔"

رینا اردو سمجھ سکتی تھی۔ اس لئے وہ بھی اس دوران میں ہنستی ہی رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ گئے۔

"آپ کا قیام کہاں ہے؟" رینا نے ہسپتال سے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دونوں اسپتال پہنچ گئے اور میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ " عمران گلوگیر آواز میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"یہاں پہنچتے ہی کام شروع کر دیا تھا۔ قیام کرنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ رہئے....!"

"یعنی ڈینی اور اس کے ریچھوں کے ساتھ.... خدا پناہ میں رکھے۔"

"مسٹر ولسن آپ کی اتنی تعریفیں کرتے ہیں۔!"

عمران کچھ نہ بولا۔ جیپ کی اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اس نے رینا سے بیٹھنے کو کہا تھا اور خود اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

جیپ حرکت میں آئی اور تاریکی کا سینہ چیرتی آگے بڑھتی رہی۔

"کیا خیال ہے اگر ہم اس وقت اس جگہ چلیں جہاں ڈان فاگان اور میرا ساتھی پائے گئے تھے۔"

"مم.... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔!"

"شاید تم ڈر رہی ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ مسٹر ولسن کو معلوم ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اس لئے اس طرف سے بھی کوئی تشویش نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے.... بھیڑ بھاڑ سے کھیل بگڑ جاتا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آج پولیس پارٹی

بھی اُدھر ہی جانے والی ہے تو ہر گز نہ جاتا۔“

”وہ عقاب میرے ذہن میں بری طرح کھٹک رہا ہے۔ اس گولی سے بھی زیادہ جو مسٹر جیمسن کے بازو میں لگی تھی۔“

”ذہین بھی ہو.... کسی نے بھی اس کے بعد سے عقاب کا ذکر نہیں کیا۔“

”ہاں میں زیادہ تر اسی کے بارے میں سوچتی رہی ہوں۔“

گاڑی اب تنکیز کی چڑھائی کی طرف جا رہی تھی۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ ان اطراف میں سورج غروب ہو جانے کے بعد ٹریفک کا سلسلہ ختم ہو جاتا تھا۔

عمران نے ٹھیک اسی جگہ گاڑی روکی جہاں ظفر الملک پڑا ملا تھا۔ گاڑی سڑک سے ہٹا کر کھڑی کی گئی تھی۔ ہیڈ لائٹس بند کر دینے کے بعد پھر چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

”اتر آؤ.... فکر نہ کرو.... تم مجھے بھی اپنی ہی طرح لڑکی پاؤ گی۔“

”اب آپ مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“ رینا ہنس پڑی۔

عمران ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب اونچی اونچی اور ناقابلِ عبور چٹانیں تھیں۔

”یہاں آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟“

”وہ راستہ جدھر سے وہ میرے ساتھی کو سڑک پر ڈال گئے تھے۔“

رینا نے ابتدا میں بڑی تیزی دکھائی تھی لیکن اب رہ رہ کر چاروں طرف پھیلے ہو۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگی تھی۔ عمران ٹارچ کی روشنی میں بائیں جانب والی چٹانوں جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر رینا کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی میں آ بیٹھا۔ اور گاڑی سردار گڑھ طرف موڑ دی گئی۔

”کیا آپ نے وہ راستہ تلاش کر لیا۔“ رینا نے پوچھا۔

”دن میں دیکھیں گے۔“

”کمال کر دیا.... آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے بازار میں کچھ خریدنے گئے تھے نہیں تو کل دیکھا جائے گا۔“

عمران نے خواہ مخواہ قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”اس وقت میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم

ہمت ہو۔!“

”کیا بات ہوئی....؟“

”مجھے یقین ہے کہ تمہاری مدد کے بغیر یہ مہم سر نہیں ہو سکے گی۔“

”یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”آجائے گی.... آجائے گی....! ابھی سے فکر میں کیوں پڑ گئیں۔!“

* * *

دوسرے دن ظفر الملک نے بستر چھوڑ دیا تھا۔ جیمسن کے بازو کی تکلیف بڑھ گئی تھی اور اُسے بے حد افسوس تھا اس طرح لیٹ جانے پر۔

اس درے کے سامنے مسلح پولیس نے پڑاؤ ڈال دیا تھا جس میں جیمسن زخمی ہوا تھا لیکن اس کے اندر داخل ہونے کی کوشش دوبارہ نہیں کی گئی تھی۔

ادھر عمران نے اپنی مہم کے لئے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ ایک چھوٹا سا خیمہ جس میں کم از کم تین آدمی رہ سکیں۔ گاڑی پر بار کر دیا گیا تھا۔ خورد نوش کا سامان بھی ساتھ تھا۔

ڈینی خاموشی سے سب کچھ دیکھے جا رہا تھا۔ آخر عمران کا بازو پکڑ کر دوسروں سے الگ لے گیا۔

”کیا بات ہے؟“ عمران نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”کیا تم دو آدمی اس لڑکی کی حفاظت کر سکو گے؟“

”ارے لڑکی کی حفاظت کے لئے ایک ہی کافی ہوتا ہے تم اس کی فکر نہ کرو۔“

”پھر بھی میں نہیں سمجھ سکا کہ اس مہم میں لڑکی کیوں ضروری ہے۔“

”کاش وہ لوگ تمہیں بھی اٹھا لے گئے ہوتے۔“ عمران پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

”ماسٹر عمران! اب میں بہت بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔ بات جلدی سمجھ میں نہیں آتی۔“

”اچھا تو سنو.... وہ بندر صرف عورت کی بو پر آتا ہے۔ اور وہی ان وحشیوں کا لیڈر ہے۔ جدھر لے جاتا ہے۔ جاتے ہیں۔“

”ارے تو تم اس بے چاری کو چارہ بناؤ گے۔“

”اچھا تو کوئی ایسی تلاش کر دو جو بے چاری نہ ہو۔ وہ اپنی خوشی سے جا رہی ہے میں نے مجبور تو نہیں کیا۔“

”اچھی بات ہے۔“

”تم چلنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ ضمانت کی شرط کے مطابق تم کیس کے اختتام تک سردار گڑھ سے ہلو گے بھی نہیں۔!“

”میرا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ میں تم پر اعتماد نہیں کرتا۔“ ڈینی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

”بس تم بیٹھو آرام سے!“ عمران اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

پھر ظفرالملک اور رینا سمیت وہ تنگینر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ بار برداری کی یہ گاڑی سردار گڑھ کے ایس پی نے مہیا کی تھی۔

تینوں اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔

”ڈان فاگان کا کیا ہوا....؟“ ظفر نے عمران سے پوچھا۔

”وہ پولیس پارٹی کے ساتھ ہے۔“

”اسکیم کیا ہے؟“

”ابھی خود ہی دیکھ لو گے۔“

اچانک ایک جگہ اس نے گاڑی سڑک کے نیچے اتاری اور اسے ڈھلان میں لیتا چلا گیا۔

گاڑی روک کر نیچے اترا تھا اور ان سے بھی اترنے کو کہتا ہوا رینا سے بولا۔ ”اب میں تمہیں مرد بناؤں گا۔“

”کیا مطلب....؟“

”صرف ڈاڑھی لگانی پڑے گی۔!“

”کیوں مذاق اڑا رہے ہیں میرا۔“

”یقین کرو.... تم ابھی دیکھو گی.... ہم تین شکاری ہیں۔ بڑے بالوں والی لومڑیوں کے پیشہ ور شکاری۔“

پھر رینا متحیر رہ گئی تھی کیونکہ عمران نے اس کی لاعلمی میں بالکل اسی کی ناپ کا مردانہ لباس تک فراہم کر لیا تھا۔ آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر بے تحاشہ ہنس پڑی۔ گنجان ڈاڑھی اور مونچھوں

میں دہانہ تک چھپ کر رہ گیا تھا۔

”آپ بھی ڈاڑھی لگائیں گے۔“ عمران نے ظفر کو گھورتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“

”جنابِ عالی میں نہیں چاہتا کہ آپ پھر اٹھا لئے جائیں۔“ عمران رینا کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”یہ تو بندر کو بھی مرد ہی معلوم ہوں گی۔“

رینا ہنس پڑی.... ظفر جھینپ گیا تھا۔ عمران چند لمحے کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا پھر ظفر سے بولا۔ ”تم اپنی پسند سے میک اپ کر سکتے ہو! میں اس طرف اوپر جا کر کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرتا ہوں جہاں خیمہ نصب کیا جا سکے۔“

وہ بائیں جانب والی چڑھائی کی طرف بڑھا تھا اور ظفر اپنے میک اپ کی تیاری کرنے لگا تھا۔

”کیا آپ لوگ سرکاری سراغ رساں ہیں۔!“ رینا نے ظفر سے پوچھا۔

”ارے نہیں.... یہ ہماری ہابی ہے۔“

”لیکن ایس پی تو عمران صاحب سے بہت زیادہ مرعوب معلوم ہوتا ہے۔!“

”وہ ان کے پرانے دوستوں میں سے ہے۔!“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔!“

”کیا سمجھ میں نہیں آتا۔“

”مسٹر ولسن ان سے اپنے قریبی تعلقات کا ذکر کرتے نہیں تھکتے۔ لیکن قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ بھی انہیں اچھی طرح نہیں جانتے۔“

”میرا خیال ہے کہ ان کے والدین بھی شاید انہیں اچھی طرح نہ جانتے ہوں۔“

”معاف کرنا کہنا نہیں چاہتی تھی لیکن بات ہی ایسی ہے۔“

”نہیں کہو.... ہم لوگ تکلفات کے عادی نہیں۔“

”صورت سے بالکل احمق معلوم ہوتے ہیں۔!“

”اول درجے کے احمق ہیں۔ نہ ہوتے تو اس بوڑھے کھوسٹ کے لئے جھک مارتے پھرتے۔ صبر آ جاتا اگر کسی خوب صورت لڑکی کے لئے دھکے کھاتے پھر رہے ہوتے۔ یقین کرو اگر تم ساتھ نہ ہوتیں تو میں ہسپتال ہی میں پڑا رہتا۔“

"ڈاڑھی میں کیسی لگتی ہوں۔"

"ڈاڑھی سے کوئی فرق نہیں پڑتا.... میرے گھر والے قدامت پسند ہیں۔ اس لئے لڑکیاں میرے ساتھ ڈاڑھی ہی میں رہتی ہیں۔ اس کا عادی ہوں۔"

"آہا تو وہ لڑکی ہی ہے جو تمہارے لئے درے میں گھس گئی تھی۔!"

"وہ تو لڑکیوں کا درخت ہے۔!"

"تم سب بہت زندہ دل ہو.... کیا سچ مچ نواب زادے ہو....؟"

"میرے بارے میں میرا اسکریٹری ہی تمہیں کچھ بتا سکے گا.... میں زیادہ تر لا علمی کی زندگی بسر کرنے کا عادی ہوں۔"

"تمہارا اسکریٹری عمران صاحب کو یور مجسٹی کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔"

"انہیں تو میں بھی بادشاہ ہی سمجھتا ہوں.... اب دیکھو نا تم جیسی خوب صورت لڑکی کو حوش بنا کر چلے گئے۔"

ایک گھنٹے بعد خیمہ بھی نصب کر دیا گیا۔ تین بج رہے تھے۔ سورج مغرب میں جھکنے لگا تھا۔

عمران ایک بار پھر انہیں وہیں چھوڑ کر مشرق کی سمت چل پڑا۔ وہ دراصل اس چٹان تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جس کے عین سامنے ظفر اور ڈان فاگان سڑک کے کنارے پڑے پائے گئے تھے۔

* * *

پولیس پارٹی نے اس درے کے سامنے ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ اس پارٹی کی سربراہی وہی انسپکٹر کر رہا تھا جو پچھلے دن اس حادثے کے وقت وہاں موجود تھا۔

ڈان فاگان ان کے ساتھ تھا اور وہ کئی بار انسپکٹر سے کہہ چکا تھا کہ کسی لڑکی کے بغیر یہ مہم کامیاب نہیں ہو سکتی۔!

"لڑکیاں درخت میں تو پھلتی نہیں کہ ایک آدھ توڑ لائی جاتی۔" انسپکٹر آخر کار جھلا کر بولا۔

"وہ سرکس والی لڑکی.... میرا خیال ہے کہ وہ پھر تیار ہو جاتی.... بے حد چالاک ہے دوسری بار بھی اس نے اپنی جان بچالی تھی۔"

"دوسری بار سے تمہاری کیا مراد...!" انسپکٹر نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

اس پر ڈان فاگان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "میں اپنی یادداشت نہ کھو بیٹھا ہوتا تو بتاتا کہ تیسری لڑکی اپنی چالاکی کی وجہ سے بچ گئی تھی۔"

"تو کیا وہ بھی اس دن ساتھ تھی۔؟"

"یقیناً تھی۔"

"تم نے اپنے تحریری بیان میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟"

"خوب صورت لڑکیوں پر مجھے رحم آتا ہے۔ پتا نہیں کیوں؟ ڈینی نے اپنے بیان میں اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"خیر.... خیر.... دیکھوں گا....!"

"تم میرا بیان تبدیل نہیں کرا سکو گے انسپکٹر۔!"

انسپکٹر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ درے سے دو آدمی برآمد ہوئے یہ دونوں پیشہ ور شکاری تھے اور سردار گڑھ کے چپے چپے سے واقف تھے۔ پولیس پارٹی انہیں اپنے ساتھ لائی تھی۔

ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔ "معمولی سا درہ ہے جناب.... طوالت بمشکل تمام دو ڈھائی سو گز ہو گی.... دوسری طرف بھی دور دور تک سناٹا ہے۔ درے سے نکلتے تو تھوڑے ہی فاصلے پر شفاف اور میٹھے پانی کا چشمہ نظر آئے گا۔ درہ ناقابلِ عبور نہیں ہے۔ البتہ تاریک ضرور ہے کیونکہ غالباً پچاس گز کے بعد اس نے غار کی سی شکل اختیار کر لی ہے۔!"

"دیکھنا چاہئے....!" انسپکٹر بولا۔

پھر وہ سب ایک قطار بنا کر درے میں داخل ہوئے شکاری آگے تھے۔ شاید پچاس ساٹھ گز چلنے کے بعد ٹارچ روشن کرنی پڑی تھی۔ شکاری انہیں راستہ دکھاتے چل رہے تھے۔

پھر وہ کھلے میں نکل آئے سامنے ہی ایک چٹان سے پانی کی دھار نکل کر نیچے آئی تھی اور اس جگہ تالاب سا بن گیا تھا۔ پھر تالاب کا پانی کئی چٹانوں کے رخنوں سے ہوتا ہوا نامعلوم اطراف میں نکل گیا تھا۔

"بڑی پُر فضا جگہ ہے۔!" ڈان فاگان بڑبڑایا۔

ٹھیک اسی وقت ایک چیخ سنائی دی اور آواز کی سمت ان کی نظریں اٹھ گئیں۔ چشمے والی چٹان

کے اوپر ایک آدمی دکھائی دیا جس پر ایک عقاب رہ رہ کر جھپٹ رہا تھا۔

بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عقاب اسے چٹان کے سرے کی طرف دھکیل رہا ہو۔

اچانک وہ سچ مچ چٹان سے پھسل کر نیچے پانی میں آرہا۔

عقاب نے اوپر سے جھپٹا مارا۔

اب وہ آدمی غوطے لگا لگا کر خود کو عقاب کے حملوں سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شکاریوں میں سے ایک نے اپنی رائفل چھتیائی اور اس آدمی کے پانی پر ابھرنے سے پہلے ہی عقاب پر فائر کر دیا۔ عقاب چکراتا ہوا چشمے والی چٹان پر جا گرا لیکن وہ آدمی پانی کی سطح پر پھر نہ اُبھرا۔

”کک.... کیا وہ ڈوب گیا“ ڈان فاگان ہکلایا۔

”معلوم تو یہی ہوتا ہے۔!“ سب انسپکٹر نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

کبھی وہ تالاب کی سطح پر نظر جما دیتے تھے اور کبھی چشمے والی چٹان کی طرف دیکھنے لگتے تھے۔

”کل بھی شاید یہی ہوا تھا۔“ انسپکٹر بڑبڑایا۔ ”کسی نے عقاب کو گولی مارنے کی کوشش کی تھی جو ڈاڑھی والے کے لگ گئی تھی۔!“

”تو پھر چلیں اس چٹان پر؟“ ایک شکاری نے پوچھا۔

”اب چٹان پر کیا رکھا ہے۔ عقاب کے انڈوں کے علاوہ۔ نر تو کل ہی مار دیا گیا تھا۔ مادہ آج ختم ہو گئی۔“ انسپکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لاش کس طرح نکالی جائے پتا نہیں کتنی گہرائی ہے۔“

”گہرائی کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔“ شکاری بولا۔ ”بہتر یہی ہو گا کہ اسی جگہ ٹھہر کر انتظار کریں۔ لاش اوپر ضرور آئے گی۔!“

◆

ظفر الملک نے گھڑی دیکھی پانچ بجنے والے تھے۔ عمران کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ رینا نے آئیل اسٹوو پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا تھا۔ اور خیمے کے در کے قریب بیٹھی غروب ہوتے ہوئے سورج کا نظارہ کر رہی تھی۔

”یہ ایڈونچر بھی زندگی بھر یاد رہے گا۔“ اس نے ظفر کو مخاطب کیا۔

”اگر زندگی یہیں نہ ختم ہو گئی تو۔“

”اونہہ.... “ رینا نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

”واقعی بہت دلیر معلوم ہوتی ہو۔!“

”تھی نہیں.... ہو گئی ہوں.... تمہارا دوست عجیب ہے۔!“

”میرے دوست نے کیا کیا ہے؟“

”یہی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس سے ملنے سے پہلے میں اتنی دلیر نہیں تھی۔“

”تم لڑکیوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔!“

”یہ جملہ بھی بہت روایتی ہے دنیا کی کسی زبان کا لٹریچر اٹھاؤ۔ یہ خیال ضرور ملے گا۔ حالانکہ ہم بیچاریاں خود اپنی ذات میں کوئی پیچیدگی نہیں پاتیں۔ اس کے برخلاف مرد.... خدا کی پناہ۔“

”اول درجے کا گورکھ دھندا ہوتا ہے۔“ پشت سے آواز آئی اور رینا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ عمران قریب ہی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”ڈاڑھی لگا کر عورتوں کی طرف داری کرتے شرم نہیں آتی۔“ اس نے کہا۔

”آپ کا یہ نواب زادہ دوست بھی عورت کی پیچیدگی کا قائل ہے۔“ رینا ہنس کر بولی۔

”کیا رہا؟“ ظفر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”اس راستے کا سراغ مل گیا ہے جس سے گزر کر انہوں نے تمہیں سڑک تک پہنچایا ہو گا۔ لیکن وہ خود کہاں سے آتے ہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا۔“

”خیر... کافی پیجئے... یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔“ رینا نے اسٹوو کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”عورت واقعی نعمت ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”چاہے ڈاڑھی دار ہی کیوں نہ ہو۔!“

”اب میرا مذاق اڑائیں گے آپ لوگ۔“

”ہرگز نہیں.... دل بڑھا رہے ہیں۔“

”اب رات کو کیا ہو سکے گا....؟“ ظفر نے سوال کیا۔

”یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔“

کافی پی کر عمران نے گیس ماسک اور آکسیجن کی تھیلیاں نکالیں اور رینا کو ان کے استعمال کا طریقہ سمجھانے لگا۔

”تو کیا رات کو؟“ ظفر پھر بول پڑا۔

”لومڑیوں کا شکار رات ہی کو ہوتا ہے۔“ عمران اسے گھور کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ظفرالملک کو خیمے کے باہر لا کر بولا۔ ”یہ میرا قطعی اور نجی معاملہ ہے اس لئے تم دونوں کو ساتھ لایا ہوں ورنہ تم سے زیادہ تجربے کار لوگ بھی موجود تھے۔“

”آپ مجھے غلط نہ سمجھئے! میں صرف اسکیم معلوم کرنا چاہتا تھا۔ دن اور رات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہئے تو اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگا دوں۔“

”میں نے کہا شائد مجھے بیوقوف سمجھ کر رحم کھا رہے ہو۔!“

ظفرالملک نے کسی روٹھے ہوئے بچے کی طرح منہ پھلا لیا تھا۔

”ارے.... اب ٹھیک لگ رہے ہو پتا نہیں آج کل کیا کر رہے ہو کہ لمبوترا چہرہ نکل آ ہے.... اب میں تم پر اپنا میک اپ بھی نہیں کر سکتا۔“

”خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دبلا کیوں ہوں۔!“

”ریگی ٹمبا.... تمہارے اس ریچھ نے سارے شہر کو دیوانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ جس کلب ہوٹل میں قدم رکھو ریگی ٹمبا ہو رہا ہے۔ ایسا واہیات رقص ہے کہ مہینے بھر میں ہاتھی کو ہرن بنا رکھ دے۔“

پھر وہ ریگی ٹمبا ہی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے تھے۔

”بڑا شاندار رقص ہے۔“ رینا بول پڑی۔

”اسی کے قبیلے کی معلوم ہوتی ہو۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا اور دوربین اٹھا کر پھر خیم سے نکل گیا۔

”کس کے قبیلے کی معلوم ہوتی ہوں؟“ رینا نے ظفر سے پوچھا۔

”میرے سیکرٹری جیمسن کے قبیلے کی کیونکہ ریگی ٹمبا جو عمران صاحب کو سخت ناپسند ہے جیمسن ہی کی ایجاد ہے۔!“

”نہیں....!“ رینا کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”لیکن میں نے تو اس کے بارے میں پڑھا سمہ کانگو بیسن کے پگمیز کا رقص ہے۔“

”وہ ایسی ہی ہوائیاں چھوڑتا رہتا ہے اور اتنے باوقار انداز میں چھوڑتا ہے کہ بعض صحافی ال

پر مضامین تک لکھ ڈالتے ہیں۔“

”تم سب ہی عجیب ہو۔!“

رات کے کھانے کے بعد شکار کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ رینا کے لئے عمران نے اعشاریہ دو و کی رائفل مہیا کی تھی۔ جس کا استعمال وہ پہلے ہی سے جانتی تھی۔ گیس ماسک اور آکسیجن کی تھیلیوں سے لیس ہو کر وہ باہر نکلے۔

آج مطلع ابر آلود نہیں تھا چاروں طرف شفاف چاندنی بکھری ہوئی تھی۔

”دیکھو! جیسے ہی میں ریڈی کہوں تم دونوں گیس ماسک چڑھا لینا۔“ عمران نے ان دونوں سے کہا۔

”مزہ آگیا.... بچپن میں ریڈی کھیلا کرتے تھے۔“ رینا ہنس پڑی۔

”اور تمہارے لئے خصوصیت سے ہدایت ہے کہ اب تم سختی سے اپنے ہونٹ بند رکھنا۔!“ عمران نے رینا سے کہا۔ ”ڈاڑھی لگا کر ایسے سُریلے قہقہے لگاؤ گی تو پہلے ہی مرحلے میں میری مغفرت ہو جائے گی۔“

”ہاں.... یہ بات تو ہے۔!“ رینا بولی۔

کچھ دور چلنے کے بعد عمران ایک تین فٹ گہرے خشک نالے میں اُتر گیا۔ ظفرالملک نے رینا کو سہارا دے کر اتارا۔

نالا بتدریج ڈھلوان ہوتا چلا گیا تھا۔ وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ ان کے قدموں کی چاپ سناٹے میں گونج رہی تھی۔

آدھے گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد عمران ایک جگہ رُک گیا اور مڑ کر آہستہ سے بولا۔ ”میں تمہیں وہ جگہ دکھاتا ہوں جدھر سے وہ لوگ تمہیں سڑک پر پھینک گئے تھے۔“

اس کی ٹارچ روشن ہوئی تھی اور روشنی کا دائرہ داہنی جانب رینگ گیا تھا یہ کسی غار کا دہانہ تھا۔ عمران نے فوراً ہی ٹارچ بجھا دی۔ انہوں نے بھی کسی قسم کی آواز سنی تھی۔

”بیٹھ جاؤ! عمران آہستہ سے بولا اور وہ اسی نالے میں بیٹھ گئے۔ غار کا دہانہ اب انہیں نہیں دکھائی دے رہا تھا۔

دفعتاً تھوڑے ہی فاصلے سے کسی نے چیخ کر کہا۔ ”کون ہے؟ سامنے آؤ ورنہ زندہ نہیں بچو گے۔“

”تم کون ہو پوچھنے والے؟“ عمران نے اس سے بھی زیادہ بھاری بھر کم آواز میں سوال کیا تھا۔

”رینجر.....!“

”میں شکاری ہوں..... پرمٹ ہے میرے پاس۔“

ٹھیک اسی وقت ایک آواز آئی اور یہ کسی بندر ہی کے چچیانے کی آواز تھی۔

”ریڈی.....!“ عمران نے آہستہ سے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں گیس ماسک ان کے چہروں پر لگ گئے۔

اب وہ کئی قدموں کی آہٹیں سن رہے تھے پھر ایک ہلکا سا دھماکہ ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر ہوا۔ اس کے بعد بندر کی آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ دھماکے کے بعد سناٹا چھا گیا تھا وہ تینوں جہاں تھے وہیں بیٹھے رہے۔ گہرا دھواں ان کے سروں سے گزر رہا تھا۔

”لیٹ جاؤ..... تم دونوں لیٹ جاؤ.....!“ عمران آہستہ سے بولا۔

دو تین منٹ گزر جانے کے بعد انہوں نے پھر قدموں کی آہٹ سنی اور کوئی گول مٹول سی چیز اچھل کر نالے میں آپڑی۔

”ٹرچ.....“ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے عمران نے اس پر فائر کیا۔ وہ چیز ایک بار پھر اچھلی اور نالے کے باہر جا گری اور اب وہ دم توڑتا ہوا بندر بُری طرح شور مچا رہا تھا۔

اس کے بعد عمران نے گونجیلی آواز میں کہا تھا۔ ”تم چاروں اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ پوری طرح میری نظروں میں ہو۔ ذرا ہلے اور مارے گئے۔“

پھر اس نے ظفر سے اٹھ جانے کو کہا۔

ظفر نے بھی رائفل سیدھی کر لی تھی لیکن اس نے دیکھا کہ ان چاروں میں سے صرف ایک نے ہاتھ اوپر اٹھائے تھے۔

”تم بھی اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔“ ظفر رائفل کو جنبش دے کر بولا۔

لیکن ان تینوں نے توجہ تک نہ دی۔ عمران بھی ظفر کے قریب ہی کھڑا تھا۔

اچانک وہ تینوں جنہوں نے اپنے ہاتھ نہیں اٹھائے تھے ان پر ٹوٹ پڑے۔ عمران اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ چوتھا آدمی ہاتھ گرا کر دوسری طرف بھاگا ہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ لگائی۔ اس نے پلٹ کر حملہ کیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں زمین پر نظر آیا۔ عمران اس کے سینے پر سوار ایک ہاتھ سے گلا گھونٹ رہا تھا اور دوسرے سے کنپٹیوں پر زور آزمائی کر رہا تھا۔

چوتھا آدمی جلد ہی بے حس و حرکت ہو گیا۔

عمران اسے چھوڑ کر ان تینوں کی طرف جھپٹا جو ظفر الملک پر پلے پڑ رہے تھے۔

”اوہو..... تو آپ لوگ ہیں۔“ عمران نے ان میں سے ایک کی گردن پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ اس سے لپٹ پڑا۔

یہ تینوں سیاہ فام جنگلی ثابت ہوئے ان کے پاس اسلحہ نہیں تھا۔

بڑی دشواری سے ان تینوں پر قابو پایا جا سکا۔ ظفر کو تو انہوں نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ عمران نے ان کی ایسی ہی جگہوں پر ضربات لگائی تھیں کہ فوری طور پر بے ہوش ہو جائیں۔

”رینا کہاں ہے؟“ عمران نے ظفر کا شانہ ہلا کر پوچھا۔ جو دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا ہوا تھا۔

”جہاں تھی۔!“ ظفر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

وہ سچ مچ نالے ہی میں اوندھی پڑی نظر آئی۔ عمران نے اسے اٹھایا اور گیس ماسک اس کے چہرے سے ہٹا کر کہا۔ ”اپنے تھیلے سے ڈور کی لچھی نکالو۔“

”کک..... کیا ہوا.....؟“

”پرواہ نہ کرو..... ڈور نکالو..... اور پھر اسی طرح آرام سے لیٹ جاؤ۔ لیکن سو نہ جانا۔!“

ریشم کی ڈوری کا لچھا اس سے لے کر وہ پھر اسی طرف پلٹ آیا۔ ظفر کی مدد سے چاروں کے ہاتھ پیر باندھے۔ رینا بھی قریب آ کھڑی ہوئی تھی لیکن بالکل خاموش تھی۔

”اب تم دونوں یہیں ٹھہرو۔“ عمران نے کہا اور اس غار کی طرف بڑھ گیا جو انہیں پہلے دکھا چکا تھا۔

”ب..... بندر..... کہاں ہے؟“ رینا نے ظفر سے پوچھا۔

”ادھر کہیں پڑا ہوگا۔“ ظفر نے داہنی جانب ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”مم..... مر گیا.....!“

”میں نہیں جانتا.....!“

رینا خود ہی اس طرف بڑھ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد واپس آکر بولی۔ ”وہی ہے لیکن میں نے تو فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔!“

”پچھلے سال عمران صاحب نے ایک آدمی کو آنکھ ماری تھی اور وہ ہسپتال پہنچتے پہنچتے مر گیا تھا۔!“

عمران نے واپسی میں دیر نہیں لگائی تھی۔

”اب تم اٹھو....!“ اس نے ظفر سے کہا۔ ”ان چاروں کو اٹھا کر اسی غار میں پہنچانا ہے۔!“

عمران ہی کی ہدایت پر رینا نے ٹارچ سنبھالی۔ غار تاریک تھا لیکن وہاں کچھ ایسا سامان نظر آ جس کی بناء پر کہا جا سکتا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی کسی کا مسکن رہ چکا ہے۔!“

وہ چاروں غار میں پہنچا دیئے گئے۔ انہیں ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔

وہاں پائے جانے والے سامان میں کچھ موم بتیاں بھی تھیں جنہیں روشن کر دیا گیا۔

”یہ اپنے بندر سمیت اس وقت یہیں مقیم تھے۔“ عمران نے ان چاروں کی طرف اشار کر کے کہا۔

”کیا آپ کو پہلے سے علم تھا....؟“ ظفر نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں.... دن میں جب میں نے یہ غار دریافت کیا تھا اس وقت یہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ادھر آؤ.... یہ دیکھو.... یہ رہے گیس کے دستی بم جو ان کے شکاروں کی بے ہوشی کا سب بنتے رہے ہیں۔ اگر ہمارے پاس گیس ماسک نہ ہوتے تو....!“

عمران جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گیا کیونکہ اس آدمی نے جنبش کی تھی جو سیاہ فام جنگلیو کی طرح نیم برہنہ نہیں تھا۔ خاکی قمیض اور خاکی پتلون میں ملبوس تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری طرح ہوش میں آگیا لیکن ہاتھ پیر بندھے ہونے کی وجہ سے اٹھ سکا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھے جا رہا تھا۔

”شکاریوں سے چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ دیکھا تم نے؟“ عمران نے چڑھانے کے سے انداز میں ا مخاطب کیا۔

”تت.... تم کون....؟“

”ایسے بھوت جن سے عورتوں کی سی بو آتی ہے۔!“

”کک.... کیا مطلب؟“

”اس نامعقول بندر نے اس وقت تم لوگوں کے آرام میں خلل ڈالا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہو

”نن.... نہیں۔!“

”تم سمجھے تھے پھر کوئی عورت ہاتھ لگنے والی ہے۔!“

”تم غلط نہیں کہہ رہے۔!“ اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”افسوس! کہ وہ بندر میرے ہاتھوں مارا گیا۔!“

”یقیناً افسوس کی بات ہے! کیونکہ دوسرا مہیا نہ کیا جا سکے گا۔“

”اب بتاؤ.... چکر کیا ہے۔؟“

”عورتوں کا حصول....!“

”کیوں؟“

”ضرورت....!“

”کھل کر بات کرو.... ورنہ کھال اتار دوں گا۔“ عمران کا لہجہ بدل گیا۔

”بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ مردوں کے لئے عورتیں ضروری ہیں۔!“

”ارے تو نکاح خواں کہاں مر گئے ہیں کہ تم بندروں سے کام چلا رہے ہو۔!“

”سب اپنی اپنی جگہ بندر ہی ہیں۔!“

”دیکھو پیارے.... میں ڈارون کا طالب علم نہیں ہوں۔!“

”سچی بات کہہ رہا ہوں.... فلسفہ نہیں پڑھا رہا۔“

”اب تک کتنی عورتیں اٹھا چکے ہو....؟“

”اٹھارہ....!“

”وہ سب کہاں ہیں۔؟“

”جہاں ان کی ضرورت ہے۔!“

ظفر نے آگے بڑھ کر اس کے بائیں پہلو پر ٹھوکر رسید کی۔ اس نے سر گھما کر اس کی طرف بکھا تھا اور پھر اس طرح عمران کی طرف متوجہ ہو گیا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

”اگر تم نے ان عورتوں کی نشان دہی نہ کی تو....!“

”میں نہیں جانتا کہ اب وہ کہاں ہیں۔“ قیدی جلدی سے بول پڑا۔ ”جانتا بھی تو تم مجھ سے نا کے بارے میں کچھ نہ معلوم کر سکتے۔“

”کس کے لئے کام کر رہے ہو۔؟“

”آدمیت کے مستقبل کے لئے۔!“

عمران استہزائیہ انداز میں مسکرا کر سیاہ فام جنگلیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

”ان سے بھی کوئی توقع نہ رکھو کیونکہ وہ گونگے اور بہرے ہیں۔“ قیدی بولا۔

”تو پھر میرا کام کس طرح چلے گا۔“

”مردہ بندر سمیت ہم چاروں کو پولیس کے حوالے کر دو۔“

”اس سے کیا ہوگا؟“

”ہمیں ہمارے جرم کی سزا مل جائے گی۔“

”مجھے صرف عورتوں کی واپسی سے دلچسپی ہے! خصوصیت سے وہ دو سفید فام عورتیں ابھی حال ہی میں تنگنیز کی چڑھائی سے غائب ہوئی تھیں۔“

”اچھا.... وہ ناچنے گانے والیاں جو حیوانوں میں اپنا مستقبل تباہ کر رہی تھیں۔“

”وہ آدمیوں میں رہتی تھیں۔ ریچھوں کے کٹہرے میں نہیں رکھی جاتی تھیں۔“

”ریچھ بہتر ہیں تم جیسے آدمیوں سے۔“

”ظفر....!“ دفعتاً عمران مڑ کر بولا۔ ”تم غار کے دہانے پر ٹھہرو.... یہ ہمیں باتوں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

قیدی نے قہقہہ لگایا۔ ٹھیک اسی وقت ایک دھماکہ ہوا۔ اور ان تینوں کو اپنے گیس ما استعمال کرنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔

موم بتیوں کی ٹمٹماتی لویں گہرے دھوئیں میں دفن ہو گئیں۔

عمران غار کے اس حصے کی طرف بھاگا تھا جس کی نکاس سڑک کی طرف تھی لیکن و دھوئیں کی یلغار سے نہ بچ سکا۔ پیر لڑکھڑائے اور اس کا ذہن تاریکیوں کی دلدل میں ڈوبتا چلا گ پھر اس دلدل سے نکلنے کے بعد نہ وہ دیکھ سکتا تھا اور نہ سُن سکتا تھا۔ بہت دیر بعد یہ بات میں آسکی تھی کہ کسی بے حد تاریک اور ویران جگہ پر پڑا ہوا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں کو بہ آ جنبش دے سکتا تھا۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا اور اپنا پورا جسم ٹٹولنے لگا ریوالور اور کارتوسوں کی پیٹ علاوہ اور سب کچھ موجود تھا۔ جیب سے پنسل ٹارچ نکالی روشنی کی لکیر قریب ہی پڑے ت

دوسرے آدمی پر پڑی تھی۔

یہ ظفر الملک تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا.... روشنی کی لکیر تیزی سے چاروں طرف گردش کرنے لگی۔ ریناکا کہیں پتہ نہیں تھا اور وہ غار بھی نہیں معلوم ہوتا تھا جس میں وہ اپنے قیدیوں سمیت داخل ہوا تھا۔

پھر وہ ظفر کی طرف پلٹ آیا اور ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس کا ریوالور بھی کارتوسوں کی پیٹی سمیت غائب تھا۔ رائفلیں بھی ندارد.... چہرے پر مصنوعی ڈاڑھی بھی باقی نہیں رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ظفر کو ہوش آ گیا۔

”گھبرانا مت....!“ عمران جھک کر آہستہ سے اس کے کان میں بولا۔ ”یہ قبر نہیں ہے۔“

”ہم کک.... کہاں ہیں؟“

”جہاں بھی ہیں مزے میں ہیں.... پرواہ نہ کرو....!“

”رینا کہاں ہے؟“

”وہ اسے ڈاڑھی سمیت لے گئے۔ پس ثابت ہوا کہ ایک بندر کے لئے پوری عورت ضائع کر دینا دانش مندی نہیں ہے۔“

”ان حالات میں بھی آپ اپنے فلسفے سے باز نہیں آتے۔“ ظفر کراہا۔

”ان حالات کے باوجود بھی مجھے تمہاری فکر کھائے جا رہی ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”آخر اتنی تیزی سے دبلے کیوں ہو رہے ہو۔؟“

”عمران صاحب.... خدارا.... آخر ہم ہیں کہاں۔؟“

”کسی غار میں! لیکن اس میں نہیں جہاں اس محسنِ انسانیت بندر پر مکالمے ہوئے تھے۔“

”کیا آپ کے پاس ٹارچ ہے؟“

”ہے.... اور تمہاری ٹارچ تمہاری جیب میں موجود ہے۔“

”چلئے.... غار کا دہانہ تلاش کریں۔“

”ذرا تم کھڑے ہو کر دیکھو.... چل پھر بھی سکتے ہو یا نہیں۔“

ظفر کچھ نہ بولا.... تھوڑی دیر بعد اس کی ٹارچ روشن نظر آئی تھی اور وہ عمران کے

مشورے پر عمل کر رہا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے کہا۔

"گڈ....!" عمران بولا اور غار کے دہانے کی تلاش شروع ہو گئی۔

اس میں دیر نہیں لگی تھی.... دہانہ مل گیا.... اور غار کے باہر بہت دور چھٹکی ہوئی چاندی کا روح پرور نظارہ بھی جنت نگاہ بنا۔ لیکن غار سے باہر قدم نکالنے کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

جتنی دور تک پنسل ٹارچ کی روشنی گئی تھی۔ غار کا دہانہ ایک سیدھی کھڑی ہوئی دیوار ہی کا حصہ معلوم ہوا تھا۔

"تم نے دیکھا؟" عمران ٹارچ بجھا کر بولا۔

"جی ہاں....!" ظفر کی آواز کانپ رہی تھی۔

"چلو.... واپس چلو.... جہاں پڑے تھے وہیں رات گزاریں۔ صبح دیکھا جائے گا۔"

"مم.... مگر وہ بیچاری۔"

"صرف مرد بے چارہ ہوتا ہے۔ کسی عورت کو بیچاری کہنا بیچارگی کو بھی شرمندہ کرنا ہے۔"

"میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔"

"کیا تم کسی کے دل کی ملکہ بن سکتے ہو۔!"

"عمران صاحب....!"

"نواب زادے صاحب.... اپنی کھال میں رہئے.... مجھے نیند آرہی ہے۔"

"میں جاگ کر نگرانی کروں گا۔"

"میری نگرانی؟" عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔ "گھاس تو نہیں کھا گئے۔ اگر ہم کسی لائق ہوتے تو یہاں کیوں نظر آتے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔!"

"اب کوئی خطرہ نہیں چین سے سو جاؤ۔"

ظفر بڑی دیر تک پڑا جاگتا رہا تھا پھر پتا نہیں اسے کب نیند آگئی تھی۔

دوبارہ آنکھ کھلی تب بھی اندھیرا ہی نظر آیا۔ ٹارچ روشن کی... عمران کہیں نہ دکھائی دیا۔

تھوڑی دیر تک لیٹا رہا پھر اٹھ بیٹھا۔ ٹارچ ہی کی روشنی میں غار کے دہانے تک پہنچا۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ دھوپ بہت دور چمک رہی تھی۔ عمران غار کے دہانے کے قریب کھڑا نظر آیا۔

"ہم نیچے نہیں جا سکتے۔" عمران بولا۔ "لیکن اگر کوشش کریں تو اوپر ضرور پہنچ سکتے ہیں۔"

ظفر نے آدھا دھڑ دہانے سے باہر نکال کر اوپر دیکھا تو اس کی روح فنا ہو گئی وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کوشش بھی بہر حال نیچے ہی لے جائے گی۔ کم از کم وہ اپنے پیر ان جگہوں پر نہیں جما سکتا جن کی طرف عمران نے اشارہ کیا تھا۔

"کیا خیال ہے؟" عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مرنا ہی ہے تو پھر اندیشے کیسے۔ چلئے....!"

ٹھیک اسی وقت انہیں اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ تیزی سے مڑے تھے۔ آنے والے رک گئے۔ آٹھ آدمی تھے۔ چار کے ہاتھوں میں ٹامی گنیں نظر آئیں۔

ایک نے کسی قدر آگے بڑھ کر کہا۔ "تم لوگ شاید اوپر جانے کی سوچ رہے تھے۔"

"قدرتی بات ہے!" عمران نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"فوراً گولی مار دی جاتی۔ تم اپنے ملک کی سرحد پار کر چکے ہو۔ اوپر دوسرے ملک کے سرحدی محافظ موجود ہیں۔"

"آپ حضرات اپنا تعارف بھی کرا دیجئے۔"

"ہم آدمی ہیں۔"

"ماشاءاللہ.... اپنے حضرت آدم سے ہمارا سلام کہئے گا۔" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"اب تم دونوں اپنا یہ لباس اتار کر ہمارا لایا ہوا پہنو!" اس آدمی نے عمران کے جملے پر توجہ دیئے بغیر کہا۔

اُن کا لایا ہوا لباس عمران اور ظفر کو پہننا پڑا۔ اور اب وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر بے تحاشہ قہقہے لگا رہے تھے۔ لباس ایسا تھا کہ بس ان کے دہانے ناکیں اور آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں اور وہ خود سیاہ رنگ کے قدِ آدم بندر معلوم ہو رہے تھے پیچھے دُمیں تک لٹک رہی تھیں.... سفید دھاریوں والے سیاہ بندر.... وہ ہنس ہی رہے تھے کہ پھر ایک دھماکہ ہوا اور وہ ہنستے ہنستے بیہوش ہو گئے۔

◆

رینا کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک خیمے میں پایا۔ چہرے سے ڈاڑھی غائب ہو چکی تھی اور جسم پر زنانہ لباس تھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ خوف سے چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ بائیں جانب دو بستر اور نظر آئے جن پر کٹی اور نیلی بے خبر سو رہی تھیں۔

اس کے دل کی دھڑکن کچھ اور تیز ہو گئی۔ چند لمحے بے حس و حرکت بیٹھی رہی پھر اٹھ کر ان دونوں کو یکے بعد دیگرے جھنجھوڑنے لگی۔

وہ بھی بیدار ہو گئیں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہی تھیں۔

"تم کہاں تھیں؟" کچھ دیر بعد کٹی کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم دونوں کی تلاش میں نکلے تھے ہم لوگ۔" رینا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "پتا نہیں میرے دونوں ساتھیوں پر کیا گزری۔"

پھر اس نے مختصراً انہیں یہ بتایا تھا کہ کس طرح وہ بندر مار ڈالا گیا۔

کٹی بولی۔ "ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ہمارا مصرف کیا ہے۔ ہم اس طرح کیوں لائے گئے ہیں۔"

"کیا تم دونوں قیدی ہو؟" رینا نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! ہم پر کوئی پابندی نہیں۔ ہم یہی نہیں جانتے کہ کہاں ہیں؟"

"تمہارے علاوہ اور کتنے لوگ ہیں یہاں؟"

"بے شمار.... جھونپڑوں اور خیموں میں رہتے ہیں۔!"

"تمہارا جن لوگوں سے تعلق ہے.... وہ کیسے ہیں؟"

"ہم نہیں جانتے کہ ہمارا مصرف کیا ہے۔!"

"کھانے پینے کو کون دیتا ہے....؟" رینا نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"ایک آدمی کھانا لاتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے باہر نکلتے ہیں۔ بستی میں گھومتے پھرتے ہیں کوئی ہماری طرف توجہ تک نہیں دیتا۔"

پھر انہوں نے رینا کو بتایا تھا کہ اپنی ضروریات اس خیمے میں پوری کر سکتی ہیں۔ ٹوائیلٹ وغیرہ

سے فارغ ہو کر وہ پھر صورت حال پر غور کرنے بیٹھ گئیں۔ رینا انہیں ڈان فاگان اور اس کی یادداشت کے بارے میں بتا رہی تھی۔ دفعتاً خیمے کے باہر سے کسی کے کھنکھارنے کی آواز آئی۔

"آجاؤ...." نیلی نے بلند آواز میں کہا۔

ایک آدمی نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور دوسرا بڑی سی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ ٹرے میز پر رکھ کر وہ اس طرح کھڑا ہو گیا تھا جیسے کسی مزید فرمائش کا منتظر ہو۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔" نیلی نے کہا اور وہ دونوں چلے گئے۔

"یہ حال ہے۔ ان کی زبان سے ابھی تک کوئی لفظ نہیں نکلا۔" نیلی نے اٹھتے ہوئے کہا "آؤ.... یہ ناشتہ ہے۔"

"ہو سکتا ہے.... گونگے ہوں۔" رینا بولی۔

"اونہہ ہوگا کچھ.... جب تک ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ ہمیں فکر مند نہ ہونا چاہئے۔"

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ خیمے سے باہر نکلی تھیں۔

یہ ایک سرسبز وادی تھی جھونپڑوں اور خیموں پر مشتمل بستی دور تک پھیلی ہوئی نظر آئی۔ لوگ خیموں اور جھونپڑوں کے باہر کام کاج میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔

"آخر مقصد کیا ہے؟" رینا کچھ دیر بعد بڑبڑائی۔

"محض اس چیز نے الجھن میں ڈال رکھا ہے۔ ورنہ یہاں ابھی تک کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔" کٹی نے پُر تفکر لہجے میں کہا۔

"چلو.... بستی میں چلیں۔" رینا بولی۔

"وہاں کیا دیکھنا چاہتی ہو؟"

"کچھ بھی نہیں.... بس یونہی۔"

"فضول ہے۔ کوئی نظر اٹھا کر دیکھتا تک نہیں۔"

"پھر بھی.... میں دیکھنا چاہتی ہوں۔"

وہ ٹہلتی ہوئی بستی میں داخل ہوئیں خود ان کا خیمہ بستی سے کسی قدر فاصلے پر تھا! عورتیں، مرد، بچے سب کسی نہ کسی کام میں مشغول نظر آئے۔ بعض خیموں میں بچے تعلیم

اصل کر رہے تھے۔ وہ ایک دستکار کے قریب رُک گئیں جو اخروٹ کی لکڑی میں نقاشی کر رہا تھا۔ ں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

وہ آدھے گھنٹے تک بستی میں گھومتی پھری تھیں۔ پھر اپنے خیمے کی طرف واپسی کے لئے ڑیں ہی تھیں کہ رینا کو وہی سب انسپکٹر دکھائی دیا۔ جس کے ساتھ وہ ڈان فاگان سمیت تنکیز کی ڑھائی پر گئی تھی۔

"تت.... تم.... بھی....!" وہ قریب پہنچ کر ہکلایا۔

"تم کیسے آئے؟" رینا نے پوچھا۔

"لمبی کہانی ہے۔ میرے ساتھیوں کا کہیں پتا نہیں۔!"

اچانک قریبی خیمے کی اوٹ سے ایک لمبا تڑنگا آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔ "شڑاپ" اس کا چابک سب انسپکٹر کی پشت پر پڑا۔ اور وہ اچھل کر دور جا کھڑا ہوا پھر کچھ کہنے ی والا تھا کہ وہ آدمی تلخ لہجے میں بولا۔ "غیر عورتوں سے ہمکلام ہونا یہاں جرم ہے۔ سمجھے۔"

وہ دم بخود کھڑے رہ گئے۔ سب انسپکٹر کے چہرے پر حیرت، غصہ اور نفرت کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے پھر یہ تینوں اپنے خیمے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔

* * *

وہ کسی قسم کا شور سن کر بیدار ہوئے۔ آنکھ کھلتے ہی اپنی حالت کا احساس ہوا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ بے شمار بچوں میں گھرے ہوئے تھے.... بچے! جو ہنس رہے تھے تالیاں بجا رہے تھے۔

"اتنے بڑے بڑے بندر.... ہاہا....!"

"یہ کیا مصیبت نازل ہوئی؟" ظفر کراہتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"خبردار.... ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکلے.... بچے ہمیں دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔" عمران بے حد خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"میں تو اتارتا ہوں اس منحوس لباس کو۔"

"اس کے بعد یہی بچے تم پر پتھراؤ کریں گے کیونکہ ان نامعقولوں نے ہمارے جسم پر ہمارے

انڈر ویئر بھی نہیں رہنے دیئے تھے اور پھر بندر رہنے میں فائدہ ہی ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ خدا رسیدہ بچے ہماری طرف مونگ پھلیاں بھی پھینکیں۔ کیا تمہیں بھوک نہیں لگ رہی نواب زادے۔!"

دفعتاً دو آدمی وہاں پہنچ گئے اور بچوں کو بُرا بھلا کہنے لگے۔

"تمہیں شرم نہیں آتی بے زبانوں کو ستاتے ہوئے.... چلو بھاگ جاؤ۔ بھاگو.... جلدی ورنہ سزا ملے گی۔"

سزا کا نام سنتے ہی بچے بھاگ کھڑے ہوئے پھر انہوں نے عمران اور ظفر الملک کو چمکارنا شروع کیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھا اور ہنس پڑے۔

"خوش ہو رہے ہیں۔" چمکارنے والوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔

"چلو.... انہیں کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیں۔ ورنہ بچے پھر پریشان کریں گے۔" دوسرا بولا۔

اور عمران پھر ہنس پڑا۔ شاید زندگی میں پہلی بار دل سے ہنسا تھا۔

وہ انہیں چمکارتے ہوئے ایک طرف بڑھے اور عمران نے ظفر الملک کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

اب دونوں ان کے پیچھے چل رہے تھے۔

"سدھائے ہوئے لگتے ہیں۔!" ایک بولا۔

"اتنے شریف بندر آج تک میری نظر سے نہیں گزرے۔" دوسرے نے کہا۔

"اب ہم دونوں انگریزی میں گفتگو کریں گے تاکہ بالکل ہی بندر سمجھ لیں۔" عمران نے آہستہ سے ظفر الملک سے کہا۔

وہ دونوں بستی میں داخل ہوئے۔ سرسبز پہاڑوں کے درمیان دور تک خیمے اور جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔

بستی سے الگ تھلگ ایک خیمے کے قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔ "معزز خواتین ذرا باہر آیئے۔"

تین یوریشین لڑکیاں باہر نکلی تھیں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دونوں بندروں کو دیکھنے لگی تھیں۔ پھر عمران نے ان کے چہروں پر خوف زدگی کے آثار دیکھے۔

"یہ نہایت شریف اور سلیم الطبع بندر ہیں۔" ایک نے ان سے کہا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ فی

الحال آپ انہیں اپنی نگرانی میں رکھئے۔ بستی کے شریر بچے انہیں پریشان کر رہے ہیں۔"

"لل.... لیکن...." ریناہکلائی۔

"یقین کیجئے.... بے حد شریف ہیں۔" اس نے بندروں کی طرف مڑ کر کہا۔ "ان معزز خواتین کو جھک کر سلام کرو۔"

ظفرالملک اکڑا کھڑا رہا۔ لیکن عمران بڑے ادب سے جھک کر کورنش بجالایا تھا۔

"دیکھا آپ نے.... بالکل بے ضرر ہیں۔!"

"نہیں.... نہیں.... نیلی اور کٹی بے ساختہ بولیں۔

"آپ جانتی ہیں کہ انکار کی صورت میں آپ کو سزا بھگتنی پڑے گی۔" دوسرے نے سرد لہجے میں کہا اور پھر وہ دونوں عمران اور ظفرالملک کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔!" عمران آواز بدل کر بولا۔ "ہم یہیں باہر بیٹھے رہیں گے بس آپ ہمیں اس بستی کے افلاطون بچوں سے بچائے رکھئے گا۔"

"کیا تم اس بستی کے نہیں ہو؟" رینا نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ کہیں اور سے پکڑ کر لائے گئے ہیں اور ہم لوگ محض دیکھنے کے بندر نہیں ہیں ہمیں بھوک بھی لگتی ہے۔"

"ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ ہم خود کہیں اور سے پکڑ کر لائے گئے ہیں۔" رینا نے مغموم لہجے میں کہا۔

"آپ تینوں ایک دوسری کو جانتی ہیں؟" عمران نے پوچھا اور رینا چونک کر اُسے گھورنے لگی پھر بولی۔ "ہاں.... ہاں.... کیوں نہیں.... سردار گڑھ میں ہم تینوں ساتھ تھیں۔"

اچانک ایک تیسرا بندر دکھائی دیا جو انہیں کی طرف دوڑا آرہا تھا۔ قریب پہنچ کر ہانپتا ہو بولا۔ "مس رینا.... میں انسپکٹر ہوں۔"

"اوہ.... لل.... لیکن.....!"

"وہ مجھ پر تشدد کر رہے ہیں۔ یہ نامعقول لباس پہنا کر کہا ہے کہ اس کو اتارنے کی کوشش زندگی سے ہاتھ دھونے کے مترادف ہوگی۔ اور پھر آپ لوگوں کے پاس بھیج دیا۔" وہ خاموش ہ کر ظفر اور عمران کو گھورنے لگا۔

"ہم صرف بندر ہیں۔ کیا آپ بندروں کے انسپکٹر ہیں جناب....!" عمران نے بدلی ہی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"بکواس مت کرو۔" انسپکٹر غرایا۔ "ٹھیک بتاؤ تم کون ہو؟ ورنہ کھال اتار دوں گا۔"

"ضرور کھال اتار دو ہماری اور خواتین سے گالیاں کھاؤ۔"

"یہ کون بد تمیز ہیں؟" انسپکٹر نے پھاڑ کھانے والے انداز میں رینا سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی.... دو آدمی انہیں بھی ہمارے حوالے کر گئے ہیں!"

"کوئی بھی ہوں۔ میں انہیں ٹھیک کر دوں گا۔"

"انسپکٹر صاحب! یہ آپ کا تھانہ نہیں ہے۔" عمران چڑھانے والے انداز میں بولا۔ "مرغا بنوا دوں گا۔"

"یہ.... یہ....!" انسپکٹر رینا کی طرف مڑ کر کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہیں کے معلوم ہوتے ہیں۔"

رینا کچھ نہ بولی۔ اتنے میں ایک آدمی ٹھیلے پر ترکاریاں رکھے ہوئے خیمے کے قریب پہنچا اور لڑکیوں سے بولا۔ "اپنے بندروں کے لئے جو کچھ لینا چاہیں۔ لے لیں۔"

عمران نے ٹھیلے والے سے کہا۔ "اے بھائی! ہم دونوں بہت ہی کلچرڈ قسم کے بندر ہیں کچی ترکاریاں نہیں کھاتے۔"

"اور ہمارے پاس ابالنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔" رینا بولی۔

"اچھا.... اچھا۔" ٹھیلے والا سر ہلا کر بولا۔ "اُبلی ہوئی آجائیں گی لیکن براہِ کرم آپ ان تینوں کو اندر لے جایئے ورنہ بچے پریشان کریں گے۔"

وہ ٹھیلا دھکیلتا ہوا پھر بستی کی طرف چلا گیا۔

"چلو اندر...." رینا نے مردہ سی آواز میں اُن سے کہا۔

خیمے کے اندر پہنچ کر انسپکٹر نے رینا سے پوچھا۔ "یہ دونوں وہی لڑکیاں ہیں نا جو پہلے اٹھائی گئی تھیں؟"

"ہاں وہی ہیں۔!"

"تم کیسے آئیں....؟"

"پہلے تم بتاؤ۔!"

ہم اس درے سے گزرے جس میں اس ہپی کے گولی لگی تھی۔ دوسری طرف ایک چشمہ تھا۔ چشمے والی چٹان کے اوپر ہمیں ایک آدمی نظر آیا جس پر عقاب جھپٹے مار رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تالاب میں آگرا اور غرق ہو گیا۔ پھر ہم نے اس کی لاش نکال لینے کی مہم شروع ہی کی تھی کہ ایک بار پھر گیس کے بم کے دھماکے نے ہمیں ناکارہ کر دیا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو خود کو اس بستی میں پایا۔ پتا نہیں میرے ماتحتوں اور ڈان فاگان پر کیا گزری۔"

"وہ بھی ساتھ تھا۔؟" ریٹا نے پوچھا۔

"ہاں.... اور یہ اسی نامعقول آدمی کی تجویز تھی جس نے پتہ نہیں کس طرح ہمارے ایس پی صاحب کو مرعوب کر لیا تھا۔"

"عمران؟"

"ہاں.... مت نام لو اس کا۔ اسی کی وجہ سے اس حال کو پہنچا ہوں۔ اب تم بتاؤ۔"

ریٹا نے اپنی کہانی شروع کی جس کے اختتام پر انسپکٹر بولا۔ "دیکھا تم نے کتنا پاگل آدمی ہے.... ہونہہ.... تمہیں مرد بنا کر ساتھ لئے پھر رہا تھا۔"

"کچھ بھی ہو.... بندر کا خاتمہ تو اس نے کر ہی دیا۔ جو ان لوگوں کو عورتوں کے پیچھے لگائے پھرتا تھا۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔!"

ریٹا کچھ نہ بولی انسپکٹر عمران اور ظفر کو دیکھنے لگا۔

عمران سر ہلا کر بولا۔ "ہمارے ساتھ کوئی کہانی نہیں ہے۔ ہم دونوں پیدائشی بندر ہیں وال صاحب افریقہ سے لائے گئے تھے اور والدہ صاحبہ نیوزی لینڈ سے تعلق رکھتی تھیں۔"

"تم سیدھی طرح بات کیوں نہیں کرتے۔" انسپکٹر کو غصہ آگیا۔

عمران نے ظفر سے کہا۔ "تم کچھ خیال نہ کرنا۔ یہ بندروں کے انسپکٹر ہیں۔ انہیں حق حاص ہے کہ معمولی بندروں سے اسی طرح پیش آئیں۔"

"خدا کے لئے تم ہی اپنی زبان بند رکھو۔" ریٹا نے ان دونوں سے استدعا کی۔

"آپ کہتی ہیں تو اب نہ بولیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد ان کے لئے بہت بڑے طشت میں اُبلی ہوئی ترکاریاں لائی گئیں۔

"تو کیا یہ مردود ہمیں سچ مچ بندروں ہی کی طرح ٹریٹ کریں گے؟" انسپکٹر بڑبڑایا۔

"ہمیں تو بہتر کھانا مل رہا ہے۔" کٹی چہک کر بولی۔

"آدمی اپنی مادہ کی بہت عزت کرتے ہیں۔" عمران نے مغموم لہجے میں کہا۔

پھر تینوں بندروں نے پیٹ بھر کر اُبلی ہوئی ترکاریاں کھائی تھیں اور ایک طرف بیٹھ کر اُونگھنے لگے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ترکاریوں میں کوئی خواب آور چیز بھی شامل تھی۔" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور لڑکیوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اگر ہم سو جائیں تو ہماری شکلیں دیکھنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"کیوں۔" ریٹا نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بس کہہ دیا۔ احتیاط رکھنا۔ ورنہ یہ لوگ تمہیں بڑی سخت سزا دیں گے۔"

"دِ.... دیکھا تم نے....؟" انسپکٹر بولا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ یہ دونوں انہیں کے آدمی ہیں۔"

"ہم بندر ہیں۔ انسپکٹر پلیز...." عمران نے رُک رُک کر کہا۔

وہ گہری نیند سوئے تھے اور پھر سب سے پہلے عمران کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ اٹھ بیٹھا تھا اور ظفر کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے تھے اور ایک دوسرے پر لدے پڑے خراٹے لیتے رہے تھے۔

انسپکٹر بھی جاگ پڑا اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ارے ہم زمین ہی پر سو گئے تھے۔"

"اور نہیں تو کیا آسمان پر سونے کا ارادہ تھا۔" عمران نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"تم مجھ سے بات نہ کرو...." انسپکٹر غرایا۔

میں عرض کر رہا تھا انسپکٹر صاحب کہ پلنگ معزز خواتین کے لئے ہیں۔ ہم بندر رات کو بھی زمین ہی پر سوئیں گے۔

"میں کہتا ہوں.... مجھ سے بات نہ کرو۔"

"بہت اچھا....!" عمران نے بندر ہی کی چہکار میں کہا اور لڑکیاں ہنس پڑیں۔

ظفر شروع سے اب تک خاموش ہی رہا تھا عمران کو بدلی ہوئی آواز میں گفتگو کرتے سُن کر ہی

اس نے خود بولنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی آواز قابو میں نہ رکھ پاتا۔

لڑکیوں کے لئے شام کی چائے آئی تھی اور بندروں کے لئے اُبلے ہوئے چنے لائے گئے تھے۔

عمران نے لڑکیوں سے کہا۔ "اگر تم اپنے حصے کی چائے کی خیرات نکال سکو تو ہمارا بھی بھلا ہو جائے گا۔۔۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ رات تک سر پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے۔"

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔" ریتا نے کہا۔

چائے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ دو آدمی جو اچھے لباس میں تھے۔ لڑکیوں سے اجازت طلب کر کے خیمے میں داخل ہوئے۔

ایک نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ "معزز خواتین اور مہمان بندرو۔۔۔ اب آپ کو ہمار ایک خصوصی تقریب میں شرکت کرنی ہے۔"

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔" کٹی خوش ہو کر بولی۔

"تو پھر چلئے۔"

"ہم کیا تقریب میں بھی بندر ہی رہیں گے۔" عمران نے پوچھا۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں۔!"

"اس تقریب میں بچے تو نہ ہوں گے۔"

"یقیناً ہوں گے۔ لیکن بہترین ڈسپلن کا مظاہرہ کریں گے۔

"ہم آدمی ہیں بندر نہیں۔ صبح بچوں نے پریشان کیا تھا۔"

"دراصل انہوں نے اتنے بڑے بڑے بندر پہلی بار دیکھے تھے۔ محض خوشی اور حیرت اظہار کر رہے تھے۔ کسی نے پتھر تو نہیں مارا تھا۔"

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ خدا ان کی عمریں دراز کرے۔ بے حد شائستہ بچے تھے۔"

"شکریہ۔۔۔ اچھا اب اٹھو۔"

وہ خیمے سے باہر نکلے۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لوگ بستی چھوڑ کہیں اور چلے گئے ہوں۔

وہ چلتے رہے حتیٰ کہ بستی بہت پیچھے رہ گئی۔ لڑکیاں تھکن کی شکایت کر رہی تھیں۔

پھر وہ ایک چھوٹے سے میدان میں پہنچے جہاں تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی شاید پور

بستی کے لوگ وہیں اکٹھا ہو گئے تھے۔ عورت مرد، بوڑھے، بچے۔۔۔ لیکن ایسا سناٹا تھا جیسے وہ کوئی ماتمی تقریب ہو۔ ان بندروں کو دیکھ کر بھی بچوں نے شور نہ مچایا۔

"خدا کی پناہ۔۔۔!" انسپکٹر بڑبڑایا پھر ریتا سے بولا۔ "وہ ادھر دیکھو۔۔۔ اس اونچی چٹان پر۔۔۔ کیا وہ ڈان فاگان نہیں ہے۔"

"آ۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہے تو۔۔۔ لیکن۔"

ڈان فاگان اس چٹان پر تنہا کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سناٹا اسی کے لئے ہو۔۔۔ اسی کی وجہ سے مجمع کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ عمران وغیرہ کی راہنمائی کرنے والے بھیڑ میں راستہ بناتے ہوئے انہیں اسی چٹان کی طرف لئے جا رہے تھے۔

چٹان کے قریب پہنچ کر وہ دونوں رک گئے اور ان سے اوپر جانے کو کہا۔ وہ ہچکچائے تھے لیکن عمران نے پہل کی۔ ظفر اس کے پیچھے تھا۔ پھر دوسروں کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی تھی۔

سب انسپکٹر نے اوپر پہنچتے ہی ڈان فاگان سے پوچھا۔ "ان لوگوں نے تمہیں بندر نہیں بنایا؟"

عمران تیز سیٹی کی سی آواز میں بندروں کی طرح چچیایا۔ ڈان فاگان تیزی سے اس کی طرف مڑا تھا۔

"میں تمہیں پہچانتا ہوں۔۔۔" ڈان فاگان نے قہر آلود لہجے میں اس سے کہا۔

عمران پھر چچیایا۔

"خاموش رہو۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہی ان حرکتوں کے ذمہ دار ہو!" انسپکٹر تلخ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔!" ڈان فاگان نے لاپرواہی سے کہا۔

"میرے ماتحت اور دونوں شکاری کہاں ہیں۔؟"

"وہ لوگ غیر ضروری تھے اس لئے اپنے گھروں تک پہنچ گئے ہوں گے۔"

ظفر کچھ بولنا ہی چاہتا تھا لیکن عمران نے اس کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"میں کیوں ضروری ہوں۔۔۔ اور وہ ضرورت کیا ہے۔۔۔؟" انسپکٹر بھی بولا۔

"بس اب خاموش رہو۔" ڈان فاگان ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں بولا اور پھر چیخ چیخ کر نیچے

کھڑے ہوئے لوگوں سے کہنے لگا تھا۔ ”ساتھیو.....! تمہارے لئے ایک خوش خبری ہے یہ تینوں لڑکیاں تمہارے لئے تفریح مہیا کریں گی۔ اب یہ تمہارے درمیان ہی رہیں گی۔“

تالیوں کے شور میں وہ خاموش ہو گیا۔ عمران اور اس کے ساتھی اسے حیرت سے دیکھے جا رہے تھے کیونکہ اسپینی نے مجمع سے اردو میں خطاب کیا تھا۔

”ہم اس پر تیار نہیں ہیں۔“ دفعتاً ریتا جھلا کر بولی۔

”کیا تم ان تین بندروں کو بہت بڑی طاقت سمجھتی ہو؟“ ڈان فاگان نے حقارت سے کہا۔

”ایک منٹ!“ عمران نے بدلی ہوئی آواز میں دخل اندازی کی۔ ”آخر تم لوگ کون ہو..... اور کیا چاہتے ہو؟“

”ہم دنیا کے بہت ہی ترقی یافتہ لوگ ہیں اور دنیا میں امن چاہتے ہیں۔“

”عورتوں کا جبری اغوا ترقی ہے یا امن پسندی۔!“

”وقتی ضرورت..... یہ ہماری لڑکیوں کو رقص کی تربیت دیں گی۔ اور ان کی مرضی کے بغیر کوئی انہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکے گا۔“

”اچھی بات ہے..... تو پھر ہم تینوں واپس جا رہے ہیں۔“

”کوشش کر کے دیکھو.....“ ڈان فاگان نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ اگر ہم سے بچ گئے تو اس ملک کے سرحدی محافظ تمہیں گولیوں کا نشانہ بنا دیں گے۔“

”اچھا تو پھر ہمارا مصرف بھی بتاؤ۔!“

”تمہارے ذہنوں سے صدیوں کا زنگ اور میل کچیل صاف کر کے تمہیں ایک ترقی یافتہ آدمی بنا دیں گے۔ فی الحال ہماری ذہنی سطح کے اعتبار سے تم صرف بندر ہو۔ چھین جھپٹ کر کھانے والے۔!“

”اوہ..... تو..... تم یہاں اس علاقے میں اپنے قدم کس طرح جما سکے یہاں کی حکومت تمہیں کس طرح برداشت کر رہی ہے؟“

”ہم یہاں ایک نئے طریق کار کا تجربہ کر رہے ہیں۔ تم دیکھ ہی لو گے۔“ ڈان فاگان بولا۔

”تمہیں رقص کرنا چاہئے۔“ دفعتاً عمران نے ریتا کی طرف مڑ کر کہا۔ ”یہ سب اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں..... ہاں..... ہاں..... کوئی بات نہیں..... چلو۔“

پھر ایک ٹیپ ریکارڈر سے رقص کے لئے موسیقی شروع ہوئی تھی اور تینوں نے ناچنا شروع کر دیا تھا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے ہی یہ تقریب اختتام کو پہنچی تھی اور مجمع بستی کی طرف چل پڑا تھا۔

”تم تینوں میرے ساتھ چلو گے۔“ ڈان فاگان نے عمران کو مخاطب کر کے کہا۔ ”اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ پوری بستی کا خاتمہ کر دینے کے باوجود بھی تم لوگ ان پہاڑوں کے اس پار نہیں پہنچ سکو گے۔“

”ہمیں واپسی کی جلدی نہیں ہے۔“ عمران بے حد نرم لہجے میں بولا۔ ”لیکن اس بیہودہ لباس سے تو ہمیں چھٹکارا دلاؤ۔“

”فی الحال یہ بھی ناممکن ہے میرے دوست! ہم اپنے طریق کار کو بدل نہیں سکتے بتدریج تمہیں بندر سے آدمی بنائیں گے۔“

”اچھا..... دُم ہی اکھاڑ دو۔“

”بچوں کی طرح ضد نہ کرو..... تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔“

”خیر.....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”میری یادداشت واپس لانے کے لئے تم نے جو حرکت کی تھی۔ اُسے معاف کر چکا ہوں۔“

”کیا مطلب.....؟“ انسپکٹر چونک کر بولا۔

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں..... فکر نہ کرو.....“ عمران نے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

لڑکیاں وہاں سے لے جائی جا چکی تھیں۔ ڈان فاگان کے ساتھ وہ تینوں بستی میں آئے۔ ان کے لئے بستی کے وسط میں ایک خیمے کا انتظام کیا گیا تھا۔

”اب میں جا رہا ہوں۔“ ڈان فاگان نے کہا۔ ”کل تم یہاں بہت کچھ دیکھو گے۔“ وہ چلا گیا۔

یہ تینوں خاموشی سے اپنے اپنے بستروں پر جا بیٹھے۔

رات کے کھانے میں بھی اُبلی ہوئی ترکاریاں ہی ملیں۔ انسپکٹر بھنا کر بولا۔ ”سچ مچ بندر بنا کر رکھ دیا ہے۔“

ڈان فاگان کے ریمارک کے بعد سے عمران نے بدلی ہوئی آواز میں گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور اب انسپکٹر کا رویہ بھی بدل گیا تھا۔ اس نے عمران سے الجھنے کی

کوشش نہیں کی تھی۔

”سنو دوست!“ اس نے انسپکٹر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اس لڑکی رینا کو نہ معلوم ہونے پائے کہ میں عمران ہوں۔ ورنہ وہی مجھے بندر سے آدمی بنا کر رکھ دے گی۔ آہاں.... ذر ایک بات تو بتانا۔“

”پوچھیے....“

”کیا وہ آدمی بھی ہماری ہی طرح بندر تھا۔ جسے عقاب نے چٹان سے تالاب میں گرایا تھا۔“

”نن.... نہیں.... وہ خاکی لباس میں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس طرف کے سرحد محافظوں میں سے تھا۔“

”اوہ....!“ عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔

دوسری صبح ناشتے میں بھی انہیں اُبلی ہوئی ترکاریاں ہی ملی تھیں۔

”چائے کے بغیر تو میری زندگی محال ہے۔“ ظفرالملک بڑبڑایا۔

”ان کا کرم ہے کہ ترکاریاں اُبلی ہوئی ملتی ہیں۔ بندروں کے لئے چائے کہاں بنواتے پھر گے۔ ویسے مجھے یہ برین واشنگ کا ابتدائی کورس معلوم ہوتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ انسپکٹر چونک پڑا۔

”ارے اسی طرح ترکاریاں نصیب ہوتی رہیں تو ہم ہاں میں ہاں ملانے کے فن میں ما ہو جائیں گے۔ خدا کی پناہ شاہینوں کو ابلی ہوئی ترکاریاں کھلا رہے ہیں۔“

نو بجے کے قریب ایک آدمی خیمے میں داخل ہوا۔ جو ٹامی گن سے مسلح تھا۔ اس نے انہی خیمے سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

خیمے کے باہر ڈان فاگان دوسرے مسلح آدمی کے ساتھ کھڑا تھا۔

”میرے پیچھے آؤ....“ اس نے ان تینوں سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

مسلح آدمی اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ پھر یہ تینوں تھے اور ان کے پیچھے دوسرا مسلح آدمی تھا لڑکیوں کے خیمے کے قریب پہنچے تو وہ بھی باہر ہی کھڑی نظر آئیں۔ ان کے پاس بھی ا آدمی ٹامی گن لئے موجود تھا۔ اسے عمران نے پہچان لیا۔ یہ وہی تھا جسے اس نے سیاہ فام وحشیو کے ساتھ گرفتار کیا تھا۔ وہ ان تینوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

تینوں لڑکیاں بھی ان کے ساتھ ہو لیں۔ اب تین مسلح آدمی ان کی نگرانی کر رہے تھے۔

”کیا ہم ان لڑکیوں سے گفتگو کر سکتے ہیں۔“ عمران نے بدلی ہوئی آواز میں ڈان فاگان سے پوچھا۔

”اجازت ہے۔!“

”رات کیسی گزری؟“ عمران نے رینا کو مخاطب کیا۔

”تم لوگ اپنی کہو۔!“

وہ تینوں بیزار بیزار سی لگ رہی تھیں۔ اس لئے بات آگے نہ بڑھ سکی۔ عمران بھی خاموش ہو گیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں چاروں طرف اونچی اونچی نوکیلی چٹانیں تھیں۔

”میں تم لوگوں کو ایک تماشہ دکھاؤں گا۔“ ڈان فاگان ان کی طرف مڑ کر بولا۔

”ہم تماشوں کو تماشہ دکھاؤ گے۔“ عمران ہنس پڑا۔

”مجھے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ تم بے حد خطرناک آدمی ہو۔ بین الاقوامی شہرت کے مالک۔“

”اڑائی ہو گی کسی دشمن نے۔ میں تو ان تینوں لڑکیوں کو واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ مجھے تمہاری بستی سے کوئی سروکار نہیں۔“

”میں تمہیں یہی دکھانا چاہتا ہوں کہ تم ایسا نہ کر سکو گے۔ پچھلی رات ایک بندر بستی سے فرار ہو گیا ہے.... وہ یہاں سے نکل جانے کے راستے سے واقف تھا۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت وہ کہاں چھپا ہو گا۔“

”اچھا.... تو پھر۔!“

”اس کے فرار کا منظر تم بھی دیکھ لو۔“

عمران کچھ نہ بولا.... چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔

سب انسپکٹر اس کے قریب کھسک آیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اگر ایک ٹامی گن بھی ہوتی تو کسی نہ کسی طرح نپٹ لیا جاتا.... تین تین ہیں۔“

”تم لوگ ادھر بیٹھ جاؤ۔“ ڈان فاگان بولا۔ ”ہو سکتا ہے ابھی دیر لگے.... لیکن تم وہ دلچسپ منظر ضرور دیکھو گے۔ مجھے یقین ہے۔!“

بتائی ہوئی جگہ پر بیٹھ جانے کے بعد عمران نے ڈان فاگان کو مخاطب کیا۔ ”اس میں کیا

مصلحت تھی کہ پہلی بار تم سڑک کے کنارے بیہوش پائے گئے تھے۔؟"

"تیسری لڑکی ہاتھ نہیں آسکی تھی۔ اس کا حصول بھی ضروری تھا۔ اچھا... اچھا... میں تمہ پوری کہانی سناتا ہوں۔ وہ بیچارے یہ نہیں جانتے تھے کہ میں اُردو بھی بول اور سمجھ سکتا ہوں۔"

"میں بیچارہ بھی نہیں جانتا تھا۔" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اور اب پوری کہانی میر تمہیں سنا سکوں گا.... تمہیں علم تھا کہ لڑکی میرے ساتھ ہوگی تمہاری موجودگی ہی میں ایلر کو میں نے اپنی اسکیم بتائی تھی اور بدقسمتی سے اُردو میں بتائی تھی۔"

"تم کتنی زبانیں بول اور سمجھ سکتے ہو۔"

"انگریزی اور اسپینی۔!"

"میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ تمہیں فرنچ اور جرمن بھی آتی ہوں گی۔ یورپی زبانوں شائقین کے لئے اسپینی بہت بعد کی چیز ہے۔ خیر ہوگا۔" وہ شانوں کو جنبش دے کر بولا۔

"مجھے اس سے کیا سروکار۔ ہاں مجھے تمہاری اسکیم کا علم تھا۔ میں نے اس پارٹی کو ٹھ لگادینے کے بعد جس کے ساتھ خود تھا تمہاری تلاش شروع کردی تھی۔ لیکن لڑکی تمہا ساتھ نہیں تھی وہ تو رات کو بندر نے....!"

مجھے اس کے مارے جانے پر افسوس ہے۔ لیکن یہ ناگزیر تھا اسے چھوٹ دیتا تو ڈاڑھم لڑکی پکڑی جاتی۔"

"تو یہ تم ہو....!" رینا چیخ کر عمران کی طرف لپکی۔

"وہیں.... ٹھہرو....!" ڈان فاگان ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں بولا۔

رینا رک کر اُسے خون خوار نظروں سے گھورنے لگی۔

"ہاں.... ہاں.... اُدھر ہی بیٹھو...." عمران نے سر ہلا کر کہا۔ اور چند لمحے خاموش ڈان فاگان سے بولا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ تماشہ خوش گوار نہ ہوگا۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔!" ڈان فاگان کے ہونٹوں پر سفاک سی مسکراہٹ نظر آئی

"اس لئے اگر ان لڑکیوں کو یہاں سے ہٹادو، تو بہتر ہوگا۔"

"انہیں بھی دیکھنا چاہئے۔" خشک لہجے میں جواب ملا۔

تینوں مسلح آدمی ٹامی گنیں سنبھالے ان کی طرف نگران تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا

سے کسی قسم کی حرکت سرزد ہوتے ہی ٹامی گنیں گولیاں اُگلنا شروع کردیں گی۔

"یہ خاموشی گراں گزر رہی ہے۔" ظفرالملک بولا۔

"اچھا تو پھر تم ہی کچھ گاؤ۔" عمران نے کہا۔

انسپکٹر نے غصیلی نظروں سے ظفر کی طرف دیکھا تھا۔ شاید وہ خاموشی ہی چاہتا تھا۔

"تمہیں کس سے اطلاع ملی تھی کہ میں بہت خطرناک آدمی ہوں۔" عمران نے ڈان فاگان سے پوچھا۔

"اپنے ایک ایجنٹ سے جو مستقل طور پر سردار گڑھ میں رہتا ہے۔ جیسے ہی تم میری یادداشت واپس لائے تھے۔ اس نے تمہاری چھان بین شروع کردی تھی۔"

"میں گاؤں؟" دفعتاً رینا زور سے بولی۔ "واقعی اس خاموشی میں بڑی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔"

"اے سی نور ڈان فاگان!" عمران جھلا کر بولا۔ "میں کہتا ہوں ان احمقوں کو یہاں سے ہٹادو تاکہ ہم اطمینان سے گفتگو کرسکیں۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر ایک مسلح آدمی سے کہا کہ وہ انہیں پیچھے والی چٹان کے عقب میں لے جائے اور کڑی نگرانی میں رکھے۔

"ہاں.... اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو۔" ڈان فاگان نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

اب وہاں دو مسلح آدمیوں اور ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

عمران اس سے کسی قدر قریب ہوتا ہوا بولا۔ "اگر تمہارے ایجنٹ نے میرے متعلق مکمل معلومات فراہم کی ہیں تو تمہیں میری دکھ بھری زندگی سے پوری طرح آگاہی ہوگئی ہوگی۔!"

"ہاں تمہارا پیشہ ایمانداری پر مبنی نہیں ہے۔ پولیس اور مجرموں کو بلیک میل کر کے زندگی بسر کرتے ہو۔"

"بس میرا قصور یہ ہے کہ صورت سے اسمارٹ نہیں لگتا۔ اسی لئے ابھی تک کوئی ڈھنگ کی ملازمت نہ مل سکی۔ تم مجھے اپنی بستی کا احوال بتاؤ۔ شاید میری برین واشنگ کی ضرورت پیش نہ آئے۔"

"تم ایک نیم وحشی معاشرے سے تعلق رکھتے ہو۔!" ڈان فاگان بولا۔ "تمہارا معاشرہ لٹیروں اور بھکاریوں کا معاشرہ ہے تم ان درندوں کے نقال ہو جو خلائی دوڑ کو آدمی کی ترقی سمجھتے ہیں۔"

"بالکل.... بالکل۔!"

"آدمی کی سب سے بڑی ترقی یہ ہے کہ وہ اپنے مال میں دوسروں کو بھی حصہ دار بنائے یہاں ہم سب ایک دوسرے کے لئے کماتے ہیں۔ کوئی شخص اپنی محنت کے ثمرے پر صرف اپنا ہی حق نہیں جتاتا۔ ہم اپنی ساری آمدنی یک جا کر کے ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق....!"

"میں بالکل سمجھ گیا.... تم درندے نہیں ہو لیکن جس کھیل کے لئے تم ہم لوگوں کو یہاں لائے ہو اس کا کیا جواز ہے۔؟"

"تم کیا سمجھتے ہو....!"

"یہی کہ.... تمہارا قیدی جب فرار کے راستے پر لگے گا تو اچانک اس پر عقاب ٹوٹ پڑیں گے اور وہ بلندی سے نیچے آرہے گا۔"

"واقعی ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔"

"تم چاہو تو اسے بچا بھی سکتے ہو۔"

"میں نہیں بچانا چاہتا۔" ڈان فاگان غصیلے لہجے میں بولا۔

"پس ثابت ہوا کہ تم بھی ہماری ہی طرح نیم وحشی ہو۔ سزا اور انتقام بھی حیوانی جبلتوں کی پیداوار ہیں۔ تم چاہتے تو اسے دوبارہ گرفتار کر کے اسے اپنی قید میں رکھ سکتے تھے لیکن تم محض اس لئے اس کی زندگی کا خاتمہ کر رہے ہو کہ ہم عبرت پکڑ سکیں اور یہاں سے نکل بھاگنے کا تصور تک نہ کر سکیں۔"

"تم ٹھیک سمجھے....!" ڈان فاگان اسپینی میں غرایا۔ "تم اسپینی سمجھ سکتے ہو.... اس لئے میں تم سے اسی زبان میں گفتگو کروں گا۔"

اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ چند لمحے خاموش رہ کر پھر دہاڑا۔ "میں بے ضمیر نہیں ہوں۔ سب کچھ سمجھتا ہوں.... لیکن مجبور ہوں۔ تم مجھے باس سمجھتے ہو گے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ تینوں مسلح آدمی مجھ پر حکومت کرتے ہیں۔ میری ذہانت اور میرا علم ان تین وحشی درندوں ک تابع فرمان ہے۔ ان کی ٹامی گنیں مجھے ان کے بنائے ہوئے سانچوں میں ڈھالتی رہتی ہیں۔"

"ارے.... تم کتوں کی طرح کیوں بھونکنے لگے؟ میں کچھ نہیں سمجھا۔" عمران نے اردو میں کہا۔

"شاباش....!" ڈان فاگان نے بدستور غصے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسپینی ہی استعمال کی "واقعی بہت ذہین معلوم ہوتے ہو۔ ان پر ہرگز نہ ظاہر ہونے دینا کہ تم میری مادری زبان سمجھ سکتے ہو....!"

"یہ کیا بک رہا ہے...." عمران نے مسلح آدمیوں کی طرف مڑ کر کہا۔

"غصہ آگیا ہے شائد...." ایک بولا۔

"تو کیا غصے میں بھونکنے لگتا ہے....؟"

"نہیں.... اس کی مادری زبان اسپینی ہے۔"

"لاحول ولا قوۃ....!"

اچانک سامنے والی بلند بالا چٹان سے پے در پے چیخیں سنائی دیں اور ایک آدمی لڑھکتا ہوا نیچے آپڑا۔

اُدھر کئی عقاب فضا میں چکرا رہے تھے۔ نیچے گرنے والا بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ اس کے جسم پر بھی ویسا ہی لباس نظر آیا جیسا عمران اور اس کے ساتھیوں کے جسموں پر منڈھا گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ تینوں بالکل ساکت صامت کھڑے رہے۔

پھر عمران گرنے والے کی طرف جھپٹا.... کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ چٹان سے گرنے والا مر چکا تھا۔ عمران گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ دفعتاً اس نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

"ارے.... ارے"۔ ڈان فاگان بڑبڑایا۔ پھر مسلح آدمیوں سے بولا۔ "دیکھو.... اسے ہٹاؤ وہاں سے۔"

وہ دونوں آگے بڑھے۔ پہلے انہوں نے عمران سے ہٹ جانے کو کہا لیکن اس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کی تھی۔ آخر کار ان میں سے ایک نے بائیں ہاتھ سے عمران کا بازو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ تو اچھل کر دور جا پڑا تھا اور اس کی ٹامی گن عمران کے ہاتھ میں نظر آئی تھی پھر اس ٹامی گن کا دستہ دوسرے مسلح آدمی کے سر پر پڑا۔ پہلے آدمی نے عمران پر دوبارہ جست لگائی اور منہ کی کھائی۔ ٹامی گن کا دستہ اس کی کنپٹی پر پڑا تھا۔ پھر جتنی دیر میں ڈان فاگان

قریب پہنچا وہ دونوں بے حس و حرکت ہو چکے تھے۔

”وہیں ٹھہرو....“ عمران اس کی طرف دیکھ کر غرایا۔

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”سمجھاؤ....“ عمران نے رازدارانہ انداز میں اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک عمران کا جچا تلا ہاتھ اس کی کنپٹی پر پڑا۔ اور وہ بھی چکرا کر ڈھیر ہو گیا۔ پھر دوسری ٹامی گن زمین سے اٹھاتے ہوئے اس نے اس چٹان کی طرف دیکھا جس کے پیچھے تیسرا مسلح آدمی اس کے ساتھیوں کو لے گیا تھا۔

وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھا۔ دونوں ٹامی گنیں ایک جگہ چھپا دیں پھر اس چٹان پر چڑھنے لگا جس کی دوسری طرف اس کے ساتھی موجود تھے۔

چٹان ناقابلِ عبور نہیں تھی۔ اوپر پہنچ کر بڑی احتیاط سے اس نے دوسری طرف جھانکا۔ وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ مسلح آدمی کی پوزیشن اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد وہ پھر اس چٹان کے نیچے اتر آیا۔ اب وہ اس طرف چل پڑا جدھر سے گزر کر وہ لوگ اس چٹان کے پیچھے پہنچے تھے۔

مسلح آدمی کی پشت پر پہنچ کر اس نے اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ بیٹھا۔ ٹامی گن اس کی گرفت سے نکل کر دور جا پڑی۔ ظفرالملک نے ٹامی گن پر قبضہ کر لینے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

عمران اپنے شکار کو دبوچے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”اس رات تم ڈان فاگان کی وجہ سے بچ گئے تھے۔ آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”اُن.... اُن.... کا کیا ہوا....؟“ شکار ہکلایا۔

”وہی جو تمہارا ہونے والا ہے۔“

عمران نے اس کی گردن میں قینچی ڈال دی تھی اور بتدریج دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا سر زمین سے ٹکرا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اپنے بیہوش ساتھیوں کے قریب لیٹا ہوا نظر آیا تھا۔

عمران نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”جتنی جلد ممکن ہو ہمیں بندر سے آدمی بن جانا چاہئے ترکیب اس کی یہ ہے کہ ان تینوں کے کپڑے اتار کر ہم پہنیں اور انہیں بندر بنا دیں۔“

پندرہ بیس منٹ میں انہوں نے یہ مرحلہ بھی طے کر لیا تھا۔

ڈان فاگان کو پہلے ہوش آیا۔ تین ٹامی گنیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں.... وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھے جا رہا تھا۔ دفعتاً اٹھ بیٹھا اور عمران سے اسپینی میں بولا ”واقعی تم باکمال آدمی ہو۔“

”جہاں ہو! وہیں بیٹھے رہو۔“

”کک.... کیا تم نے ان تینوں کو مار ڈالا۔“

”نہیں.... یہ بھی عقابوں ہی کے شکار ہوں گے۔ جس طرح وہ بیچارا۔“ عمران نے نامعلوم آدمی کی لاش کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”کیا یہ بھی میرے ہی ملک سے تعلق رکھتا تھا۔“

”نہیں....!“

”چلو.... مجھے اس کا چہرہ دکھاؤ....!“

ڈان فاگان نے آگے بڑھ کر لاش کے چہرے پر منڈھا ہوا خول ہٹایا۔ ناک نقشے سے وہ مشرق بعید کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔

”اب تم اپنے کپڑے اتار کر اس لاش کا لباس اپنے جسم پر منڈھو گے۔“ عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”تت.... تم آخر سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔“ ڈان فاگان نے بوکھلا کر کہا۔

”کیوں....؟“

”میں خود اس جال سے نکلنا چاہتا ہوں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔ ایسی بستی چھوڑ کر کہاں جاؤ گے۔“

”میں نے جو کچھ بھی کہا تھا۔ ان لوگوں کو سنانے کے لئے کہا تھا۔ یہاں انسانیت کے نام پر فراڈ ہو رہا ہے۔“

”خوب.... وہ کس طرح۔؟“

”یہاں سے کہیں اور چلو.... میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

”یہیں بتا دینے میں کیا دشواری ہے۔؟“

"میں نہیں چاہتا کہ وہ لوگ ہوش میں آکر مجھے تم سے گفتگو کرتے دیکھ لیں۔"

"وہ ہوش میں آنے کے بعد بھی خود کو بے بس محسوس کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔"

"میں کہتا ہوں وقت ضائع نہ کرو۔ ورنہ زندگی بھر یہاں سے نہ نکل سکو گے۔ پہلے میری پوری بات سُن لو۔ اس کے بعد میں بھی تمہارا قیدی ہی بن کر چلوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔ چلو ادھر ہی۔" عمران نے کہا اور ظفر الملک سے بلند آواز میں کہا "پوری طرح چوکس رہنا.... میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ ڈان فاگان کو اسی چٹان کے پیچھے لے گیا جہاں کچھ دیر پہلے اس کے ساتھی تھے۔

"صرف ایک آدمی.... نکاسی کے راستے سے واقف ہے۔" ڈان فاگان بولا۔ "میں بھی نہیں جانتا.... ایک مخصوص جگہ پر میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔ تب میں ادھر سے ادھر پہنچ سکتا ہوں یا اُدھر سے ادھر آسکتا ہوں۔"

"وہ کون ہے۔؟"

"وہی آدمی جس کے ساتھ سیاہ فام وحشی رہتے ہیں جسے تم نے اس رات ادھر گرفتار کر کے غار میں ڈال دیا تھا۔"

"اوہ.... اچھا.... اب ان عقابوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔"

"ان کے بارے میں بھی وہی شخص بتا سکے گا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"شاید میں بھی کسی حد تک جانتا ہوں۔"

"اس آدمی کو الگ کر لو اور ان دونوں کو یا تو مار ڈالو یا بے بس کر کے ایسی جگہ ڈال دو کہ وہ بستی تک نہ پہنچ سکیں۔"

عمران کچھ سوچنے لگا۔

"ان کے ہوش میں آنے سے پہلے مجھے قیدی بنالو۔"

"آخر.... کیوں....؟ اب تم سب ہی قیدی ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔"

ڈان فاگان کوئی جواب دیئے بغیر اپنی ٹائی کی گرہ کھولنے لگا پھر ٹائی عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "میرے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔ جلدی کرو۔ اگر اس آدمی کو شبہ بھی ہو گیا کہ میں تم سے مل گیا ہوں تو وہ ہمیں نکاسی کے راستے تک ہرگز نہ لے جائے گا۔"

عمران نے ڈان فاگان کے مشورے پر عمل تو کیا لیکن اس کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے بات پوری طرح اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

دوسری طرف ان تینوں کو بھی ہوش آ گیا تھا۔ اور وہ ان دو ٹامی گنوں کو گھورے جا رہے تھے جو اب ظفر الملک اور سب انسپکٹر کے ہاتھوں میں تھیں۔

پھر انہوں نے ڈان فاگان کو دیکھا جسے عمران دھکیلتا ہوا ادھر لا رہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے ڈان فاگان کو بھی انہیں کے ساتھ بیٹھ جانے کا حکم دیا۔

رینا جھپٹ کر عمران کی طرف آئی تھی۔

"یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔ جلدی سے نکل چلو۔" اس نے اس کا بازو چھو کر کہا۔

"صبر کرو....!" اس نے رینا کو الگ ہٹاتے ہوئے چاروں قیدیوں کو مخاطب کیا۔

"تم چاروں صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہو کہ ہمیں ہماری سرحد تک پہنچا دو۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ عمران نے پھر وہی جملہ دہرایا۔

"تم ہمیں مار ڈالو۔" ڈان فاگان کڑک کر بولا۔ "لیکن ہم تمہیں راستہ نہیں بتائیں گے۔"

"خاموش رہو۔" وہ آدمی جھنجھلا کر بولا جس کی نشان دہی ڈان فاگان نے کی تھی۔

"دوسری صورت میں ڈان فاگان کو بھی مردہ آدمی کا لباس پہنا دیا جائے گا۔ اور ہم تم چاروں کو اوپر لے جائیں گے۔" عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

"نن.... نہیں....!" وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"یہی ہوگا۔! اس لباس میں عقاب تمہارا بھی وہی حشر کریں گے۔" عمران نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اس پر اس نے کہا تھا کہ اگر ان کا لباس تبدیل کر دیا جائے تو وہ انہیں نکاسی کے راستے تک پہنچا دیں گے۔

"لباس....! میں کہاں سے مہیا کروں گا۔" عمران اسے گھور کر بولا۔

"ڈان فاگان کے ہاتھ کھول دو....! اور اسے بستی تک لے جاؤ.... وہ ہمارے لئے دوسرا لباس لائے گا۔"

"سنو پیارے! دنیا مجھے بیوقوف کہتی ہے لیکن کیا تم بھی مجھے اتنا ہی احمق سمجھتے ہو۔!"

"کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

"اور یہ ڈان فاگان ہمیں بخش دے گا۔" عمران ہنس کر بولا۔

"ڈان فاگان میرا پابند ہے۔ جو کچھ میں کہوں گا۔ اس کے خلاف نہیں کرے گا۔"

"اچھی بات ہے لیکن اتنا یاد رکھو اگر معاہدے کے خلاف کچھ ہوا تو یہ ٹامی گن اس وقت تک قہقہے لگاتی رہے گی جب تک میگزین کا آخری کارتوس نہ ختم ہو جائے۔"

"بے فکر ہو جاؤ.... ہم جو کچھ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں۔"

ریتا نے ڈان فاگان کے ہاتھ کھولے تھے اور عمران اسے بستی کی طرف لے چلا تھا۔ اور چلتے وقت اس نے ظفر سے کہا تھا۔ "اگر یہ کوئی حماقت کریں تو انہیں بے دریغ چھلنی کر دینا....!"

راستے میں ڈان فاگان نے کہا۔ "یہاں میری کوئی اہم حیثیت نہیں ہے۔ غوری ہمارا باس اور خود مرشد کا غلام ہے۔"

"ہائیں کوئی مرشد بھی ہے۔"

"وہی تو سب کچھ ہے اور اس کے رویے کی بناء پر میں نے یہ کہا تھا کہ یہاں انسانیت کے پر فراڈ ہو رہا ہے۔ تمہاری تینوں لڑکیوں کو اس نے سرکس میں دیکھا تھا اور ہمیں حکم دیا تھا انہیں بستی میں پہنچا دو۔"

"کیا وہ بستی میں ہی رہتا ہے۔"

"نہیں... سردار گڑھ کا عظیم الشان محل اس کا مسکن ہے۔ بستی کی لڑکیاں اعلیٰ تربیت کے سردار گڑھ پہنچائی جاتی ہیں اور وہ مرشد انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح اپنے استعمال میں لاتا ہے۔"

"کیا تم کبھی اس کے محل میں گئے ہو....؟"

"کیوں نہیں.... اتنی خوب صورت تعیش گاہ شاید ہی دنیا کے کسی حصے میں ہو۔ عمارت نام المرشد ہے.... خان اعظم روڈ پر.... لیکن وہ آج کل سردار گڑھ میں نہیں ہے کہیں باہر ہوا ہے۔ لڑکیوں کو بستی میں پہنچانے کا حکم دے کر کہیں چلا گیا تھا۔ ایک بار مجھے اس کی ایک میں شریک ہونے کا موقع ملا تھا۔ بوتلوں پر بوتلیں خالی کرتا چلا جاتا ہے لیکن کیا مجال ہے کہ سا نشہ ہو جائے۔"

"اوہو.... ذرا اس کا حلیہ تو بتاؤ۔" عمران نے چونک کر کہا۔

"حلیہ؟" ڈان فاگان ہنس کر بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔ بس وہ ایک لمبی اور پتلی سی بام مچھلی ہے لیکن طاقت.... خدا کی پناہ.... اگر گھنی ڈاڑھی نہ ہوتی تو وہ چینی معلوم ہوتا۔"

"خدا کی پناہ.... یہ تو تم میرے چچا کا حلیہ بتا رہے ہو۔" عمران چلتے چلتے رک کر بولا۔

"کیا مطلب؟ کیا کہا تم نے۔"

"کچھ نہیں.... کچھ نہیں.... جلدی کرو...."

بستی میں پہنچ کر ڈان فاگان ایک خیمے میں داخل ہوا۔ وہاں سے اس نے کچھ کپڑے لئے تھے اور باہر نکل آیا تھا۔

کچھ دیر وہ خاموشی سے چلتے رہے پھر عمران بولا۔ "اب تم اپنا جغرافیہ بتاؤ۔ تم اس چکر میں کیوں پڑے تھے اور اب کیوں اس سے نکلنا چاہتے ہو....!"

"میں صرف مرشد کے چکر سے نکلنا چاہتا ہوں۔ اسی توقع پر تمہاری مدد کر رہا ہوں کہ تم مجھے اپنے ملک سے نکل جانے میں مدد دو گے۔"

"یہاں سے نکل کر کہاں جاؤ گے؟"

"میرے دوست! یہ سب مت پوچھو.... میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔ تم میری مدد کرو۔!"

"اچھی بات ہے! لیکن کیا تم اس پر روشنی ڈال سکو گے کہ وہ لوگ لباس کیوں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔؟"

"عقاب اس لباس کے لئے خصوصیت سے سدھائے گئے تھے جو کچھ دیر پہلے تمہارے جسم پر تھا۔ اس لباس میں ایک خاص قسم کی بو ہوتی ہے جس پر عقاب آتے ہیں۔"

"لیکن مجھے وہ عقاب ابھی تک نہیں بھولا جو میرے ساتھی پر جھپٹے مار رہا تھا۔"

"یہاں دو طرح کے عقابوں کے جھنڈ ہیں۔ ایک وہ جو ہر آدمی پر جھپٹتے ہیں۔ خواہ وہ کسی لباس میں ہو۔ وہ اس لئے ہیں کہ سرحدی محافظوں کو اس طرف نہ آنے دیں۔ تمہارا ساتھی اس دن کسی سرحدی محافظ ہی کی گولی سے زخمی ہوا تھا جو دراصل عقاب پر چلائی گئی ہوگی۔"

"اور دوسری قسم کے عقاب تمہارے قیدیوں کو فرار نہیں ہونے دیتے.... جنہیں برین واشنگ کے دوران میں بندر ہی بنائے رکھا جاتا ہے۔"

"یہی بات ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈان فاگان بولا۔ "میں غوری کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ وہ تم سے شدید نفرت کرتا ہے کیونکہ تم نے اس کا بندر مار ڈالا تھا۔" "مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ غلط راہنمائی کر کے تم لوگوں کو موت کے منہ میں نہ پہنچا دے۔"

"تم کم از کم یہ تو جانتے ہی ہو گے کہ سرحدی محافظ کس طرف ہیں۔"

"ہاں..... یہ میں جانتا ہوں....."

"بس اگر وہ ہمیں اس طرف لے جانا چاہے تو مجھے آگاہ کر دینا۔"

منزل مقصود پر پہنچ کر ڈان فاگان دوبارہ قیدیوں میں شامل کر دیا گیا۔

غوری آگے چل رہا تھا۔ چڑھائی کے راستوں پر لڑکیوں کی حالت ابتر ہو جاتی۔

رینا عمران کے ساتھ چل رہی تھی۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے اسے صرف اپنی ملکیت سمجھتی ہو۔ اگر کوئی دوسری لڑکی عمران سے گفتگو کرنا چاہتی تو فوراً دخل اندازی کر بیٹھتی.... ایک با عمران سے یہ بھی کہا تھا کہ نیلی اور کٹی اول درجے کی فلرٹ ہیں۔ وہ کبھی کسی ایک کی ہو کر نہیں ر سکتیں۔"

"اگر دونوں مل کر کوشش کریں تو کسی ایک کی ہو کر رہ سکتی ہیں۔" عمران بولا۔

"وہ کس طرح....؟"

"پکڑ لیں کسی ایک کو.... کدھر بھاگ کر جا سکے گا بے چارہ۔!"

"تم کبھی سنجیدہ بھی ہوتے ہو۔" وہ بگڑ گئی تھی۔

"صرف اسی وقت جب میرے ہاتھوں میں ٹامی گن ہو۔"

ایک جگہ غوری رُک کر ان کی طرف مڑا اور عمران سے بولا۔ "میں اپنے اور اپنے ساتھیوا کے تحفظ کے لئے تمہیں راستہ بتا رہا ہوں لیکن اس جگہ میں اپنے ساتھیوں کی آنکھوں پر پ باندھوں گا.... وہ راستہ نہیں دیکھ سکتے.... یہی ہمارا اصول ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں!" عمران نے کہہ کر ڈان فاگان کی طرف دیکھا جس نے آنکھوا ہی آنکھوں میں غوری کے بیان کی تصدیق کر دی۔

◆

ڈینی ولسن دیوانوں کی طرح عمران کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ اس کے سرکس کی تینوں لڑکیاں اسے واپس مل گئی تھیں۔

"میری بات سنو۔" عمران اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔ "اب ان تینوں کو ایک ڈبیہ میں بند کر کے کسی بینک کے سیف ڈپازٹ لاکر میں رکھوا دو.....!"

"کیوں..... کیا مطلب.....؟"

ایک ایسے آدمی کو یہ تینوں پسند آ گئیں ہیں جو ان کی قبروں میں بھی گھس جائے گا۔"

"تت..... تو پھر میں کیا کروں۔"

"مقدمہ میں ختم کرا دوں گا..... تم اپنے سرکس سمیت یہاں سے رفو چکر ہو جاؤ۔!"

"میں بالکل نہیں سمجھا ماسٹر عمران.....!"

"تمہارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔!"

"رینا کی زبان پر تمہارے علاوہ اور کوئی ذکر نہیں۔!"

"نزلہ، ہو گیا ہو گا..... جوشاندہ پلواؤ..... اچھا..... ٹاٹا.....!"

"میں تمہارے لئے کیا کروں.....؟"

"ایک پیکٹ چیونگم منگوا دو.....!"

ڈینی سے پیچھا چھڑا کر وہ اپنے ہوٹل میں واپس آیا۔ ظفر اور جیمسن اس کے منتظر تھے۔ جیمسن کو اسپتال سے رخصت کر دیا گیا تھا۔

"آپ کے لئے کسی کا خط ہے!" ظفر الملک نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر عمران کی طرف ڑھاتے ہوئے کہا۔

"کون لایا تھا.....؟" عمران چونک کر بولا۔

"ایک لڑکی.....!"

عمران نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پر اس کا نام تحریر تھا۔

پھر خط نکالا..... کسی نے لکھا تھا۔

"بھتیجے!

تمہارا یہ حرامی پن ایک آنکھ نہیں بھایا۔ کیا ضروری ہے کہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑا پھڑو.... میرا خیال ہے کہ سچ مچ تمہاری شامت آگئی ہے.... میرے چاروں آدمیوں کو فو طور پر رہائی ملنی چاہئے.... ورنہ پورے سردار گڑھ کو جہنم بنا کر رکھ دوں گا۔.... مجھے علم ہ تم "المرشد" بھی ہو آئے ہو.... میں اب بھی اس عمارت میں مقیم ہوں.... تینوں لڑ میری ہیں.... وہ سردار گڑھ سے باہر نہیں جا سکیں گی.... مناسب ہو گا کہ تم ہی انہیں "الر تک پہنچادو۔ دو دن کی مہلت دیتا ہوں.... اگر پولیس نے "المرشد" کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت کی، تو سردار گڑھ کے سینکڑوں باشندے.... رائفلیں لے کر ٹوٹ پڑیں گے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔! میں یہاں بھی مُرشد کہلاتا ہوں۔

تم سے بے حد بیزار

تمہارا چچا"

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور خط لفافے میں رکھ کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے.... آپ بے حد سنجیدہ نظر آرہے ہیں....!" ظفر بولا۔

عمران نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکالا اور ایک پیس منہ میں ڈال کر اُسے آہستہ آہ رہا.... پھر ظفر سے بولا۔ "کھیل اب شروع ہوگا۔"

"کیا مطلب....؟"

"سنگ ہی....!"

"اوہ.... کک.... کیسے....؟"

"فکر نہ کرو.... اس بار میں نہیں.... یا.... وہ نہیں۔"

"تو.... وہ بستی....!"

"کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں.... وہ چاروں بھی اس سلسلے میں اپنی زبا رکھیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ شہر سچ مچ جہنم کا نمونہ بن جائے۔"

عمران نے بے خیالی میں ایک اور پیس منہ میں ڈال لیا۔

"یور میجسٹی! کچھ متفکر معلوم ہوتے ہیں۔" جیمسن بولا۔ "کیا وہ ایسا ہی ہے کہ آپ

ہی سوچ بچار میں پڑ جائیں۔"

"ارے نہیں....!" عمران لاپروائی سے شانے جھٹک کر بولا۔ "بس ذرا ان لڑکیوں کی رف سے تشویش ہے۔ وہ انہیں سردار گڑھ سے باہر نہیں جانے دے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔؟"

"ایسی ہی بات ہے۔ سنگ ان مجرموں میں سے ہے جو ساری دنیا کو خالہ جی کا گھر سمجھتے یں.... اب یہی دیکھو.... پتا نہیں کب سے سردار گڑھ میں مقیم ہے۔! خاصی شہرت بھی رکھتا ہے.... لیکن پولیس سو رہی ہے۔!"

"کہاں ہے؟" ظفر نے پوچھا۔

"فی الحال خاموشی اختیار کرو.... چھیڑ چھاڑ کا لطف تو کچھ اس کے ساتھ آتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہو تو تینوں لڑکیوں کو میرے پاس پہنچادو۔ دو دن کی مہلت دی ہے۔"

"کمال ہے! آپ کو چیلنج کر رہا ہے۔" جیمسن بولا۔

"پرانی جان پہچان ہے۔ چچا بنا کر چھوڑ دیا ہے.... خیر چھوڑو.... چلو کسی کلب میں.... ریگی مبا انٹروڈیوس کریں۔"

"میں اپنا بازو ہلا نہیں سکتا۔" جیمسن بولا۔

"میں بازو ہلاتا رہوں گا.... فکر نہ کرو....!"

"ریگی ٹمبا....!" ظفر جیمسن کو گھورتا ہوا بولا.... "دوسرا بازو بھی توڑ دوں گا.... اس نام سے الرجک ہو گیا ہوں.... چلو.... چلو سرکس دیکھیں گے....!"

"جی.... ای....!" عمران اسے گھورتا ہوا بولا.... "وہ لڑکیاں اب وہاں نہیں ہیں.... ہیں تشریف رکھئے۔!"

جیمسن نے ظفر کو دیکھ کر دانت نکال دیئے.... اور ظفر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا....!

عمران سیریز نمبر 65

پھر وہی آواز

(دوسرا حصہ)

پیشرس

جب دشمن درپے آزار ہو تو کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑتا۔ قدم قدم پر سازشوں کے جال بچھاتا ہے اور ہم اس لئے ان میں پھنستے چلے جاتے ہیں کہ ہمیں اپنے آپس کے تنازعات ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ ہم ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے نیتوں پر شبہہ کرنا ہماری فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ کسی کی زبان سے کوئی بات نکلی اور سامنے والے نے اس میں تاریک پہلو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب ذہنی انتشار کا یہ عالم ہو تو کوئی بھی ہماری عقلوں کا شکار کر سکتا ہے۔ ہم دشمن کے ایجنٹوں کو بھی اپنا ہمدرد سمجھ بیٹھتے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے دشمن کے ایجنٹ ہماری اس ذہنیت سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں کہ ہمیں اپنے بھائی پر اعتماد نہیں رہا۔ یہی بے اعتباری دشمن کے ایجنٹ کا آلۂ کار بنتی ہے۔ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھا رہے ہیں لیکن عقل بدستور "میڈیکل لیو" پر ہے۔

بہر حال اس کہانی میں یہی سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دشمن بعض اوقات غیر ملکی کرائے کے ٹٹوؤں سے بھی کام نکالنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ ہمارے دوست ملکوں سے ہمارے تعلقات

خراب کرا دینے کے لئے نت نئی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے غیر ملکیوں پر ہمیں کڑی نظر رکھنی چاہئے۔

اس کہانی میں عمران نے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ دیکھئے کہ وہ سنگ ہی سے کس طرح نپٹتا ہے۔

کیا یہ کہانی ویسی ہی نہیں ہے جیسی آپ چاہتے ہیں۔ اس میں آپ کو ایڈونچر، سسپنس اور ایکشن سب ہی ملے گا۔ سنگ بیحد محتاط رہا ہے۔ کھل کر عمران کے مقابلے پر نہیں آیا۔ اس کے گرد جس قسم کا جال پھیلاتا رہا تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ دور ہی سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھتا۔ پھر کیا؟ وہ اپنی تگ و دو میں کامیاب ہو سکا تھا۔ عمران بروقت چونکتا ہے اور سنگ کا سارا کیا دھرا چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔

آئندہ ناول میں بھی عمران ہی سے ملئے۔ لیکن اس کا نیا روپ آپ کو چونکا دے گا۔

فلم "دھماکہ" سے متعلق استفسارات کے جواب میں عرض ہے کہ یہ تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کر رہی ہے اور میں ابھی تک ظفر اور جیمسن کے رولز سے مطمئن ہوں شائد آپ بھی فلم دیکھ کر یہی کہہ اٹھیں کہ بے شک ان دونوں کے علاوہ اور کوئی ان کرداروں پر پورا نہ اُتر سکتا۔

ابن صفی

۲۶ر اکتوبر ۱۹۷۲ء

* * *

المرشد بڑی شاندار عمارت تھی۔ محل و قوع ایسا تھا کہ سردار گڈھ کے ہر حصے سے دکھائی دیتی تھی۔

اُونچے اُونچے درختوں کے درمیان اس کی بالائی منزل کی روشنیاں اندھیری رات میں ایسی لگتی تھیں جیسے آتش بازی چھوٹ رہی ہو۔

ایک سال پہلے یہ عمارت تاریک اور ویران رہا کرتی تھی۔ اس کا نام المرشد بھی نہیں تھا۔

عمارت دوسری عالم گیر جنگ کے دوران میں تعمیر ہوئی تھی اور اس کا نام ہنی مون پیلس رکھا گیا تھا۔ یہ دراصل ایک فوجی ٹھیکیدار کی ملکیت تھی۔ بن کر تیار ہوئی تھی تو ایک ایسے فوجی افسر کو کرائے پر دے دی گئی جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ انگریزی کرنل تھا۔ اُس کی خوش نودی طبع ہی کی خاطر اس کا نام ہنی مون پیلس رکھا گیا تھا۔

پھر یہ عمارت دو ماہ بعد ہی خالی ہو گئی تھی۔ کیونکہ ایک صبح کرنل اور اس کی بیوی مردہ پائے گئے تھے۔ کسی نے انہیں زہر دے دیا تھا۔ اس کے بعد چھ ماہ تک خالی پڑی رہی تھی۔

دوسرے سیزن میں کسی بڑے سرمایہ دار نے اسے کرائے پر لیا۔ لیکن اس کا خاندان وہاں ایک ہفتے سے زیادہ قیام نہ کر سکا تھا۔ کیونکہ وہ اسے آسیب زدہ معلوم ہوئی تھی۔

بہر حال یکے بعد دیگرے کئی کرائے دار آئے تھے اور آسیب زدگی ہی کی بناء پر وہاں مقیم نہیں رہ سکے تھے۔

پھر اچانک ایک سال پہلے کسی "مرشد" کے پیرؤں نے اُسے خریدا اور ہنی مون پیلس کی بجائے اس کا نام "المرشد" رکھ دیا۔

پھر تو اس مرشد کی دھوم مچ گئی تھی۔ اس نے نہ صرف اس عمارت کو آسیب سے نجا
دلائی تھی بلکہ آسیب زدہ ذہنوں کی بھی صفائی کرنے لگا تھا۔ جو اس عمارت میں قدم رکھتا مرشد
ہی ہو رہتا۔ ان میں عورت مرد سب ہی شامل تھے۔ سردار گڈھ کے سربر آوردہ لوگ بھی ر
رفتہ مرشد کے معتقدین میں شامل ہوتے چلے گئے تھے۔ ان میں مقامی انتظامیہ کے بعض اعل
عہدے دار بھی تھے۔

مُرشد کی خصوصیت یہ تھی کہ کبھی کوئی نذرانہ قبول نہیں کرتا تھا۔ اس کے برعکس نادارو
پر اپنی جیب سے خرچ کرتا۔ "المرشد" کا ایک دروازہ "باب المراد" کہلاتا تھا۔ جس پر حاج
مندوں کی بھیڑ رہتی تھی۔

"المرشد" کے باہر سردار گڈھ کے لوگ مرشد کے بارے میں کچھ اس قسم کی بات
کرتے۔ "بہت پہنچا ہوا ہے۔!"

"دنیا کے سارے مذاہب کے بارے میں جانتا ہے اور ان پر سیر حاصل بحث کر سکتا ہے۔!"

"دنیا کی درجنوں زبانیں اہلِ زبان کی طرح بول سکتا ہے۔!"

"غیب کی باتیں بتاتا ہے۔!"

"بوتلوں پر بوتلیں خالی کرتا چلا جاتا ہے لیکن نشہ نہیں ہوتا۔!"

"ارے میاں تم کیا جانو کیا پیتا ہے یہ اہلِ اللہ ہیں.... بظاہر ایسی حرکتیں اس لئے کرتے ہ
کہ دنیا والے انہیں بُرا سمجھ کر ان سے دور رہیں تاکہ ان کے وظائف میں خلل نہ پڑ سکے۔!"

"عورتوں سے چھیڑ خانی بھی تو کرتا ہے۔!"

"سب میں ایک ہی جلوہ دیکھنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اچھا بتاؤ.... کبھی کسی عورت
اس کی چھیڑ خانی کا بُرا بھی مانا۔!"

"ہاں.... یہ بات تو ہے.... وہ تو اس کے گرد پروانوں کی طرح پھرتی ہیں۔!"

"ذرا آپ خود کسی عورت سے چھیڑ خانی کر کے دیکھئے۔!"

"مجھے تو اس پر حیرت ہوتی ہے۔ اتنا دبلا پتلا اور اتنا طاقت ور....!"

"وہ کیسے بھائی....؟"

"بھولا پہلوان سردار گڈھ کی ناک ہے۔ ذرا اس سے پوچھو کہ مرشد سے صافحہ کے بعد

دنوں تک اپنے ہاتھ کی مالش کراتا رہا تھا۔

"جو حاجت لے کر جاؤ پوری ہوتی ہے۔!"

"خوب یاد آیا.... پچھلے دنوں ایک قاتل کے لئے پولیس نے سردار گڈھ کی ناکہ بندی کی کہ وہ یہاں سے نکل کر نہ جانے پائے وہ چھپتا چھپاتا مرشد کے پاس جا پہنچا اس کے بعد پتا ہی نہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا۔ پولیس جانتی ہے کہ مرشد کے پاس گیا لیکن کسی میں اتنی ہمت ہے کہ وہ مرشد سے کچھ پوچھ سکے۔!"

"تو اس کا مطلب یہ کہ وہ مجرموں کی پشت پناہی کر کے قانون شکنی کا مرتکب رہا ہے۔!"

"چشمِ ظاہر بین کے بس کا روگ نہیں کہ حقیقت تک پہنچ سکے تم دیکھ لینا کہ وہ ایک دن ولی اللہ بن کر المرشد سے برآمد ہوگا۔!"

اسی قسم کی بہتیری باتیں مرشد سے منسوب کی جاتی تھیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے حلقے میں بیٹھ کر علانیہ شراب نوشی کرتا تھا۔ لیکن کسی کی کان پر جوں نہیں رینگتی تھی کسی کا دل اس کی عقیدت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

نسرین بھی اس کے عقیدت مندوں میں سے تھی۔ سردار گڈھ کے اس بینک سے اس کا تعلق تھا جہاں غیر ملکی کرنسی کا کاروبار ہوتا تھا۔ ٹورسٹ وہیں اپنے ڈالر اور پونڈ بدلواتے۔ ایک دن ہوا یہ کہ نسرین کی تحویل سے پانچ سو ڈالر کے نوٹ غائب ہوگئے۔ بے حد پریشانی کی بات تھی۔ پانچ سو ڈالر کہاں سے حاصل کئے جاسکتے تھے۔ کمی پوری کئے بغیر اس پر غبن کا مقدمہ قائم ہو سکتا تھا۔ ملازمت الگ جاتی۔ اس پر ایک بوڑھی ماں اور دو چھوٹے بھائیوں کا بار تھا۔ باپ کے سائے سے بچپن ہی میں محروم ہوگئی تھی۔ ماں نے کسی نہ کسی طرح اُسے تعلیم دلوائی تھی۔ پھر کسی بارسوخ رشتے دار کی کوششوں سے اُسے بینک کی ملازمت مل گئی تھی اور یہ چھوٹا سا کنبہ کسی قدر خوش حالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا تھا۔ لیکن اس تازہ افتاد نے نسرین کے حواس گم کردیئے۔ وصول کی ہوئی رقومات وہ صرف چوبیس گھنٹے تک اپنی تحویل میں رکھ سکتی تھی۔ اس کے بعد انہیں ہیڈ آفس بھجوانا ہوتا تھا۔ وہ بُری طرح نروس ہوگئی تھی۔ اچانک اسے "المرشد" کے "باب المراد" کا خیال آیا۔

اور پھر وہ وہیں جا پہنچی تھی۔

مرشد کا ایک مرید ناداروں میں کھانے پینے کی چیزیں اور رقومات تقسیم کر رہا تھا۔ وہ انہیں حاجت مندوں کی لائین میں کھڑی ہو گئی۔

مرید نے اُسے حیرت سے دیکھا تھا کیونکہ وہ ناداروں میں سے نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"فرمائیے....!" اس نے بڑے ادب سے پوچھا تھا۔

"میں اپنی حاجت مرشد ہی کو بتا سکتی ہوں۔!"

"بہتر ہے.... آپ اُس دروازے سے اندر تشریف لے جائیے۔!"

"لیکن میں سب کے سامنے کس طرح کہوں گی۔!"

"میں سمجھتا ہوں۔ اسی لئے اس دروازے سے بھیج رہا ہوں۔ جب آپ کمرے میں پہنچیں گی تو مرشد کو خود بخود اطلاع ہو جائے گی کہ کوئی تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔!"

وہ اُس کمرے میں پہنچی ہی تھی کہ ایک دبلا پتلا اور لمبا آدمی بائیں طرف کے دروازے سے داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر سنہرے رنگ کی گھنی ڈاڑھی تھی اور چھوٹی چھوٹی آنکھیں برقی قمقموں کی طرح روشن تھیں۔

بے حد نرم آواز میں اُس نے نسرین کو مخاطب کیا۔ "کیا چاہتی ہو....؟"

وہ بد حواسی کے عالم میں اپنی بپتا دہرانے لگی۔

"اپنا بیگ.... باہر لان پر پھینک آؤ۔ غیب سے مدد ہو گی۔!"

وہ باہر گئی تھی اور بیگ لان پر پھینک آئی تھی۔

مرشد آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔ واپس آ کر وہ بھی چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد مرشد نے آنکھیں کھولیں تھیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

"بیگ اٹھا کر سیدھی گھر جانا اور وہیں کھول کر دیکھنا.... جاؤ....!"

وہ جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ مرشد ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ٹھہرو.... تم نے پولیس کو کیوں نہیں مطلع کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ نوٹ تمہارے بینک ہی کے کسی آدمی نے اڑائے ہوں گے۔!"

"سب سے پہلے منیجر کو مطلع کرنا پڑتا۔!" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"تو پھر کیوں نہیں کیا تھا....؟"

"وہ یہی تو چاہتا ہے کہ میں گڑگڑاتی ہوئی اس کے قدموں پر سر رکھ دوں۔!"

"ہوں.... اچھا.... میں سمجھ گیا.... تم بہت شریف اور نیک لڑکی ہو....! نوٹ خود اُسی نے غائب کرائے ہوں گے.... اچھا جاؤ.... اسے بھی سزا ملے گی۔!"

وہ بد حواسی کے عالم میں باہر نکلی تھی۔ لان پر سے اپنا بیگ اٹھایا تھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔

مرشد کی ہدایت کے مطابق گھر پہنچ کر ہی بیگ کھولا تھا۔ مطلوبہ فارن کرنسی بیگ میں موجود تھی۔ پھر وہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی جیسے کسی قریبی عزیز کی موت واقع ہو گئی ہو۔

دوسری صبح جب بینک پہنچی تو ایک حیرت انگیز خبر پہلے ہی سے اُس کی منتظر تھی۔ منیجر کے ایک نجی ملازم نے ایک پیکٹ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "منیجر صاحب نے دیا ہے۔ کل رات کو ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اسپتال میں داخل ہیں۔ بہت چوٹیں آئی ہیں۔!"

کاؤنٹر پر پہنچ کر اس نے پیکٹ کھولا تھا اور متحیر رہ گئی تھی۔ اس میں پانچ سو ڈالر کے وہ نوٹ موجود تھے جو پچھلے دن دراز سے غائب ہو گئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک پرزہ بھی تھا جس پر منیجر نے لکھا تھا۔ "کل تم یہ نوٹ کاؤنٹر پر بھول گئی تھیں۔ بھجوا رہا ہوں۔ میرے لئے دعا کرو.... بہت زخمی ہو گیا ہوں....!"

اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو تیرنے لگے اور دل مرشد کی عقیدت سے لبریز ہو گیا۔

اسی شام کو وہ پھر المرشد جا پہنچی تھی۔ مرشد کے عطا کئے ہوئے نوٹ اس کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے نئی روداد دہرائی تھی۔

"تو پھر.... اب میں ان کا کیا کروں.... جو تمہیں مل گیا وہ تمہارا ہے۔!" مرشد نے کہا۔

"کسی دوسرے مستحق کے کام آئیں گے۔ میرا کام نکل گیا۔ میں صرف اپنی محنت کا کھانا چاہتی ہوں۔ ویسے مجھے اجازت دیجئے کہ کبھی کبھی زیارت کے لئے حاضری دیا کروں۔!"

"المرشد کے دروازے ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔!"

پھر وہ کبھی کبھی المرشد جاتی رہی تھی۔ وہاں سردار گڈھ کے تعلیم یافتہ اور دولت مند گھرانوں کی اور بھی خواتین موجود ہوتی تھیں۔

اس کے حلقے میں عورت اوز مرد سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے۔ کوئی کسی سے اجتناب نہیں

کرتا تھا۔ خود بیٹھا شراب پیتا رہتا تھا۔ لیکن اور کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہاں اس حلقے میں شراب پی سکتا۔

مرشد پیتا رہتا اور اس کی نہ رکنے والی زبان خوب صورت الفاظ کی بارش کرتی رہتی مرحبا اور سبحان اللہ کا غلغلہ سامعین کی طرف سے بلند ہوتا۔ اس وقت بھی وہ بڑی دھواں دھار تقریر کر رہا تھا۔

بڑا سا تخت تھا جس پر بیش قیمت قالین بچھا ہوا تھا اور گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے وہ اس طرح بیٹھا تھا جیسے نیچے فرش پر بیٹھنے والے معتقدین اس کے پشتینی غلام ہوں۔ ان میں نسرین بھی تھی اور شروع ہی سے محسوس کرتی رہی تھی کہ مرشد صرف اسے ہی دیکھتا رہا ہے۔ کچھ دیر بعد یہ سوچ کر اُسے وحشت ہونے لگی کہ دوسرے بھی اسے محسوس کر رہے ہوں گے۔

دفعتاً مرشد مسکرایا اور اس کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "لڑکی بُری بات یہاں کون ہے جو میرے بارے میں کوئی بُری بات سوچ سکے۔!"

نسرین بوکھلا گئی۔ کچھ کہنا چاہا لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔ مرشد اتنا کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ لیکن مجمع نسرین کو گھورنے لگا۔

"اپنی نظریں نیچی کرلو....!" اچانک مرشد تیز لہجے میں بولا۔ "یہاں سب برابر ہیں۔!" معتقدین نے اپنے سر جھکا لئے۔ مرشد پھر بولا۔ "یہاں کوئی کسی کو شرمندہ نہیں کر سکتا۔!"

نسرین کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ لوگ اس کے بارے میں نہ جانے کیا سوچ رہے ہوں۔ ٹھیک اسی وقت قریب بیٹھی ہوئی عورت نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

"اٹھ چلو....!" اس نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا اور ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

سبھوں کے سر جھکے ہوئے تھے اور اب ایک متنفس بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

وہ عورت اُسے بائیں جانب کے ایک دروازے سے دوسرے کمرے میں لائی اور اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ "گھبراؤ نہیں۔! مرشد تمہیں کچھ تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ہر ایک کو خصوصیت سے مخاطب نہیں کرتے۔ جسے یہ شرف حاصل ہو جائے اُسے اپنی قسمت پر ناز کرنا چاہیئے۔!"

"مم.... میں نہیں.... سمجھی....!" نسرین ہکلائی۔

"بیٹھ جاؤ....!" وہ اسے مسہری کے قریب پڑی ہوئی آرام کرسی پر بٹھاتی ہوئی بولی۔ "سب

کچھ سمجھ جاؤ گی۔ ٹھہرو.... میں تمہیں کچھ پینے کو دیتی ہوں۔ اس سے اعصابی تناؤ کم ہو جائے گا۔!"

وہ اُسے وہیں چھوڑ کر کسی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس عورت کے انداز سے ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسی عمارت میں رہتی ہو۔

نسرین مرشد کے بارے میں سوچتی رہی لیکن ڈر کے مارے کوئی بُری بات نہ سوچ سکی۔ وہ تو خیالات پڑھ لیتا ہے۔ آج کا تجربہ حیرت انگیز تھا۔ وہ روشن ضمیروں کی کہانیاں سنتی آئی تھی۔ لیکن انہیں حقیقت سمجھ لینے پر کبھی تیار نہیں ہوئی تھی۔

"اب کیا حال ہے....؟" عورت کی آواز سن کر چونک پڑی۔ وہ کسی مشروب کا گلاس لئے ہوئے واپس آ گئی تھی۔

"ٹھیک ہوں....!" نسرین نے دبی دبی سی آواز میں کہا۔

"یہ لو....! ذرا سی دیر میں معمول پر آ جاؤ گی۔!"

اس نے گلاس اس سے لے لیا۔ دور ہی سے مشروب کی مسحور کن خوشبو آئی تھی۔ لذیذ بھی ثابت ہوا۔ ہر گھونٹ سکون بخش رہا تھا۔ ذہن پر چھائی ہوئی وحشت حیرت انگیز طور پر زائل ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن پھر ذرا ہی سی دیر میں محسوس ہونے لگا جیسے اُس میں ہاتھ پیر ہلانے کی بھی سکت نہ رہ گئی ہو۔ سکون ہی سکون۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ دیکھ رہی تھی.... سُن رہی تھی.... لیکن جب اس عورت نے کہا۔ "اٹھو.... چل کر وہیں بیٹھیں....!" تو وہ انتہائی کوشش کے باوجود بھی نہ اٹھ سکی۔

"اچھا۔ اچھا.. میں سمجھی.. ابھی تھکن دور نہیں ہوئی۔!" عورت نے اس کا شانہ تھپک کر کہا۔

اُس نے جواب میں اپنی کیفیت بتانی چاہی تھی۔ لیکن جو کچھ کہنا چاہتی تھی ذہن ہی میں چکرا کر رہ گیا زبان جنبش نہ کر سکی۔!

"میں ابھی آئی....!" کہتی ہوئی وہ عورت کمرے سے چلی گئی۔!

سکون....! سکون ہی سکون.... نہ کوئی فکر.... نہ کوئی اندیشہ.... ایک لذت انگیز سنسنی رگ و پے میں جاری و ساری تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اُس کا سارا وجود پگھل کر آرام کرسی کے گدیلوں میں جذب ہو جائے گا۔

◆

عمران نے ڈینی ولسن کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”تم پھر سے جوان ہو رہے ہو.... اور یہ اچھی بات نہیں۔!“

”بھلا تم نے کس بات سے اندازہ لگایا ماسٹر....؟“

”تمہارے سرکس کا کوئی مسخرہ کل کہہ رہا تھا۔!“

”کس بناء پر کہہ رہا ہے....؟“

”مونتی کارا کون ہے....؟“

ڈینی چونک کر عمران کو گھورنے لگا۔ پھر اُس کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے۔ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”ماسٹر.... میری عادت نہیں ہے کہ انتہائی قریبی دوستوں کے نجی معاملات میں بھی دخل اندازی کروں اور اپنے لئے بھی یہی پسند کرتا ہوں۔!“

”ہوں....!“ عمران نے اسے بغور دیکھتے ہوئے طویل سانس لی اور چند لمحے خاموش رہ کر سوال کیا۔ ”تینوں لڑکیاں کہاں ہیں....؟“

”وہ بحفاظت سردار گڈھ سے نکل گئی ہوں گی۔!“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا....!“

”مونتی کارا کو میں پچیس برس سے جانتا ہوں۔ میک اپ کی ماہر ہے۔ لڑکیوں کی شکلیں تبدیل کر کے یہاں سے نکال لے گئی۔!“

”تم نے میرے مشورے کے بغیر یہ قدم کیوں اٹھایا....؟“

”لڑکیوں کو داؤں پر نہیں لگانا چاہتا تھا۔!“

”وہ لگ گئیں بوڑھے بیٹے....!“

”کک.... کیا مطلب....؟“

”آؤ....! میرے ساتھ اپنی آؤٹ آف ڈیٹ محبوبہ مونتی کارا کا حشر بھی دیکھ لو۔!“

”کک.... کیا ہوا.... مجھے بتاؤ تو....!“

”بس دیکھ لینا اپنے نجی معاملے کو....!“

خیمے سے باہر نکل کر دونوں جیپ میں بیٹھے.... عمران ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔

”کچھ تو بتاؤ ماسٹر.... میں بہت پریشان ہوں....!“

”مونتی کارا کی شکل دیکھ کر تمہاری پچیس سالہ محبت دم توڑ دے گی۔ کیا وہ فرانسیسی ہے؟“

”اینگلو فرنچ.... اُس کا باپ انگریز تھا.... ماں فرانسیسی....!“

”اور عاشق.... الف سے اُلو....!“

”کچھ بتاؤ بھی تو....!“ ڈینی اپنے سر پر دو ہتھڑ مارتا ہوا چیخا۔

”اُس کے چہرے پر بڑے بڑے سیاہ دھبے پڑ گئے ہیں اور وہ کسی کو اپنا منہ دکھانے پر تیار نہیں۔ ایک جگہ پولیس کو بیہوش پڑی ملی تھی۔!“

”کک.... کہاں.... کس جگہ....؟“

”اسی سڑک پر جس سے گذر کر وہ سردار گڈھ سے باہر جا رہی تھیں۔ گاڑی میں وہ تنہا ملی تھی۔ اُس کا بیان ہے کہ ایک جگہ سڑک پر رکاوٹ دیکھ کر اُس نے گاڑی روکی تھی۔ پھر اسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔!“

”ب.... بہت بُرا ہوا....!“

”اور میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں نیچے دھکیل کر پہیہ چڑھا دوں۔!“

”یہی کرو ماسٹر.... میں شکر گذار ہوں گا۔ وہ خود ہی سر ہوئی تھی۔ میں تو نہیں چاہتا تھا کہنے لگی میں بحفاظت نکال لے جاؤں گی۔!“

”تو تم نے اُسے بھی سارے حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔“

”بس یہی غلطی ہوئی۔!“

”تم پہلے نہیں ہو....! سارے عاشق اس سلسلے میں یتیم العقل ہوتے ہیں۔ اپنا سارا کچا چٹھا محبوباؤں کے گوش گذار کر دینا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔!“

ڈینی کچھ نہ بولا۔ پولیس اسٹیشن پر پہنچ کر عمران نے گاڑی روکی اور ڈینی سے اُترنے کو کہا۔

”آخر مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔ اب کیا رکھا ہے....!“ ڈینی بڑبڑاتا ہوا گاڑی سے اترا عمران اسے اس کمرے میں لایا جہاں وہ ادھیڑ فرانسیسی عورت دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے بیٹھی تھی۔

”دیکھا.... تم نے۔؟“ ڈینی دانت پیس کر بولا۔ ”میں منع کر رہا تھا۔!“

”یہاں سے چلے جاؤ.... میں کسی سے بھی نہیں ملنا چاہتی....!“ وہ چہرے سے ہاتھ ہٹائے بغیر بولی۔

”ہاں مجھے تو جہنم رسید کر ہی چکیں....!“ ڈینی غرایا۔

”میں کہتی ہوں چلے جاؤ....!“ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ چہرے سے ہاتھ بھی ہٹا لئے۔ اس کے گالوں پر بڑے بڑے سیاہ دھبے تھے۔

”یہ.... یہ.... کک.... کیسے.... ہوا....؟“

”میں کچھ نہیں جانتی.... یہاں سے چلے جاؤ....!“

”اور کیا....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ایسی شکل دیکھنے سے کیا فائدہ... جاؤ... دفع ہو جاؤ۔!“

اُس نے ڈینی کو دھکیل کر کمرے سے باہر کر دیا اور دروازہ بند کر کے مونتی کارا کی طرف مڑا۔

”اُسے کب سے جانتی ہو جس کے لئے تم نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”مطلب تم اچھی طرح جانتی ہو....!“

”میں کچھ نہیں جانتی...! میرا چہرہ دیکھو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔!“

”مجھے تمہارے چہرے سے کوئی دل چسپی نہیں....! میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اُن لوگوں کو کب سے جانتی ہو۔!“

”میں یہاں ڈینی کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتی جو کچھ بھی کیا تھا اسی کی ہمدردی میں کیا تھا۔!“

”چلو ٹھیک ہے....! لیکن وہ تمہارا چہرہ کیوں بگاڑ گئے....؟“

”تمہیں بتاؤ....! اگر میں اس سازش میں ملوث ہوتی تو میرا اپنا حشر یہ کیوں ہوتا۔!“

”شبہے سے بالاتر ہونے کے لئے یہ ضروری تھا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”کتنی رقم وصول ہوئی تھی اس کے عوض....؟“

”یہ الزام ہے....!“

”اچھی بات ہے....! اب تم اس کمرے سے حوالات میں منتقل کر دی جاؤ گی اور ضمانت پر بھی رہائی نصیب نہ ہو سکے گی۔!“

”یہ زیادتی ہے.... سراسر ظلم ہے.... بلاؤ ڈینی کو....!“

”اب اس سے تمہاری ملاقات حشر ہی کے دن ہو گی۔!“ عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

باہر نکل کر اس نے ڈینی سے کہا تھا۔ ”ہو سکتا ہے وہ اب بھی تمہاری محبوبہ ہو لیکن وہ تمہیں سچ مچ بوڑھا سمجھنے لگی ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”وہ اس سازش میں شریک ہے۔!“

”یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا....!“

”حقہ پلا کر ماروں گا اگر یقین نہ کرو گے....!“

”مم.... میری طبیعت ٹھیک نہیں.... میں واپس جانا چاہتا ہوں....!“

”بہر حال اب تمہارا اپنا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ تمہارے سلسلے میں مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”تینوں لڑکیاں واپس مل گئی تھیں۔!“

”میں سمجھتا ہوں....!“ ڈینی ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور واپسی کے لئے مڑا ہی تھا کہ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ٹھہرو... وہ تینوں لڑکیاں اس مقدمے میں گواہ کی حیثیت رکھتی تھیں جو تمہاری حماقت کی بنا پر غائب ہو گئیں۔ لہٰذا ان کی بازیابی تک اس بار تمہاری ضمانت بھی منظور نہ ہو گی۔!“

”یعنی.... کہ میں پھر....!“ ڈینی ہکلایا۔

”فی الحال.... میری سفارش پر تم اپنی محبوبہ ہی کے ساتھ بند کئے جاؤ گے۔!“ ڈینی خاموش کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔

”اُس سے اعتراف کراؤ کہ وہ مجرموں کی آلہ کار ہے۔!“ عمران اس سے قریب ہو کر آہستہ سے بولا۔

”میں دیکھوں گا....!“ ڈینی اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

عمران اسے وہیں چھوڑ کر باہر نکلا تھا اور جیپ میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کرنے ہی والا تھا کہ ایک گاڑی سامنے آ رکی جسے جیمسن ڈرائیو کر رہا تھا۔ عمران کو رکنے کا اشارہ کرنے کے لئے اس نے

ہاتھ اٹھایا اور گاڑی سے کود کر دوڑتا ہوا قریب پہنچا۔

"ہز ہائی نس.... اپنے کمرے سے غائب ہوگئے اور یہ دیکھئے....!" اس نے عمران کی طرف ایک پرچہ بڑھا دیا تھا۔

"پھر غائب....!" عمران نے پرچے پر ہاتھ مارتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔

پرچے میں تحریر تھا۔

"تمہارا یہ ساتھی تو بے حد زندہ دل ثابت ہوا۔ ایک چنچل سی لڑکی اُسے میرے پاس لے آئی ہے۔ اگر میرے ساتھی رہا نہ کیئے گئے تو تمہارے ساتھی کی لاش سردار گڈھ ہی میں کہیں نہ کہیں ضرور پڑی ملے گی۔!"

عمران نے پرچہ پتلون کی جیب میں ٹھونستے ہوئے کہا۔ "اب تم بھی کوئی چنچل سی لڑکی تلاش کرو جو اُسے واپس لائے۔!"

"میں المرشد جا رہا ہوں....!" جیمسن نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اسے لڑکی لے گئی ہے اور تم ازراہ سعادت مندی خود ہی چلے جاؤ گے۔!" عمران مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"پھر کیا کروں گا.... آپ تو پتا نہیں کیا کر رہے ہیں۔ جب معلوم ہے کہ وہ المرشد میں مقیم ہے تو پھر کیا دشواری ہے۔!"

"میں خلوص دل سے مشورہ دے رہا ہوں چلے جاؤ المرشد.... باب المراد والی لائن میں لگ جانا۔ جب تم سے تمہاری حاجت پوچھی جائے تو کہہ دینا کہ باس کی واپسی چاہتا ہوں۔!"

"کیا آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں....؟"

"بالکل....!"

"اچھی بات ہے.... میں یہ بھی کر گزروں گا۔!"

عمران نے ہاتھ ہلا کر اُسے گاڑی سے الگ ہٹایا۔ پھر گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ جیمسن وہیں کھڑا رہ گیا وہ بُرا سا منہ بنائے دور ہوتی ہوئی گاڑی کو گھورے جا رہا تھا۔

* * *

المرشد کے باب المراد پر حاجت مندوں کا کیو لگا ہوا تھا۔ جیمسن اونٹ کی طرح منہ اٹھائے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا اور لائن میں لگ گیا۔

جب اس کی باری آئی تو اس نے مرید سے نظر ملائے بغیر کہنا شروع کیا۔

"طلسم ہوشربا کی ساتوں جلدیں۔ ایرج نامہ، لعل نامہ، ضدی نامہ، کوچک باختر، بالا باختر طلسم ہفت پیکر....!"

"میں نہیں سمجھا۔" مرید نے متحیرانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں اور جیمسن کو نیچے سے اوپر تک دیکھ کر رہ گیا۔

"یہی میری حاجت ہے۔ آپ نہیں سمجھ سکے تو مجھے مرشد کے پاس لے چلئے۔!"

"اس دروازے سے اندر تشریف لے جائیے۔!" مرید ایک طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ جیمسن نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اس کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک عجیب الخلقت آدمی جیمسن کے سامنے کھڑا تھا اور جیمسن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اس موقع پر بے ساختہ ہنس پڑنا چاہئے یا سنجیدگی برقرار رکھنے کے لئے اداکاری کو دخل دینا چاہئے۔

"کیا چاہتے ہو....؟" مرشد نے بے حد نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔

"میں ہز ہائی نس نواب زادہ ظفر الملک کا سیکریٹری ہوں اور ان کی واپسی چاہتا ہوں۔!"

"خوب.... کیا خود ہی آئے ہو....؟"

"جی نہیں.... گرو گھنٹال نے بھیجا ہے۔!"

"سچے آدمی معلوم ہوتے ہو.... اس نے آخر کیا سمجھ کر تمہیں بھیجا ہے۔"

"میں آپ کا پرچہ لے کر ان کے پاس گیا.... کہنے لگے.... جاؤ.... باب المراد والی لائن میں لگ جانا حاجت پوری ہو جائے گی۔!"

"اچھی بات ہے.... آؤ میرے ساتھ۔!"

جیمسن اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر مرشد اس کی طرف مڑا اور بائیں طرف اشارہ کر کے بولا۔ "نواب زادے صاحب اس کمرے میں تشریف رکھتے ہیں اگر وہ تشریف لے جانا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔!"

"میں نہیں سمجھا.... جناب عالی....!" جیمسن نے بڑے ادب سے کہا۔

"کمرے میں جاؤ.... اور اُسے لے جاؤ....!"

جیمسن نے آگے بڑھ کر بند دروازے کو دھکا دیا۔

دروازہ کھلتے ہی رقص کی موسیقی اس کے کان سہلاتی ہوئی کاریڈور میں بھی گونجنے لگی۔ سامنے ہی ظفرالملک ایک سیماب آسا لڑکی کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔

جیمسن کمرے میں داخل ہو کر خاموش کھڑا رہا۔ ظفرالملک کی پشت اس کی طرف تھی۔ ریڈیو گرام موسیقی بکھیر رہا تھا۔ لڑکی جیمسن کو دیکھتے ہی ہنس پڑی اور چیخ کر ظفر سے بولی۔ "ریچھ" ظفر ناچتے ناچتے جیمسن کی طرف مڑا اور یک لخت رک گیا۔

"یہ کون ہے اور یہاں کیوں آیا....؟" اُس نے لڑکی کو مخاطب کر کے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ریچھ ہے.... ڈارلنگ....!" جواب ملا۔

"باہر نکل جاؤ.... بغیر اجازت کمرے میں کیوں داخل ہوئے۔" ظفر مکا تان کر جیمسن کی طرف جھپٹا۔

"ارے.... ارے.... یور ہائی نس....!" جیمسن بوکھلا کر پیچھے ہٹا تھا۔

"نکل جاؤ....!" ظفر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"مم.... میں جیمسن ہوں....!"

"میں کسی جیمسن کو نہیں جانتا.... نکل جاؤ....!"

"اچھی بات ہے.... آپ مجھے بہت جلد جان جائیں گے....!" جیمسن دانت پیس کر بولا اور کمرے سے نکل آیا۔ دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔

"ارے.... تم تو اُس کے بغیر ہی واپس جا رہے ہو۔!" پشت سے آواز آئی اور جیمسن بھنا پلٹ پڑا۔

مرشد کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"جی ہاں.... انہیں ایک لڑکی نچا رہی ہے۔!" جیمسن اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

"جو یہاں آجاتا ہے واپس نہیں جانا چاہتا۔!"

"میں تو واپس جا رہا ہوں....!"

"تم اس لئے واپس جا رہے ہو کہ حاجت مند بن کر آئے تھے۔!"

"لیکن حاجت تو پوری نہیں ہوئی۔!"

"میں اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ جو چاہو مل سکتا ہے۔!"

"اچھا.... مجھے وہ لڑکی دے دیجئے.... جو ہز ہائی نس کے ساتھ ناچ رہی تھی۔!"

"کیا تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو....؟" مرشد اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"میں بالکل سنجیدہ ہوں یور ہائی نس....!"

"اچھی بات ہے.... لیکن اگر کبھی تم یہ درخواست لے کر آئے کہ اسے واپس لے لیا جائے تو پھر زندہ نہیں رہ سکو گے۔!"

"بہت بہتر....!"

مرشد نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھلا تھا۔

ظفر مرشد کو دیکھتے ہی احتراماً جھکا تھا لڑکی اس کے پیچھے کھڑی تھی۔ مرشد نے اُسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ظفر کو ایک طرف ہٹا کر کمرے سے نکل آئی۔

"تم اس کے ساتھ جاؤ....!" مرشد نے جیمسن کی طرف ہاتھ اٹھا کر لڑکی سے کہا۔

ظفر نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ وہ بولا۔ "تمہیں اس سے بھی زیادہ دلکش عطا کر دی جائے گی۔!"

ظفر نے بچکانہ انداز میں دانت نکال کر اظہارِ مسرت کیا تھا۔ جیمسن نے اُسے مایوسی سے دیکھا اور مرشد کا شکریہ ادا کئے بغیر واپسی کے لئے مڑ گیا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔

باہر نکل کر کمپاؤنڈ کے پھاٹک کی طرف بڑھتا رہا۔ اس دوران میں ایک بار بھی مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔ گاڑی کمپاؤنڈ کے باہر کھڑی کی تھی۔

وہ گاڑی میں بیٹھ ہی رہا تھا کہ لڑکی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نہایت اطمینان سے سیٹ پر فروکش ہوتی ہوئی بولی۔ "تم سچ مچ کسی سرکس کے ریچھ ہی کی طرح کٹہرے سے نکل بھاگے ہو۔!"

"گاڑی سے اُتر جاؤ....!" جیمسن غرایا۔

"کیوں موت آئی ہے۔ اب مجھے یہیں چھوڑ کر گئے تو آدھا راستہ بھی طے نہ کر سکو گے۔!"

"کیوں....؟"

”مرشد کا حکم... جب تک کہ وہ خود مجھے واپس نہ بلائیں مجھے تمہارے ہی ساتھ رہنا ہوگا۔!“

”اچھی بات ہے۔!“ جیمسن نتھنے پھلا کر غصیلے لہجے میں بولا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

”تم کہاں رہتے ہو....؟“ لڑکی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”جہنم میں....!“

”میں اسے تمہارے لئے جنت بنا دوں گی۔!“

”خاموش بیٹھی رہو....!“

”آخر خفا کیوں ہو....؟“

”تم نے مجھے ریچھ کہا تھا۔!“

”پرانی بات ہوئی۔ اب تو میں تمہیں شالا مار باغ کہوں گی۔ اتنی خوبصورت اور تناور ڈاڑھی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔!“

”میرا مذاق اڑا رہی ہو....!“

”تم میں خوش طبعی بھی پیدا کر دوں گی۔!“

”تمہارا مرشد میری سمجھ میں نہیں آیا۔!“

”میری بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن اس کے احکامات کی تعمیل ہی میں عافیت ہے۔!“

”مجھے تو وہ کوئی بہت بڑا مجرم معلوم ہوتا ہے۔!“

”بکواس بند کرو....!“ لڑکی یک بیک بپھر گئی۔ ”مرشد کے خلاف کوئی نامناسب لفظ زبان سے نکلا تو میں ہی تمہیں قتل کر دوں گی۔!“

جیمسن نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر رہ گیا۔ اُس سے زبردست حماقت سرزد ہوئی تھی۔ محض اندازے کی غلطی نے اُسے اس حال کو پہنچایا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ ظفرالملک بھی لڑکی کے پیچھے دوڑا چلا آئے گا۔

اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتا ہوا وہ تھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ ”سوال تو یہ ہے کہ تمہیں کہاں لے جاؤں....؟“

”تمہاری شکل بھی ہے مجھے کہیں لے جانے کی۔ میں ہی لے جاؤں گی۔!“ لڑکی بُرا سامنہ بنا کر بولی۔

”کہاں لے جاؤ گی۔!“

”بس دیکھ لینا۔!“

”تو پھر کدھر چلوں....؟“

”شہر ہی کی طرف چلتے رہو....!“

جیمسن پھر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو چلا تھا۔ بدقت خود پر قابو پا سکا۔

کچھ دیر بعد لڑکی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پیار سے بولی۔ ”تم اتنے کٹھور ہو کہ تم نے ابھی تک میرا نام بھی نہیں پوچھا۔!“

”نام....؟“ جیمسن نے خواہ مخواہ قہقہہ لگایا۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے....؟“

”عورتوں کو بے نام ہونا چاہئے۔ میں نے آج تک کسی کا بھی نام معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ گھوڑی تیز دوڑتی ہے۔ ریس کی ہوتی ہے تو نام بھی ہوتا ہے.... ورنہ صرف گھوڑی۔!“

”پتا نہیں کیا بک رہے ہو....!“

”ارے کیا تم کہیں کی ملکہ ہو کہ تمہارا نام بھی ہونا چاہئے۔!“

”میں آج سے تمہارے دل کی ملکہ ہوں۔ اپنا ہی نام بتا دو۔!“

”جیمسن....!“

”عیسائی ہو....!“ وہ چونک کر بولی۔

”پیسائی.... میرا مذہب پیسہ ہے.... پتا نہیں آج کل کے لوگ مذہب کے چکر میں کیوں پڑتے ہیں۔!“

”کیوں نہ پڑیں۔!“

”تم کون ہو....؟“

”مسلمان....!“

جیمسن نے پھر قہقہہ لگایا.... اس بار وہ بُری طرح جھلا گئی۔

”میرا مذاق اڑا رہے ہو۔!“

"تم خود مذاق اڑا رہی ہو اپنا.... یہ سلیولس بلاؤز اور یہ کھال سے چپکا ہوا زیریں لباس اور یہ آوارہ گردی جب کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں سے انکی رہو اور اپنے سروں پر.... اوڑھنیاں ڈالو....!"

"شٹ اپ.... یو.... ڈرٹی بیسٹ.... میں مرشد کی کنواری ہوں۔ ابھی جل کر بھم ہو جاؤ گے۔ تم اپنی شکل دیکھو گندے ہپی....!"

"میں تو پیسائی ہوں.... میری بات ہی نہ کرو....!"

دفعتاً لڑکی ہنس پڑی.... ہنستی ہی رہی اور پھر بولی۔ "اوہ میں تو یہ بھول ہی گئی تھی کہ تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو.... اب تمہاری کسی بات پر غصہ نہیں آئے گا۔"

جیمسن نے پھر کٹکھنا سا چہرہ بنایا۔

پیچھے کسی گاڑی سے ہارن بجا کر اُن سے تیز رفتاری کا مطالبہ کیا گیا۔ اس جگہ سڑک اتنی کشادہ نہیں تھی کہ دو گاڑیاں برابر سے چل سکتیں۔

جیمسن نے ایکسیلریٹر پر مزید دباؤ ڈالا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے.... رفتار کم کرو....!" لڑکی بولی۔ "ہم ڈھلان پر جا رہے ہیں یہ گدھے تو ہارن بجاتے ہی رہتے ہیں۔!"

جیمسن نے رفتار کم کر دی۔ کچھ دیر بعد پھر پے در پے ہارن دیا جانے لگا۔

"اوہ.... اچھا.... میں سبق دیتا ہوں اس جنگلی کو....!" جیمسن دانت پیس کر بڑبڑایا۔

"کیا کرو گے....؟"

"گاڑی روک کر اس سے نپٹ لوں گا۔!"

"احمقانہ حرکت ہو گی.... بس چپ چاپ چلتے رہو....!"

"ہارن کے ذریعہ وہ مجھے گالیاں دے رہا ہے۔!"

"پھر وہی بیوقوفی کی باتیں۔!"

لیکن اچانک جیمسن نے گاڑی روک دی۔ البتہ مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔

دوسری گاڑی شائد ایک گز کے فاصلے پر رکی تھی اور اس کا ہارن مسلسل چیخے جا رہا تھا۔

"کیا کر رہے ہو....؟" لڑکی جیمسن کی طرف جھک کر بولی۔ اُس نے بھی ابھی تک مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔

جیمسن کچھ نہ بولا۔ اس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں ونڈ اسکرین پر تھیں۔

دفعتاً پچھلی گاڑی سے آواز آئی۔ "کیا جھگڑا کرنے کا ارادہ ہے....؟"

جیمسن بے ساختہ چونک پڑا کیونکہ آواز عمران کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس نے مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ عمران نے آنکھ مار کر اُسے للکارا.... "جھگڑا کرنا ہے تو اُترو نیچے....!"

اشارہ سمجھ کر جیمسن نے گاڑی سے چھلانگ لگائی۔ لڑکی ہاں ہاں کرتی رہ گئی تھی۔ عمران اپنی جیپ سے اتر کر چیخنے لگا۔ جیمسن قریب پہنچا ہی تھا کہ اس نے مارنے کے لئے ہاتھ بھی گھما دیا۔

جیمسن اچھل کر پیچھے ہٹا تھا پھر قبل اس کے کہ عمران دوبارہ اس پر جھپٹتا لڑکی دونوں کے درمیان آ گئی۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے....!" وہ عمران کو گھونسہ دکھا کر چیخی۔

"ارے.... ارے.... تم کون ہوتی ہو مردوں کے معاملات میں دخل دینے والی ہٹو سامنے سے میں اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔!" عمران ہانپنے کی ایکٹنگ کرتا ہوا بولا۔

"تم خواہ مخواہ ہارن کیوں بجا رہے تھے۔!"

"میری ہابی ہے....!" عمران نے احمقانہ انداز میں کہا اور لڑکی کی نظر بچا کر جیمسن کو رفو چکر ہو جانے کا اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "کون روک سکتا ہے مجھے ہارن بجانے سے۔!"

"بد تمیز ہو.... عورتوں سے بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔!" لڑکی چیخی۔

"تم خود بد تمیز ہو.... مردوں سے آپ جناب کر کے بات کرتے ہیں۔!"

"ذرا مرد کی شکل دیکھو..!" وہ عمران کے چہرے کے قریب ہاتھ لیجا کر طنزیہ لہجے میں بولی۔

پھر اچانک جیمسن گاڑی لے بھاگا تھا۔

"ارے.... ارے!" کرتی ہوئی وہ مڑی اور کچھ دور تک گاڑی کے پیچھے دوڑتی چلی گئی تھی۔

◆

عمران نہایت اطمینان سے جیپ میں جا بیٹھا۔ لڑکی اگلے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ لہٰذا پھر نیچے اترا اور جیپ کا بونٹ اٹھا کر پرزوں

سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آہٹیں سنی تھیں اور مڑ کر دیکھنے لگا تھا۔

لڑکی اس کی طرف دوڑی آ رہی تھی۔ قریب پہنچ کر رکی اور زور زور سے ہانپنے لگی۔

چڑھائی پر دوڑتی ہوئی آئی تھی اس لئے سانسوں پر قابو پانا اس کے لئے دشوار ہو رہا تھا۔ عمران اُسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”دیکھا کتنا داہیات آدمی تھا جس کے لئے تم مجھے کاٹنے دوڑی تھیں۔ پتا نہیں میری گاڑی کو کیا ہو گیا ہے.... اسٹارٹ ہی نہیں ہوتی۔!“

وہ اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی ہانپتی رہی۔ عمران پھر انجن کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد لڑکی پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان اٹک اٹک کر کہنے لگی۔

”وہ .... میرا شوہر تھا.... اُس پر دورے پڑتے ہیں.... سب کچھ بھول جاتا ہے۔ پتا نہیں.... اس کا کیا حشر ہو.... کسی کھڈ میں گاڑی گرا دے.... کوئی بڑا حادثہ ہو جائے۔!“

عمران سیدھا کھڑا ہو کر متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائے جا رہا تھا۔

وہ خاموش ہوئی تو غم انگیز لہجے میں بولا۔ ”کاش مجھے حالات کا علم ہوتا۔ میں تو سمجھا تھا کہ دو جھگڑا کرنا چاہتے ہیں۔!“

”کیا تم نہیں جانتے کہ اس سڑک پر کوئی بھی ہارن نہیں بجاتا کیونکہ آگے جانے والی گاڑی راستہ نہیں دے سکتی۔!“

”میں نے بتایا نا کہ میری عادت ہے.... سنسان سڑکوں پر بھی بے خیالی میں ہارن بجانے لگتا ہوں۔!“

”اب کیوں دیر کر رہے ہو....؟“ وہ بے تابی سے بولی۔ ”مجھے لفٹ دو.... جتنا تیز چل سکتے ہو چلو.... کہیں اُسے حادثہ نہ پیش آ جائے۔!“

”اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہی۔ اگر اس دوران میں کوئی اور گاڑی آ گئی تو میں گالیاں کھاؤں گا۔!“

”کیا تم باہر سے آئے ہو....؟“

”نہیں تو.... اندر ہی کا آدمی ہوں۔!“

”یعنی سردار گڈھ ہی کے باشندے ہو....!“

”ہرگز نہیں....! میں کسی ایسی جگہ پیدا ہونا ہرگز پسند نہیں کر سکتا جہاں لوگ ہارن بجا- پر خفا ہو جاتے ہوں۔!“

”میں کیا کروں.... میں کیا کروں....!“ وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

”اب ایک ہی تدبیر سمجھ میں آ رہی ہے۔!“ عمران اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”بتاؤ جلدی سے.... کرو تدبیر....!“

”میں اسٹیئرنگ سنبھالتا ہوں.... تم دھکا لگاؤ....!“

”مم.... میں دھکا لگاؤں....!“

”ہاں.... ہاں.... کیا ہوا.... کیا صرف ناچنے کودنے ہی میں مردوں کے شانہ بشانہ نظر آ سکتی ہو۔!“

”بس.... بس....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”زیادہ بکواس نہ کرو.... بیٹھو گاڑی میں کوشش کرتی ہوں.... ڈھلان ہے.... مجھے زیادہ قوت نہیں صرف کرنی پڑے گی۔!“

”یہ ہوئی سمجھ داری کی بات....!“ عمران بونٹ گراتا ہوا بولا۔

پھر اس نے اسٹیئرنگ سنبھالا تھا اور لڑکی جیپ کو دھکیلنے لگی تھی۔ اچانک جیپ اسٹارٹ ہو کر جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی اور لڑکی منہ کے بل سڑک پر چلی آئی۔

”کمینے.... ذلیل....!“ وہ اٹھنے کی کوشش کرتی ہوئی دہاڑی۔

کچھ دور جا کر جیپ کے بریک چڑچڑائے تھے اور وہ یکلخت رک گئی تھی۔

عمران کود کر لڑکی کی طرف دوڑا اور جھک کر اُسے اٹھاتا ہوا بولا۔ ”کوئی جان بوجھ کر تھوڑا ہی.... ارے.... ارے.... گالیاں کیوں دے رہی ہو۔ میری ماں سن پائے تو تمہاری زبان گدی سے کھینچ لے.... واہ بھئی بیوی کسی اور کی اور گالیاں میں کھاؤں۔!“

”تم بیہودہ اور کمینے ہو.... تم نے جان بوجھ کر یہ حرکت کی تھی۔ ہائے میری ناک۔!“ وہ اپنی ناک دبا کر کراہی۔

”اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ چہرے کی سطح سے بہت زیادہ اونچی ناک واہیات ہوتی ہے۔!“

”میں کہتی ہوں جلدی کرو....!“

عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتا ہوا جیپ کی طرف لے چلا۔ جیپ روانہ ہوئی.... لیکن وہ عمران کے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی اس کا دماغ چاٹے جا رہی تھی۔

”اگر.... وہ مر گیا تو پھر میری زندگی میں کیا باقی رہے گا۔ میں بھی خودکشی کرلوں گی۔ ذرا تیز چلاؤ گاڑی.... میرے خدا.... یہ کیا ہو گیا.... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی کسی ایسے موقع پر دورہ پڑے گا۔!“

”خاموش بیٹھو.... ورنہ اب میں بھی پاگل ہو جاؤں گا۔!“ عمران بولا۔

کچھ دیر بعد وہ آبادی میں بھی پہنچ گئے۔ جیمسن اور اس کی گاڑی کا کہیں پتا نہ تھا۔

”اب کدھر چلوں....؟“ عمران نے لڑکی سے پوچھا۔

”میرا نام شکیلہ ہے....!“

”تمہارا نام شکیلہ نہ ہوتا تب بھی میں تم سے یہی سوال کرتا۔!“

”میں نہیں جانتی کہ وہ کدھر گیا ہوگا۔!“

”گھر ہی گیا ہوگا۔!“

”دورے کی حالت میں گھر بھی بھول جاتا ہے۔!“

”تب پھر کوشش کرو کہ مجھ پر بھی دورہ پڑ جائے۔!“

”میں نہیں سمجھی۔!“

”کچھ نہیں.... تمہیں کہاں اتار دوں۔!“

”میرے شوہر کو تلاش کرو.... اس کے بغیر میں گھر نہیں جاؤں گی۔!“

عمران نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور مڑ کر اُسے گھورنے لگا۔

”اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو....؟“

”میرا خیال ہے کہ اب تمہارے لئے کسی دوسرے شوہر کا انتظام کر دیا جائے۔ وہ تو ملنے سے رہا۔!“

”میرا مذاق اڑا رہے ہو۔!“

”پھر کیا کر سکتا ہوں.... تمہارے لئے۔ اچھا فی الحال مجھے ہی بطور ضمانت رکھ لو....!“

”یقیناً تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔!“

”یہی سمجھ کر پیچھا چھوڑ دو۔!“

لڑکی اسے غصیلی نظروں سے دیکھتی رہی پھر زور سے چیخی۔ ”اسے تلاش کرو۔!“

عمران بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ آس پاس کے کچھ لوگ رک کر انہیں دیکھنے لگے تھے۔ عمران نے پھر گاڑی اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا لے گیا۔

لڑکی خاموش ہو گئی تھی۔ کچھ دیر بعد عمران نے کہا۔ ”گھر چل کر دیکھو تو.... شائد وہ پہنچ ہی گیا ہو۔!“

”ہمارا کوئی گھر نہیں ہے.... ہم گاڑی ہی میں رہتے تھے۔!“

”یہ تو بہت بُرا ہوا....!“ عمران مسمسی صورت بنا کر بولا۔ ”اب اگر دورے ہی کی حالت میں اس نے اس گھر میں کسی اور کو بسا لیا تو تم بیچاری تو بالکل پیدل ہی ہو کر رہ جاؤ گی.... آہا.... اچھا.... ٹھہرو.... ایک تدبیر سمجھ میں آئی ہے۔!“

”بتاؤ جلدی سے ورنہ میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا.... میں بہت پریشان ہوں۔!“

”میں اپنے چچا کے نام ایک خط لکھے دیتا ہوں لے کر ان کے پاس چلی جاؤ۔ وہ اپنی روحانی قوت سے تمہارے شوہر کو گھر سمیت وہیں بلوالیں گے۔!“

”کہاں کی ہانک رہے ہو....؟“

”المرشد کی....!“

”کیا مطلب....؟“

”میں مرشد کا بھتیجا ہوں....!“

”بکواس ہے....!“

”بدتمیزی کرو گی تو یہیں جلا کر بھسم کر دوں گا۔ بہتر ہے کہ تم میرا خط لے کر اُن کے پاس چلی جاؤ۔!“

شکیلہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بولی ”اچھی بات ہے....! تم پورا واقعہ اپنے خط میں لکھ دینا.... اور ہاں اپنا نام اور پتہ لکھ دینا۔!“

”منظور....!“

وہ اسے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر یک بیک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”ارے ہائیں....!“ عمران نے کہا اور پھر گاڑی ایک جگہ کھڑی کر دی۔ وہ بدستور روئے جارہی تھی۔

”سوال تو یہ ہے کہ اس طرح رونے سے کیا فائدہ۔!“ عمران مڑ کر بولا۔

”خط سے کام نہیں چلے گا۔ تم خود میرے ساتھ چلو....!“ وہ روتی ہوئی بولی۔

”بھلا کیا بات ہوئی....؟“

”تم نہیں سمجھ سکتے....! مرشد ہی نے اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا تھا۔!“

”اچھا تو پھر....؟“

”تم شہادت دو گے کہ وہ خود ہی مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں نے اسے نہیں چھوڑا۔!“

”تم بڑی عجیب باتیں کر رہی ہو۔ پہلے تو تم نے مرشد کا نام نہیں لیا تھا۔!“

”تم مرشد کے بھتیجے ہو نا اس لئے سب کچھ بتائے دیتی ہوں۔!“

”بتاؤ....!“

”اگر تم نے میری موافقت میں شہادت نہ دی تو میں شربت فردوس سے محروم ہو جاؤں گی۔!“

عمران نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور آہستہ سے بولا۔ ”شربت فردوس....؟ میں نہیں سمجھا....!“

”تب تم مرشد کے بھتیجے نہیں ہو سکتے۔۔ اگر شربت فردوس کے بارے میں نہیں جانتے۔!“

”مجھے اس پر حیرت ہے کہ تم اس کے بارے میں کیسے جانتی ہو.... وہ تو صرف خاندان والوں کے لئے مخصوص تھا۔!“

”خاندان والوں کو علم ہونا چاہئے کہ مرشد کی کنواریاں بھی پیتی ہیں۔!“ لڑکی نے بڑے فخر سے کہا۔

”تم کب شامل ہوئی تھیں کنواریوں میں....؟“

”ایک سال پہلے کی بات ہے....!“

”کیا تم ہر وقت المرشد میں رہتی ہو....؟“

”نہیں....! صرف شام کو جب شربت فردوس تقسیم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جب بھی مرشد ہمیں وہاں طلب کریں۔!“

”کل کتنی کنواریاں ہیں....؟“

”تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو....!“

”میں غیر شادی شدہ مارا مارا پھرتا ہوں اور وہ اتنی بہت سی کنواریاں سمیٹے بیٹھا ہے۔!“

”ہائیں.... تمہاری شادی نہیں ہوئی۔!“

”ایک بھی نہیں....!“

”لاتعداد کنواریاں ہیں....!“

”کوئی ایسی ہے جو ابھی حال ہی میں کنواری بنی ہو....!“

”تم یہ سب کیوں پوچھنا چاہتے ہو....؟“

اچانک گاڑی کے ڈیش بورڈ سے عجیب طرح کی آواز آئی اور کوئی کہنے لگا ”بتاؤ.... بتاؤ.... جو کچھ یہ پوچھ رہا ہے۔!“

وہ دونوں غیر ارادی طور پر اچھل پڑے تھے۔

”مم.... مم.... مرشد....!“ لڑکی ہکلائی اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

آواز پھر آئی.... ”سنو مردود بھتیجے.... یہ آواز ایک ایسے دھماکے میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے جو اس گاڑی کے پرخچے اڑا دے۔!“

”بے شک.... بے شک.... چچا جان....!“ عمران جلدی سے بولا۔

”تم سردار گڈھ سے چلے جاؤ.... پھر وارننگ دے رہا ہوں۔“

”سیزن گذار کر چلا جاؤں گا.... ظالم چچا....!“

”اچھی بات ہے.... اب تم واقعی بھگتو گے....!“

”میری بات تو سنو....!“

”ہاں.... کیا ہے.... بکو....!“

”ان تینوں کو میرے حوالے کر دو.... تمہارے آدمی بھی چھوڑ دیئے جائیں گے۔!“

”یہ ناممکن ہے....!“

”ناممکن کو ممکن بنانا میری ہابی ہے....!“

”میں دیکھوں گا....!“

عمران نے بھی کچھ کہنا چاہا تھا کہ پھر ویسی ہی آواز آئی جیسی اس گفتگو سے پہلے آئی تھی اور سناٹا چھا گیا۔

اس کے بعد ہی اس نے سیٹ پر سے چھلانگ لگاتے ہوئے لڑکی سے کہا تھا۔ ”بھاگو“۔

لڑکی نے بھی ڈیش بورڈ کے اس خانے سے دھواں نکلتے دیکھا تھا جس سے مرشد کی آواز آئی تھی۔ عمران کے پیچھے اُس نے بھی گاڑی سے چھلانگ لگائی اور اب گاڑی سے دور کھڑے وہ گاڑی ہی کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔ لیکن نہ کوئی دھماکا ہوا اور نہ گاڑی کے پرخچے اڑے۔ وہ ہلکا سا دھواں بھی فضا میں مدغم ہو چکا تھا جو کچھ دیر پہلے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے برآمد ہوا تھا۔

”اب.... کک.... کیا ہو گا....!“ لڑکی ہکلائی.... ”مم.... مقدس بھتیجے....!“

”مقدس بھتیجے....!“ عمران نے حیرت سے دہرایا۔

”مرشد کے بھتیجے کو پھر اور کیا کہا جائے گا۔ لیکن مرشد آپ سے خفا ہیں۔!“

”ہاں....!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کو بولا۔ ”وہ مجھے سجادہ نشینی کی ٹریننگ دینا چاہتے تھے۔ لیکن میں پولٹری فارمنگ میں انٹرسٹڈ ہوں۔!“

وہ پھر گاڑی کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچ کر باہر ہی سے ڈیش بورڈ کا وہ خانہ کھولا جس سے دھواں نکلا تھا۔ کوئی چیز جل کر ضائع ہو گئی تھی۔ شائد بالوں کا ایک گچھا تھا.... یا باریک تاروں کا چھوٹا سا ڈھیر....!“

عمران نے اسے ہاتھ لگائے بغیر خانہ بند کر دیا.... لڑکی اس کے بعد ہی قریب پہنچی تھی۔

”کیسا دھواں تھا....؟“ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”مرشد کی کرامت.... وہ دھوئیں کی آواز تھی۔ چلو بیٹھ جاؤ.... میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں....!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔!“

”تمہیں وہ سب کچھ بتا دینا چاہئے جو میں پوچھوں.... مرشد کی طرف سے بھی تمہیں اجازت مل چکی ہے۔!“

”ہاں آں....!“ وہ چونک کر بولی۔ ”پوچھو....!“

اس بار وہ عمران کے برابر ہی بیٹھی تھی اور انداز بھی جارحانہ نہیں تھا۔ گاڑی حرکت میں آئی اور عمران نے آہستہ سے پوچھا۔ ”تم کس طرح مرشد تک پہنچی تھیں....؟“

”بس یونہی جیسے سب جاتے ہیں۔ سب کے ساتھ میں بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اچانک مرشد سے نظر ملی اور مرشد نے وہی بات کہہ دی جو اس وقت میرے دل میں تھی۔ میں بدحواس ہو گئی

ایا محسوس ہوا جیسے بیہوش ہو جاؤں گی۔ ایک عورت مجھے حلقے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے ئی اور شربت فردوس پلایا۔ ہائے.... میں تو اس شربت کے لئے جان تک دے سکتی ہوں۔ لذت ی لذت.... تم نے تو پیا ہو گا۔!“

”مردوں کو کہاں نصیب ہوتا ہے۔!“ عمران برا سامنہ بنا کر بولا۔

”وہ متبرک مشروب اذیت کو بھی لذت بنا دیتا ہے۔!“

”وہ کس طرح....؟“

”جب میں اس کے زیرِ اثر ہوں تو میرے سینے میں خنجر اتار دو.... مجھے ذرہ برابر پرواہ نہ ہوگی۔!“

”ہوں....!“ عمران نے پُر تفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ ”مجھے کسی ایسی لڑکی سے ملواؤ جو حال ہی میں شربتی ہوئی ہو۔!“

”سب سے المرشد ہی میں ملاقات ہوتی ہے۔ میں کسی کا پتا نہیں جانتی۔ میرا خیال ہے کہ اب تم میرے ساتھ المرشد میں چلو میں تمہاری خطائیں معاف کرا دوں گی۔!“

”ضرور.... ضرور.... مگر چلو پہلے کہیں کھانا کھا لیں۔!“

”ٹام سنز میں چلو.... وہاں کی سوئیٹ ڈش بہت اچھی ہوتی ہے۔!“ لڑکی بولی۔

”ٹھیک ہے.... وہیں چلتے ہیں۔!“

ٹام سنز ریسٹوران اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گاڑی رکتے ہی عمران بولا ”اترو.... اور راد یکھو کوئی میز خالی ہے یا نہیں۔ ورنہ کہیں اور چلیں گے۔!“

”تم خود اتر کر دیکھ لو.... چھوڑ بھاگنا چاہتے ہو....!“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ ”تم اب ایسا نہیں کر سکتے۔ مرشد اب یہی چاہتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ رہوں ورنہ میرے لئے ضرور دئی ہدایت ہوتی۔!“

”میرے ساتھ رہ کر تم شربت فردوس سے محروم ہو جاؤ گی۔!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ تک کسی نہ کسی طرح ضرور پہنچے گا۔ خواہ میں کہیں ہوں.... یہ رشد کا وعدہ ہے۔!“

"مرشد...!" پتا نہیں عمران نے دانت پیسے تھے یا کسی اور وجہ سے گھٹی گھٹی آواز نکلی۔

◆

ظفر الملک نے لاپرواہی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ مرشد کو خصوصی طور پر اس کی طرف توجہ دینی پڑی۔ جیمسن کے چلے جانے کے بعد وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں کچھ دیر پہلے ظفر شکیلہ کے ساتھ رقص کرتا رہا تھا۔

چند لمحے ظفر کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم مجھے جانتے ہو....؟"

"اچھی طرح....!" ظفر نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "آپ بہت اونچے آدمی ہیں دوسرے مذہبی آدمیوں کی طرح عورت سے دور رہنے کی نصیحت نہیں کرتے۔!"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ عمران نے تمہیں میرے متعلق کیا بتایا ہے۔!"

"گریٹ.... مگر خطرناک....!"

"کیا تم میرا نام جانتے ہو....!"

"نہیں.... مسٹر علی عمران آپ کو مرشد ہی کہتے ہیں۔ میں نے نام معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے نہیں بتایا۔!"

"اگر میں خطرناک ہوں تو تم اس ہپی کے ساتھ چلے کیوں نہیں گئے۔!"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ لڑکی مجھے یہاں کیوں لائی تھی۔!"

"میں تمہیں بطورِ یرغمال رکھنا چاہتا ہوں۔!"

"پھر آپ نے اس ناہنجار کو کیوں اجازت دے دی تھی کہ وہ مجھے یہاں سے لے جائے۔!"

"یہاں سب کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اس نے خواہش ظاہر کی تھی۔!"

"تب تو ہم سے زبردست غلطی سرزد ہوئی۔!"

"کیا مطلب....؟"

"ہم تینوں لڑکیاں آپ سے مانگ سکتے تھے۔ آپ یقیناً ہماری مراد پوری کر دیتے یعنی اس سلسلے میں اپنا چیلنج واپس لے لیتے۔!"

"وہ تینوں یہاں پہنچ چکی ہیں۔!"

"نہیں....!" ظفر کے لہجے میں حیرت تھی۔

مرشد نے اسے گھورتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی اور سرد لہجے میں بولا۔ "جو کچھ میری بان سے نکلتا ہے اسے ہونا ہی پڑتا ہے۔!"

ظفر خاموشی سے فرش پر نظر جمائے رہا۔

"ادھر دیکھو....!" کچھ دیر بعد مرشد بولا۔

"جی....!" ظفر اس طرح چونک پڑا جیسے خود کو بالکل تنہا سمجھتا رہا ہو۔!

"تم نے جیمسن کو پہچاننے سے کیوں انکار کر دیا تھا۔!"

"پہچان لیتا تو جانا ہی پڑتا اس کے ساتھ.... اچھا بتایئے کیسی شاندار اداکاری تھی کہ وہ بھی ھوکا کھا گیا۔!"

"کس قسم کی اداکاری....؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"یہی کہ مرشد نے اپنی روحانی قوت کو بروئے کار لا کر میرا دماغ الٹ دیا....!"

"کیا تم لوگ میری روحانیات کو فراڈ نہیں سمجھتے۔!"

"یہ سب کچھ عمران صاحب جانیں۔!"

"عمران سے تمہارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے....!"

"ایسی دوستی جس میں احترام بھی شامل ہے۔!"

"ہوں.... تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو.... نواب مظفر الملک کا بھتیجا اور لا وارث ایسی بیہودہ زندگی گذارے.... مجھے قطعی پسند نہیں۔!"

"اُوہو.... تو آپ مجھے اس حد تک جانتے ہیں۔!"

"مرشد سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔"

"وہ....وہ.... لڑکی میرے ساتھ ناچ رہی تھی۔!"

"وہ جیمسن کو بخش دی گئی تھی۔ لیکن وہ بد قسمت اُسے چھوڑ بھاگا۔ اب عمران کے ساتھ ہے۔!"

"عمران کے ساتھ ہے....؟" ظفر اچھل پڑا۔

"کیوں....؟ تم بوکھلا کیوں گئے۔!"

"کک.... کچھ نہیں.... یہاں تنہائی تو مجھے کھا جائے گی۔!"

”دوسری چاہئے....؟“ مرشد اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

ظفر نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی.... اور فرش پر نظر جمادی۔

”اچھا.... آؤ میرے ساتھ....!“ وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دونوں راہداری میں آئے پھر مرشد بائیں طرف مڑا تھا۔

ظفر مودبانہ انداز میں اس کے پیچھے چلتا رہا۔ ایک جگہ رک کر مرشد اس کی طرف مڑ بغیر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں اب تمہیں یہاں ایک منٹ کے لئے بھی نہ رکنے دوں۔!“

”کک.... کیوں....؟“ ظفر بھی رک کر ہکلایا۔

”تمہاری اہمیت ہی کیا ہے کہ میں تمہیں بطورِ یرغمال رکھوں.... وہ تینوں لڑکیاں ہی کا ہیں۔ عمران سے کہہ دینا.... اگر میرے آدمی چوبیس گھنٹے کے اندر اندر نہ چھوڑے گئے تو تینوں لڑکیاں پاگل ہو جائیں گی۔“ وہ ظفر کی طرف مڑ کر بولا۔

”اور اس لڑکی کا کیا ہو گا جو عمران صاحب کے پاس ہے۔!“

”لڑکی....؟“ مرشد نے طویل سانس لی اور اُسے مضحکانہ انداز میں گھورتا ہوا بولا۔ ”کم لڑکی کے لئے تم کس حد تک جاسکتے ہو....؟“

”قبر کی حد تک....!“

”اچھی بات ہے.... تو جاؤ اور کسی طرح عمران کو اس لڑکی سمیت یہاں لاؤ۔ وہ لڑکی تم تمہیں بخش دوں گا۔!“

”یہ تو مجھے ناممکن ہی معلوم ہوتا ہے۔!“ ظفر پُر تفکر لہجے میں بولا۔

”کیوں....؟“

”انہیں آنا ہوتا تو خود ہی چلے آتے۔!“

”اُسے آنا ہی پڑے گا۔!“ مرشد اسے گھورتا ہوا سانپ کی طرح پھپھکارا۔ ”اور تم ہی لاؤ گے۔

”آپ کہہ رہے ہیں تو کوشش کروں گا۔!“

”طریق کار کیا ہو گا....؟“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔!“

”آؤ....!“ وہ پھر دوسری طرف مڑتا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں عمران سے بھی زیادہ پھ

....چالاک.... اور طاقت ور بنادوں۔!“

ظفر پھر اس کے پیچھے چلنے لگا تھا۔!

* * *

”اب تم کیا چاہتے ہو....؟“ عمران نے ڈان فاگان کو مخاطب کیا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سلسلے میں کیا کہوں.... تم نے رہا بھی کر دیا تو اب میں اس لی نگرانی کس طرح کر سکوں گا۔!“

”کس کی نگرانی....؟“

”مرشد کی....!“

”سنو.... کیا تم کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتے کہ مرشد کے علم میں آئے بغیر ہم الرشد میں . اخل ہو سکیں۔!“

”اس سے کیا ہو گا....؟“

”پھر میں تمہیں بتا سکوں گا کہ اس کی نگرانی کس طرح کی جائے۔!“

”اسے ہر حال میں علم ہو جائے گا کہ ہم عمارت میں داخل ہوئے ہیں۔!“

”مجھے صرف ایک بات پر حیرت ہے۔ ڈان فاگان۔“ عمران اسے ٹٹولنے والی نظروں سے یکھتا ہوا بولا۔ ”جب میں یہاں موجود تھا تو پھر تمہیں مرشد کی نگرانی پر کیوں متعین کیا گیا....!“

”کیا مطلب....؟“ ڈان فاگان چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

”مادام کو علم ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔!“

”اوہ.... اوہ.... تت.... تو.... تم....!“

”بس خاموش....!“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”دیواریں بھی کان کھتی ہیں۔ بلکہ میں تمہیں حوالات سے نکلوا کر کہیں اور لے جاؤں گا پھر وہیں باتیں ہوں گی۔ اتنا ر ن لو کہ میں کبھی مادام کی نیابت بھی کر چکا ہوں۔!“

”تم بڑی حیرت انگیز باتیں کر رہے ہو.... دوست....!“ ڈان فاگان اس کی آنکھوں میں

دیکھتا ہوا مسکرایا۔

"مادام نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے ملک کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز کبھی نہیں بنائیں گی۔!"

"اوہ.... تو پھر شائد اسی لئے انہوں نے مجھے اس کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ لیکن میں کیسے یقین کرلوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔!"

"اچھی بات ہے تو پھر میں تمہیں ابھی اپنے ساتھ حوالات سے باہر لے چلتا ہوں بس تمہارے چہرے پر میں تھوڑی سی تبدیلی کروں گا۔ لیکن تم گاڑی میں بالکل خاموش بیٹھو گے کیونکہ ایک لڑکی بھی ہے میرے ساتھ۔!"

عمران نے اپنے بریف کیس سے میک اپ کا سامان نکالا اور ڈان فاگان کے چہرے کی مرمت شروع کردی ساتھ ہی کہتا جارہا تھا۔ "چال میں تھوڑا سا لنگڑاپن پیدا کرلینا بس کافی ہے اور جب میں خواہش کروں تب ہی بولنا۔ عیب پوشی کے لئے خاموشی سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔!"

تھوڑی دیر بعد وہ اسے حوالات سے لے نکلا۔ باہر جیپ کھڑی تھی اور اگلی سیٹ پر شکیلہ دھرنا دیئے بیٹھی تھی۔

عمران نے ڈان فاگان کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر جب وہ گاڑی اسٹارٹ کررہا تھا شکیلہ نے آہستہ سے پوچھا "یہ کون ہے....؟"

"میرا دوست... اب یہ بھی اسی گھر میں رہے گا۔!" عمران نے کہہ کر ایکسیلریٹر پر دباؤ ڈالا۔

"تو کیا اب تم بھی گاڑی ہی میں رہو گے۔!"

"بالکل.... تاکہ میں دیکھ سکوں کہ مرشد تمہیں کس طرح شربت فردوس بھجواتا ہے۔!"

"وہ تو پہنچ بھی چکا جسے میں ٹھیک ساڑھے چھ بجے پیوں گی۔ بس تم مجھ پر ایک احسان کرنا میں تمہیں ایک سوئی دوں گی۔ جب میں شربت پی چکوں تو تین تین منٹ کے وقفے سے میرے جسم میں چبھوتے رہنا۔!"

"اُوہو.... تو ابھی سوا چھ بجے ہیں۔!"

"بس پندرہ منٹ بعد.... لیکن کسی جگہ چلو جہاں آرام سے لیٹ سکوں۔!"

"شربت کا اثر کتنی دیر تک رہتا ہے۔!"

"ایک گھنٹے تک....!"

"تب تو فوراً ہی کہیں پہنچنا چاہئے۔!"

"ڈاک بنگلے میں چلو.... یہاں سے نزدیک ہی ہے۔ میں جانتی ہوں۔!"

"مگر سوال تو یہ ہے کہ شربت پہنچا کس طرح....؟"

"جب تم پولیس اسٹیشن میں تھے۔ ایک آدمی دے گیا تھا۔ یہ دیکھو....!" اس نے ایک چپٹی سی شیشی اسے دکھائی۔

عمران نے پُر تشویش انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی.... دفعتاً شکیلہ چیخی۔ "ارے.... ارے.... ٹھہرو.... ڈاک بنگلہ تو نکل گیا.... روکو.... روکو....!"

"فکر نہ کرو.... ابھی پانچ منٹ باقی ہیں.... تم ٹھیک ساڑھے چھ بجے پی سکو گی۔!"

سورج کبھی کا غروب ہوچکا تھا اور اب خاصا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ گاڑی شہری آبادی سے بہت دور نکل آئی تھی۔

ڈان فاگان پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ ایک جگہ عمران نے گاڑی سڑک کے نیچے اتار دی اور کچھ دور چلنے کے بعد بریک لگاتا ہوا بولا۔ "تم شربت پی کر پچھلی سیٹ پر لیٹ جانا۔!"

"ہرگز نہیں.... ڈاک بنگلے چلو....!"

"بکواس مت کرو.... ورنہ شربت سمیت کسی کھڈ میں پھینک دوں گا۔!"

"یہاں تو میں ہرگز نہ پیوں گی۔!"

عمران نے انجن بند کردیا تھا۔ دفعتاً سڑک پر کسی گاڑی کے ہیڈلیمپ کی روشنی پھیل گئی۔

عمران مڑ کر دیکھنے لگا۔ شکیلہ بھی مڑی اور پھر وہ گاڑی بھی اُسی ڈھلان میں اترتی نظر آئی۔

"خوب....!" عمران نے آہستہ سے کہا اور دوسری طرف چھلانگ لگادی۔ تیزی سے ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں ہوگیا تھا۔

"کہاں گئے تم.... کہاں گئے....!" شکیلہ چیخی.... اتنے میں گاڑی ٹھیک جیپ کے برابر آرکی.... اور کسی نے اونچی آواز میں کہا۔ "یہاں کیا ہورہا ہے۔!"

"کچھ.... نہیں.... کچھ بھی نہیں۔!" عمران نے شکیلہ کی آواز سنی۔

"خدائی خوارو.... کیا چھت میسر نہیں ہے کہ یہاں آسمان کے نیچے....!"

"بکواس مت کرو..... تم سے مطلب.....!" شکیلہ چیخی۔

"ارے..... یہ تو وہی لڑکی ہے۔!" اس بار ظفر الملک کی آواز تھی۔ "تو پھر عمران یہیں کہیں ہوگا..... بتاؤ..... وہ کہاں ہے۔!"

"مگر پچھلی سیٹ پر کون ہے.....!" دوسری آواز آئی۔

"روشنی ڈالو.....!" ظفر کی آواز آئی۔

پھر شائد انہوں نے ٹارچ کی روشنی جیپ پر ڈالی تھی۔

"میں نہیں پہچانتا.....!" عمران نے ظفر کی آواز دوبارہ سنی۔

"تم کون ہو.....!" اس بار شائد ڈان فاگان کو مخاطب کیا گیا تھا۔

عمران نے اب چھپے رہنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن ظفر کا انداز گفتگو اسے غیر معمولی معلوم ہوا تھا۔ اُس نے قریب ہی پڑا ہوا ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر دور اندھیرے میں پھینک دیا۔

"یہ کیا.....؟" کوئی چونکا۔

"دیکھو.....!" یہ ظفر کی آواز تھی اور پھر کوئی اسی سمت دوڑتا چلا گیا جدھر عمران نے پتھر پھینکا تھا۔

وہ بڑی پھرتی سے پتھر کی اوٹ سے نکلا اور ظفر الملک کے پیچھے جا کھڑا ہوا جو شکیلہ سے اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

"بتاؤ..... وہ کہاں ہے میں اسے زبردستی مرشد کے پاس لے جاؤں گا۔! اُسے دکھاؤں گا کہ میں مرشد کی کرامت سے کتنا طاقتور ہو گیا ہوں۔!"

عمران نے اس کی بائیں کنپٹی پر ایسا جچا تلا ہاتھ رسید کیا کہ وہ دوسرے ہی لمحے میں اس کے بازوؤں پر جھول گیا۔

"تم نیچے آجاؤ.....!" عمران نے آہستہ سے اسپینی سے کہا اور ڈان فاگان نے پچھلی سیٹ خالی کر دی۔ بیہوش ظفر کو پچھلی سیٹ پر ڈال دینے کے بعد اُس نے شکیلہ کی طرف کا دروازہ کھولا۔

"کک..... کیا ہے.....!" وہ اُس کے علاوہ اور کچھ نہ کہہ سکی کیونکہ بعد کے الفاظ کراہ میں تبدیل ہو گئے تھے۔ عمران نے اس کی کنپٹیاں دبائی تھیں۔ بے حس و حرکت ہو کر وہ بھی اس کے بازوؤں میں آ گئی۔ اُسے اٹھائے ہوئے ڈان فاگان سے اس نے دوسری گاڑی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولنے کو کہا۔

اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر شکیلہ کو ڈال کر اس نے ڈان فاگان سے کہا "کنجی اگنیشن میں موجود ہے۔ گاڑی کو سڑک پر لے جاؤ۔ شہر کی طرف موڑ کر کھڑی کر دو اور میرے منتظر رہو!"

ڈان فاگان نے فوری طور پر اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ عمران پھر اسی بڑے پتھر کی اوٹ میں جا چھپا۔

جیپ سڑک پر پہنچی ہی تھی کہ اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔

وہ آدمی جو اس کی تلاش میں گیا تھا شائد جیپ کی آواز پر پلٹ پڑا تھا گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے ٹارچ روشن کی اور دائرہ گرد و پیش میں چکرانے لگا۔

پھر وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ کی طرف جھکا ہی تھا کہ اس کا بھی وہی حشر ہوا جو کچھ دیر پہلے ظفر الملک کا ہو چکا تھا۔ پھر اُسے بھی اٹھا کر اگلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا اس کی ٹارچ ہاتھ آ گئی تھی جس کی روشنی میں عمران نے شکیلہ کی قمیض کے کالر پر لکھنا شروع کیا۔

"پیارے چچا..... شکریئے کے ساتھ واپس.....! لڑکی کچھ زیادہ پسند نہیں آئی تھی..... اگر ظفر الملک پر تم نے کوئی خاص نسخہ آزمایا ہے تو اس کے توڑ کے لئے بھی تیار رہو..... ورنہ پھر..... سچ مچ مجھے المرشد آنا ہی پڑے گا۔!"

اس کے بعد ٹارچ کی روشنی ایک بار پھر اگلی سیٹ پر پڑی۔ وہ آدمی بدستور بیہوش تھا۔ ٹارچ اس کی گود میں ڈال کر عمران سڑک کی طرف چل پڑا۔

ڈان فاگان نے گاڑی تھوڑے فاصلے پر روکی تھی۔

"تم ہی ڈرائیو کرو.....!" اُس نے پچھلی سیٹ پر بیہوش ظفر الملک کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ..... یہ..... تو تمہارا ہی ساتھی ہے۔!" ڈان فاگان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں..... بس چلے چلو.....!"

اس دوران میں عمران نے سردار گڈھ میں کئی ٹھکانے بنائے تھے۔ ظفر الملک کی موجودہ حالت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ شہری آبادی سے دور ہی رہے۔

ڈاک بنگلے کی شمال میں وہ ہٹ تھا جہاں وہ اُسے اس وقت لے جانا چاہتا تھا۔

* * *

سنگ ہی ان دونوں کو قہر آلود نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑے تھے خصوصاً شکیلہ بہت زیادہ نروس نظر آ رہی تھی۔

سنگ اس وقت سنگ ہی تھا۔ مرشد نہیں۔ شکیلہ اسے مرشد کی حیثیت سے نہیں پہچان سکی تھی اور وہ الرشد میں بھی نہیں تھے۔

"یہ لڑکی کون ہے....؟" سنگ نے مرد سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا باس یہ اسی کی گاڑی میں تھی۔ جب ہوش آیا تو مجھے اپنی گاڑی میں پڑی ملی۔!"

"تم کون ہو لڑکی....؟"

"مم.... میں شکیلہ ہوں....!"

"عمران سے کیا تعلق ہے....؟"

"کون عمران....؟ میں تو اپنے بھائی شکیل کے ساتھ تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہاں تک کیسے پہنچی۔!"

"تمہاری قمیض کے کالر پر کیا لکھا ہے۔!"

"کالر پر لکھا ہوا ہے....!" شکیلہ نے حیرت سے دہرایا۔

"آئینہ ادھر ہے....!" سنگ نے بیزاری سے بائیں جانب اشارہ کیا تھا وہ بے ساختہ قد آدم آئینے کی طرف بڑھ گئی۔

پھر سنگ کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی تھی لیکن جب وہ اُس کی طرف مڑی تو یک بیک اس طرح سنجیدہ ہو گیا جیسے اُسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا ہو۔!

"میں نہیں جانتی یہ سب کیا ہے۔" شکیلہ نے غصیلی آواز میں کہا۔ "میں اپنے بھائی کی گاڑی میں تھی یقیناً کوئی حادثہ پیش آیا تھا اور میں بیہوش ہو گئی تھی۔ بتاؤ اب میں کہاں ہوں.... اور میرا بھائی کہاں ہے۔!"

"گاڑی میں دو آدمی تھے....!"

"ہاں.... ہاں.... دوسرا میرے بھائی کا دوست تھا۔ کہاں ہیں وہ دونوں....!"

"ہسپتال میں.... چلو میں تمہیں وہاں لے چلوں....!"

"مجھے بتاؤ.... کس ہسپتال میں ہیں۔ میں خود چلی جاؤں گی۔!"

"اکیلی کہاں بھٹکتی پھرو گی میں پہنچا دوں گا۔!" سنگ نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں پہنچا آؤں باس....؟" اس آدمی نے کہا

"شٹ اپ.... اپنے کمرے میں جاؤ.... آج تم سے جو غفلت ہوئی ہے اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار رہو....!"

"مم.... میں بے قصور ہوں باس....!" وہ گڑگڑایا۔

"میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔!" سنگ ہاتھ اٹھا کر دہاڑا اور وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

"ہاں.... تو چلو....!" سنگ شکیلہ کی طرف مڑا۔

"میں تم جیسے اوٹ پٹانگ آدمی کے ساتھ باہر دیکھی جانا پسند نہیں کروں گی۔!"

"کیا میں اتنا ہی بد صورت ہوں.... میری گڑیا....!"

"شٹ اپ....!"

سنگ اسے ندیدے پن سے گھورے جا رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ سنگ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"میرا ہاتھ چھوڑ دو.... ورنہ تباہ ہو جاؤ گے....!" وہ غصیلے لہجے میں چیخی.... "میں مرشد کی کنواری ہوں....!"

"کون مرشد....؟"

"الرشد والے....!"

دفعتاً سنگ نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر ایک دلدوز چیخ ماری اور فرش پر گر کر اس طرح تڑپنے لگا جیسے ٹھیک دل کے مقام پر گولی لگی ہو۔

شکیلہ دروازہ کھول کر جھپاک سے باہر نکل گئی۔

پھر شائد سنگ کی چیخ ہی سن کر وہ آدمی وہاں دوڑ آیا تھا جسے سنگ نے دوسرے کمرے میں جا کر سزا کا منتظر رہنے کو کہا تھا۔

”کک.... کیا ہوا باس....؟“ وہ بوکھلا کر اس پر جھکتا ہوا بولا۔

”کچھ بھی نہیں....!“ سنگ اس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ ”اب چل کر مجھے وہ جگہ دکھاؤ.... جہاں کھیل بگڑا تھا۔!“

وہ عمارت سے باہر نکلے... یہ شہری آبادی کا ایک بھراپُرا حصہ تھا۔ شکیلہ کہیں نہ دکھائی دی۔

وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ خود سنگ اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا تھا اور اس آدمی کو بھی اگلی سیٹ پر اپنے برابر بٹھا دیا تھا۔ گاڑی حرکت میں آ گئی۔

”لل.... لیکن.... اب وہاں کیا ہوگا باس....!“ سنگ کا ساتھی دبی دبی سی آواز میں بولا۔

”اپنے ہونٹ سختی سے بند رکھو....!“

”اُو کے.... باس....!“

◆

ظفر الملک کو ابھی ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ صوفے پر چت پڑا تھا اور عمران اس کی جامہ تلاشی لے رہا تھا۔ ڈان فاگان بھی اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

ظفر کے پاس اس کا سب کچھ موجود تھا حتی کہ وہ جیبی ٹرانس میٹر تک اس کے پاس ہی رہنے دیا گیا تھا جو اُسے محکمے کی طرف سے ملا تھا۔ بغلی ہولسٹر میں ریوالور بھی موجود تھا۔

دفعتاً عمران چونک پڑا۔ وہ اس کا بازو ٹٹول رہا تھا۔ کوئی سخت سی چیز داہنے بازو سے بندھی ہوئی تھی۔ پھر وہ چیز اس نے بازو سے کھول لی۔ دیا سلائی کی ڈبیہ کے برابر رہی ہوگی۔

”اُوہ.... ڈنکٹر....!“ اچانک ڈان فاگان بڑبڑایا۔

”کیا مطلب....!“

”جلدی بتاؤ.... یہ جگہ اُس مقام سے کتنی دور ہوگی جہاں سے ہم اُسے لائے ہیں۔!“

”بس ایک یا ڈیڑھ میل....!“

”اوہو.... تو جلدی سے اپنے تحفظ کا انتظام کرو.... اس ڈنکٹر کا ریسیونگ آپریٹس انہیں سیدھا یہیں لائے گا کیونکہ یہ پانچ میل کے دائرے میں بے حد مؤثر ثابت ہوتا ہے۔!“

”کیا وہ ٹھیک اسی عمارت کے سامنے رک سکیں گے۔!“

”یقیناً ہمارے نئے آلات ایسے ہی مؤثر ہیں۔!“

عمران پھر ظفر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اب وہ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ رہا تھا۔ اس کے بعد ہونٹوں پر ٹیپ چپکا دیا کہ ہوش آنے پر آواز نہ نکال سکے۔ ڈان فاگان اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”تم میرے ساتھ چلو....!“ عمران نے اس سے کہا اور ہٹ میں اندھیرا کر کے باہر نکل آیا۔

”کیا کرنا چاہتے ہو....؟“ ڈان فاگان نے آہستہ سے پوچھا۔

”بس دیکھتے رہو....!“

عمران نے ہٹ کا دروازہ مقفل کر دیا تھا اور اب وہ دونوں اندھیرے میں ایک طرف چلے جا رہے تھے۔

”ان تینوں لڑکیوں کے لئے تم کیا کچھ نہیں کر رہے۔!“ ڈان فاگان بڑبڑایا۔

”کم از کم تین تو ہوں.... ایک آدھ سے کیا فائدہ....!“

”تم لوگ چار چار شادیاں کرتے ہو....!“

”چار کے آگے صفر لگا کر اپنا چالیسواں کرنے کے لئے....!“

”یہ کیا ہوتا ہے....!“

”بہت زوردار ہوتا ہے.... تم نہیں سمجھ سکو گے۔!“

”خیر مجھے کیا.... تمہارا اپنا نجی معاملہ ہے۔!“

”پوری قوم کا نجی معاملہ ہے.... عورت اور پیسہ.... اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی۔!“

”بعض اوقات تمہاری باتیں بالکل سمجھ میں نہیں آتیں۔!“

”ہاں تو اب ہم دیکھیں گے ڈنکٹر کے کمالات....!“ عمران نے کہا اور چلتے چلتے رک گیا۔

چاروں طرف اندھیرے کی اور سناٹے کی حکمرانی تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

عمران نے ڈان فاگان کو وہیں رکنے کو کہا اور خود پنسل ٹارچ کی محدود روشنی میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں ڈنکٹر کو رکھ کر اس کے آس پاس ہی خود بھی چھپ سکے۔ ڈنکٹر اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ اچانک اس میں خود بخود جھنجھناہٹ سی پیدا ہو گئی اور عمران کو رک جانا پڑا اور ڈنکٹر سے آواز آئی۔

”بھتیجے.... تمہارے پراسرار ساتھی نے یہ تو بتادیا کہ یہ ڈنکٹر ہے لیکن اسے شائد علم نہیں کہ اس کے توسط سے ریسیونگ آپریٹس پر میں تم دونوں کی گفتگو بھی سن سکوں گا اور تم تک اپنی آواز بھی پہنچا سکوں گا۔ اس دقت وہ کام ہوا ہے کہ تمہاری ساری خطائیں فوری طور پر معاف کررہا ہوں۔ اور وہ تینوں لڑکیاں بھی صبح تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گی۔ میرے پاس بھانت بھانت کی عورتوں کی کمی نہیں۔ مجھے پہلے ہی ڈان فاگان پر شبہہ ہوا تھا کہ یہ میری نگرانی کے لئے مجھ پر مسلط کیا گیا ہے۔ لہٰذا میں نے تمہارے ملک کی باشندہ لڑکیوں کو اس کے توسط سے پکڑوایا تھا۔ جس کے نتیجے میں بالآخر یہی ہوا کہ وہ تم سے کھل گیا۔ ظفر کو ڈنکٹر سمیت تم تک پہنچانے کا مقصد یہی تھا کہ کسی طرح ڈان فاگان پوری طرح روشنی میں آسکے۔ سنتے رہو.... تمہاری آواز مجھ تک نہیں پہنچ سکے گی۔ مجھے اطلاع ملی تھی کہ تم ایک اجنبی کے ساتھ پولیس اسٹیشن سے برآمد ہوئے ہو۔ اپنے اندازے کے مطابق میں نے اسے ڈان فاگان ہی سمجھا تھا اور تم نے دیکھا کہ یہ اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ میک اپ میں ڈان فاگان ہی نکلا۔ بس پھر میں نے ظفر کو اپنے ایک آدمی کے ساتھ تمہارے تعاقب میں روانہ کردیا۔ ظفر کے پاس رہ کر تم دونوں نے جس قسم کی گفتگو کی تھی اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ٹی تھری بی مجھ پر اعتماد نہیں کرتی۔ خیر یہ ہمارا نجی معاملہ ہے.... میں دیکھوں گا.... ظفر صبح نارمل ہوجائے گا بے فکر رہو.... اور اب سنو.... ڈان فاگان کی آخری چیخ....!“

وہ یقیناً کسی ایسے ہی فرد کی چیخ تھی جس نے انتہائی کرب کے عالم میں دم توڑا تھا۔

ہونا تو یہی چاہئے تھا کہ عمران بے ساختہ اسی طرف دوڑ لگاتا جہاں ڈان فاگان کو چھوڑا تھا لیکن اُس سے اس قسم کی اضطراری حرکت سرزد نہ ہوئی۔

ڈنکٹر کو اس نے بہت دور اندھیرے میں کہیں پھینک دیا اور خود سینے کے بل زمین پر گر کر آہستہ آہستہ اس سمت رینگنے لگا جہاں ڈان فاگان کو ٹھہرا آیا تھا۔

اس کے ریوالور میں پورے راؤنڈ موجود تھے اور اب وہ اس کے داہنے ہاتھ کی گرفت میں تھا۔ سناٹا.... گہرا سناٹا.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے روزِ ازل سے اب تک وہاں کوئی آواز نہ گونجی ہو۔ مطلوبہ جگہ تک پہنچنے میں پورے بیس منٹ صرف ہوئے تھے اور پھر وہاں جو کچھ بھی نظر آیا.... غیر متوقع نہیں تھا۔

ڈان فاگان کی لاش سامنے پڑی تھی دل کے مقام پر دستے تک ایک خنجر پیوست تھا۔

◆

پچھلے دن کی شکست نے جیمسن کی کھوپڑی گھمادی تھی لہٰذا صبح اٹھ کر سب سے پہلے اس نے خود کو ایک ہیئر ڈریسر کے حوالے کردیا۔

چہرہ جھاڑ جھنکاڑ سے پاک ہوا تو چاند سی صورت نکل آئی۔ سر کے بال بھی متوازن انداز میں تراشے گئے تھے۔

بہر حال حلیہ تبدیل کر کے ایک بار پھر اس نے المرشد کی راہ لی۔ اُسے علم نہیں تھا کہ ظفر پر کیا گذری۔ عمران سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اس لڑکی کے بارے میں کیا علم ہو سکتا تھا جو پچھلے دن کسی بدروح کی طرح اس پر مسلط ہو گئی تھی۔

آج اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ مرشد کی اچھی طرح خبر لے گا۔ لیکن المرشد کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے کسی بہت بڑے ماتم کدے میں چلا آیا ہو۔ ہر طرف سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ لان پر بے شمار افراد زارو قطار رو رہے تھے۔ ان میں ایک جانی پہچانی صورت بھی نظر آئی.... یہ شکیلہ تھی۔

جیمسن گاڑی سے اُتر کر اُسی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

”یہ کیا ہورہا ہے.... کیا بات ہے....؟“ اُس نے شکیلہ کو مخاطب کیا۔

شکیلہ اس کی آواز سن کر چونکی.... اُسے غور سے دیکھا اور پھر سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ”ہائے مرشد....!“

”کک.... کیوں.... کیا ہوا مرشد کو....؟“

”پتھر کے ہوگئے....!“

”کیا بکواس ہے....!“

”جاؤ.... خود دیکھ لو....!“ وہ عمارت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”اور مرید وغیرہ کہاں ہیں....؟“

”سب غائب ہوگئے.... ہائے مرشد.... اب شربت فردوس کون دے گا۔ میں تو خودکشی

کرلوں گی.... ہائے سب مر جائیں گی۔!"

جیمسن عمارت کے اس حصے کی طرف جھپٹا جہاں مرشد حلقہ کیا کرتا تھا اور پھر اس نے مرشد کے تخت پر اس کا بت دیکھا اسی مخصوص انداز نشست میں۔

قریب جاکر اُسے چھوا اور متحیر رہ گیا۔ رنگ و روغن کی بناء پر دور سے گوشت و پوست ہی کا معلوم ہوتا تھا.... لیکن حقیقتاً پتھر....!

"ہٹو.... بد بخت ہٹو....!" پشت سے آواز آئی اور جیمسن اچھل کر پیچھے ہٹ گیا.... کئی آدمی دروازے میں کھڑے اُسے گھور رہے تھے۔!

"کیا کررہے ہو....؟" ایک نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"دیکھ رہا تھا....!"

"باہر نکل جاؤ بدنصیب.... تم جیسے بد عقیدہ لوگوں ہی کی وجہ سے ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا۔ ہم ایک بہت بڑی ہستی کے سائے سے محروم ہوگئے۔!"

جیمسن چپ چاپ باہر نکل آیا۔ اُسے سرزنش کرنے والوں میں ایک لڑکی بھی تھی۔ جو اس کے ساتھ ہی آئی تھی۔

"کیا خیال ہے....؟" اس نے جیمسن سے پوچھا۔ "کیا وہ سچ مچ پتھر....!"

"سو فیصد.... سنگ تراشی کا ایک اعلیٰ نمونہ....!" جیمسن ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"تمہیں ہاتھ لگانے کی جرأت کیونکر ہوئی۔!"

"کیوں اس میں جرأت کی بات ہے...." جیمسن اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ انہوں نے تمہیں اس پر کس طرح للکارا تھا۔!"

"پاگل ہوگئے ہیں سب.... وہ کوئی بہت بڑا شعبدہ گر تھا۔!"

"شکر ہے....؟ ایک آدمی تو ایسا ملا....!" لڑکی خوش ہو کر بولی۔ "آؤ کہیں الگ چل کر گفتگو کرتے ہیں۔!"

وہ اسے لان کے ایک دور افتادہ حصے میں لائی۔

"تو تم اسے فراڈ سمجھتے تھے....!" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں.... اول درجے کا فراڈ....!"

"لیکن یہاں کسی کے سامنے یہ بات نہ کہنا....!"

"کیوں....؟"

"کل شام اُس نے حلقے میں کہا تھا کہ کچھ لوگ اسے فراڈ سمجھنے لگے ہیں۔ اس لئے وہ جلد ہی سردار گڈھ کو اپنے فیوض سے محروم کردے گا۔ لوگوں نے ایسے افراد کی نشاندہی چاہی تھی۔ لیکن مرشد نے ایسا نہیں کیا تھا۔!"

"تب تو خطرناک بات ہے.... مجھے اپنی زبان بند ہی رکھنی چاہئے۔ لیکن تم اس بھیڑ سے بالکل الگ معلوم ہوتی ہو۔!"

"ہاں.... اول درجے کا فراڈ تھا.... اس نے مجھے برباد کردیا۔" لڑکی نے کہا اور اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔!

"اوہ.... مجھے افسوس ہے.... افسوس ہے....!" جیمسن بوکھلا گیا۔

"یہ سب برباد ہوچکی ہیں مگر مجبور ہیں۔!" لڑکی خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔

"مم.... مجبور کیوں ہیں....؟"

"اس ناپاک مشروب کی عادی ہوچکی ہیں جو یہاں شربت فردوس کہلاتا ہے۔!"

"یہ کیا بلا ہے....؟"

"یہ نہ پوچھو.... میں نہیں بتا سکتی.... سب کچھ جائے جہنم میں۔!" وہ گھاس پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے روتی رہی۔

جیمسن اسے وہیں چھوڑ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ کمپاؤنڈ سے باہر تھا۔

کچھ دور چل کر ایک جگہ گاڑی روکی اور جیبی ٹرانس میٹر پر عمران سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"ہلو.... کون جیمسن....!" دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔ "تم کہاں ہو....!"

"المرشد کے قریب....!"

"وہاں.... کیا کررہے ہو....!"

"مرشد پتھر کا ہوگیا ہے....!" اس نے کہا اور اس سلسلے میں وہ سب کچھ دہرا دیا جو المرشد میں سن چکا تھا۔

"خوب....!" آواز آئی.... "اچھا تم وہیں ٹھہرو.... میں آرہا ہوں۔!"

"یہاں اُس پتھر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ہز ہائی نس بھی نہیں دکھائی دیئے۔!"

"ظفر میرے پاس ہے.... فکر نہ کرو....!"

"تھینک گاڈ....!" جیمسن نے طویل سانس لی اور ٹرانس میٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

پھر وہ ایک سگریٹ سلگا کر ترچھا ہوا اور آرام سے سیٹ پر پھیل گیا۔ گاڑی سڑک سے ہٹا
ں تھی۔ اس لئے آرام میں خلل اندازی کا خدشہ بھی نہیں تھا۔

پندرہ یا بیس منٹ بعد وہاں عمران کی گاڑی پہنچی تھی۔ ظفر الملک بھی اس کے ساتھ تھا۔

"ارے.... ارے....!" عمران جیمسن کو گھورتا ہوا بولا۔ "یہ تم ہو.... میں تصور بھی نہ
سکتا تھا کہ چھیلے جانے کے بعد اتنے خوبصورت نکلو گے۔!"

"کیا کرتا.... میں تو اس مردود سے نپٹنے آیا تھا۔!" جیمسن نے کہا اور دانت نکال دیئے۔

"ہوں.... خیر.... تو ان لوگوں نے تمہیں بد عقیدہ لوگوں میں سے سمجھا تھا۔!" عمران
ال کیا۔

"جی ہاں.... تم اور ظفر یہیں ٹھہرو.... میں دیکھتا ہوں۔!"

ظفر جیمسن والی گاڑی میں جا بیٹھا.... اور عمران اپنی گاڑی المرشد کی طرف بڑھا لے گیا۔

"کہیئے یور ہائی نس.... کوئی لڑکی ہاتھ لگی....!" جیمسن نے ظفر کو مخاطب کیا۔

"بکواس مت کرو.... میں اس چکر میں تھا کہ اس سے مرعوب نہ ہونے پاؤں۔!"

"اوہ تو اس وقت ہوش ہی میں تھے جب مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔!"

"یقیناً ہوش میں تھا۔!"

"تب تو بڑی زیادتی ہوئی میرے ساتھ۔ اگر امیر حمزہ نے عمرو عیار سے ایسے برتاؤ کیا
وہ بلاشبہ افراسیاب سے جا ملتا۔ خیر بہر حال آپ کی واپسی کیونکر ہوئی تھی۔"

"مجھے کچھ پتا نہیں.... شائد کافی میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔ پھر مجھ پر کیا گذر
میں نہیں جانتا.... آج صبح خود کو عمران صاحب کے قریب پایا تھا۔!"

"کہیں یہ عمران صاحب بھی تو کسی قسم کے مرشد ورشد نہیں ہیں۔!"

"فضول باتیں نہ کرو.... ہم سب ایک بڑی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔ ڈان فاگان ما

، عمران صاحب اپنی ذمہ داری پر حوالات سے نکلوا لائے تھے۔!"

"ارے تو کیا ہم سچ مچ اٹھائی گیرے ہی ہیں۔!" جیمسن نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"اور ہاں سنو.... وہ تینوں لڑکیاں بھی واپس پہنچ گئیں۔!"

"نہیں....!" جیمسن اچھل پڑا۔

"آج صبح.... مرشد نے خود بھجوادیں۔!"

"تبھی صرف پتھر کا ہوا ہے۔ انہیں ایک دن اور روکے رکھتا تو شائد پانی ہو کر بہہ جاتا۔!"

◆

عمران نے المرشد کی کمپاؤنڈ میں گاڑی روک دی اور اترتے اترتے دہاڑیں مار مار کر رونے لگا.... "ہائے.... میں یہ کیا سن رہا ہوں.... ہائے مرشد.... ہائے مرشد....!"

وہاں تو سب ہی گریہ وزاری میں مبتلا تھے۔ کسی نے اس کی طرف دھیان تک نہ دیا۔

وہ برابر فریاد کئے جا رہا تھا۔ "ہائے.... کوئی مجھے اس کی کرامت ہی کا دیدار کرادے.... ہائے مرشد.... ہائے مرشد....!"

اس نے عمارت کے اس حصے کی طرف جانا چاہا جہاں مرشد کا بت موجود تھا لیکن کئی لوگ راہ میں حائل ہو گئے۔

"وہاں کوئی نہیں جا سکتا....!" کسی نے کہا۔

"ہائے.... کیوں.... بھائی....!"

"بد عقیدہ لوگ بے حرمتی کرتے ہیں۔!"

"لیکن میں تو بد عقیدہ نہیں.... مجھے دیدار کر لینے دو.... چار دن ہوئے میرا اونٹ کھو گیا تھا۔ مرشد کی کرامت سے خود ہی واپس آگیا۔!"

"کچھ بھی ہو.... تم اندر نہیں جا سکتے۔!"

"اچھا بھائی.... میں یہیں رو رو کر اپنی جان دے دوں گا۔!" عمران آلتھی پالتھی مار کر لان پر بیٹھ گیا اور رہ رہ کر خاموشی سے اپنے سر پر دو ہتھڑ مارتا رہا۔

پھر اس کے گرد اچھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہوگئی اور کسی نے کہا۔ "میاں.... انہیں زیارت کر لینے دو.... حالت تباہ ہے ان کی۔!"

"ٹھہرو.....!" دفعتاً وہ جھک کر عمران کا گریبان پکڑتا ہوا بولا۔ "مرشد نے خصوصیت اسی بد عقیدہ کی نشان دہی کی تھی مجھے اس کی تصویر دی تھی۔!"

بس پھر کیا تھا۔ وہ بھیڑ عمران پر ٹوٹ پڑی۔ اگر وہ اس اجنبی کے آتے ہی ہوشیار نہ ہوتا تو اپنی ٹوٹ پھوٹ کی مثال ہی تلاش کرتا رہ جاتا۔

وہ ان کے نرغے سے نکل گیا لیکن چاروں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔ "گ گھیرو.... جانے نہ پائے....!"

وحشیانہ انداز میں وہ لوگوں سے ٹکرا رہا تھا۔ انہیں ڈاج دے رہا تھا۔ لیکن پھاٹک سے نکل دشوار ہی دکھائی دیتا تھا۔ آخر وہ عمارت کی طرف بھاگا ایک دروازے سے اندر داخل ہوا اور جھپاک سے بند کرتے ہوئے بولٹ کر دیا۔ پھر راہداری میں دوڑتا چلا گیا۔

اب ان لوگوں کی آوازیں عمارت کے اندر سے بھی آنے لگی تھیں۔ عمران کسی عقبی ر کی تلاشی میں تھا۔ اچانک ایک لڑکی دکھائی دی جو اس کے پیچھے دوڑی آرہی تھی۔

"ٹھہر جاؤ.... ٹھہر جاؤ.... ورنہ مارے جاؤ گے....!"

عمران رک گیا.... اس راہداری میں ابھی تک اس لڑکی کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچا تھا

"میرے ساتھ آؤ....!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر مخالف سمت میں دوڑتی ہوئی بولی اور چند ہی لمحوں کے بعد تیزی سے زینے طے کرتے ہوئے اوپری منزل کی طرف جا رہے تھے۔ نے زینوں کا دروازہ بولٹ کر دیا تھا۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو....؟" عمران نے اپنے چہرے پر حماقت طاری کر کے سوال

"تمہیں ان مہذب وحشیوں کے ہتھے نہیں چڑھنے دوں گی.... تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔

"آخر کیوں.... میں نے کیا کیا ہے....!"

"وہ تمہیں بد عقیدہ سمجھتے ہیں.... حالانکہ میں نے تمہیں بھی روتے دیکھا تھا۔!"

"اور کیا.... ہائے مرشد....!"

"اول درجے کے گدھے معلوم ہوتے ہو....!" وہ بھنا کر بولی۔ "آخر کس بناء پر

نہیں بد عقیدہ سمجھے ہیں۔!"

"پتا نہیں.... میں تو مرشد کی شکل دیکھ کر جیتا تھا۔!"

"لیکن میں نے تمہیں حلقے میں تو کبھی نہیں دیکھا۔!"

"میں مرشد کے خواب میں آیا کرتا تھا۔!"

"صورت سے ایسے ہی معلوم ہوتے ہو....!" وہ ہنس پڑی۔

"بتاؤ نا.... کہاں لے جا رہی ہو....؟"

"آسمان پر........!" لڑکی نے کہا۔ وہ پہلی منزل پر پہنچ کر رک گئی۔

"کیا وہ اوپر نہ آجائیں گے....؟" عمران نے پوچھا۔

"کوئی جرأت بھی نہ کر سکے گا.... مرشد کے علاوہ اوپر اور کوئی نہیں آتا۔!"

"پھر تم کیسے آگئیں....؟"

"وہ مجھے اوپر ہی لا کر خدا تک پہنچنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔!"

"ارے باپ رے.... کیا مطلب....!"

"خاموش رہو.... چلو.... اُدھر بیٹھ جاؤ....!" لڑکی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم تو مجھے خوف زدہ کئے دے رہی ہو۔!" عمران نے کہا اور مسمسی صورت بنائے ہوئے بیٹھ گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا....؟"

"عبدالمنان....!"

"کیا کرتے ہو....؟"

"پولٹری فارمنگ.... یہاں گھومنے پھرنے آیا تھا کہ.... بس کیا بتاؤں۔!"

"میرا نام نسرین ہے.... کچھ دنوں پہلے ایک بے حد شریف لڑکی تھی۔!"

"اب کیا کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے....!" عمران نے احمقانہ انداز میں گھبرا کر پوچھا۔

"تم اول درجے کے احمق معلوم ہوتے ہو.... تم سے کیا بات کی جائے۔!"

"سوال تو یہ ہے کہ اب میں گھر کیسے واپس جاؤں گا....!"

"گھر جا کر کیا کرو گے.... میں یہیں تھپک تھپک کر سلا دوں گی۔!"

"کیسا لگے گا....!" عمران نے شرما کر کہا۔

"خاموش بیٹھے رہو.... ورنہ تھپڑوں پر رکھ لوں گی....!" وہ دانت پیس کر بولی۔

عمران نے سہم جانے کی ایکٹنگ کی تھی۔

ٹھیک اسی وقت بائیں جانب والے دروازے سے تین آدمی نمودار ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں سائیلنسر لگا ہوا بڑا سا پستول تھا۔

لڑکی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی.... عمران جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔

"کک.... کیوں....؟" لڑکی ہکلائی۔

مسلح آدمی نے عمران کی طرف اشارہ کر کے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اسے گرا کر باندھ لو۔!"

"آخر کیوں.... ایک سیدھے سادھے آدمی کے پیچھے پڑے ہو!" لڑکی روہانسی ہو کر بولی۔

"تم خاموش رہو....!"

"میں پوچھ رہی ہوں تمہیں اُوپر آنے کی جرأت کیسے ہوئی.... یہاں میرے اور مرشد کے علاوہ اور کوئی نہیں آتا۔!"

"بکواس بند کرو....!"

لڑکی عمران کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

"ہٹ جاؤ.... سامنے سے....!" مسلح آدمی غرایا۔

"ہرگز نہ ہٹنا....!" عمران کراہا۔

پھر دونوں آدمی لڑکی کو ہٹا دینے کے لئے آگے بڑھے ہی تھے کہ عمران نے ایک زوردار چیخ ماری۔ "ارے آگئے۔!"

اس کے بعد مسلح آدمی کی تو شامت ہی آگئی تھی۔ اس نے مڑ کر دوسری طرف دیکھا ہی تھا کہ اچھل کر دور جا پڑا.... اُدھر اس کے پیٹ پر عمران کی لات پڑی تھی اور ادھر پستول خود اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔

"پیچھے ہٹو....!" اس نے اس کے دونوں ساتھیوں کو للکارا۔ "دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔!"

انہوں نے اضطراری طور پر تعمیل کی تھی۔ تیسرا آدمی دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ دبائے فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تمہیں پستول چلانا آتا ہے....!" عمران نے لڑکی سے پوچھا۔

"نہیں....!" وہ خوف زدہ لہجے میں بولی۔

"ارے باپ رے.... مجھے بھی نہیں آتا۔!"

"بالکل گھامڑ ہو....!" وہ دانت پیس کر بولی۔ "ان کے سامنے کیوں کہہ رہے ہو۔!"

"بھائی جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ....!"

"پکڑو مردود کو...." تیسرا آدمی پیٹ دبائے ہوئے چیخا۔

"اے.... مردود.... وردود نہ کہنا.... ہاں....!" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "گالیاں نہیں برداشت کر سکتا۔!"

"پکڑو.... یہ فائر نہیں کر سکے گا....!" تیسرا آدمی دہاڑا۔

پھر جیسے ہی وہ دونوں ہاتھ گرا کر عمران کی طرف جھپٹے اس نے جھکائی دے کر ایک کی کنپٹی پر وزنی پستول کا دستہ رسید کر دیا۔ دوسرے کے منہ پر بائیں ہتھیلی پوری قوت سے پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا تیسرے آدمی پر جا پڑا۔ اس نے کراہ کر اسے ایک گندی سی گالی دی تھی۔

جس کی کنپٹی پر پستول کا دستہ پڑا تھا وہ تو پھر اٹھ ہی نہ سکا۔ دوسرا آدمی سنبھل ہی رہا تھا کہ عمران نے ان دونوں پر چھلانگ لگائی۔ پستول کی نال اب بھی اس کی مٹھی میں جکڑی ہوئی تھی۔ ایک کی کھوپڑی پر پھر اس کا دستہ کام کر گیا۔ اب تیسرا پوری طرح عمران کی گرفت میں تھا۔ اس نے پستول لڑکی کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "اسے سنبھالو۔!"

لڑکی بُری طرح بوکھلائی ہوئی تھی۔ پستول کو ہاتھوں پر روکنے کی کوشش میں خود بھی منہ کے بل فرش پر چلی آئی۔

عمران تیسرے آدمی کو گھسیٹ کر اٹھاتا ہوا بولا "اب بتاؤ.... وہ کہاں ہے....؟"

"کک.... کون....؟"

"تمہارا باس....!"

"مم.... میں کچھ نہیں جانتا۔!"

"گردن کی ہڈی اس طرح توڑ دوں گا کہ تم آواز بھی نہ سن سکو گے۔!"

اس نے اپنے دونوں بیہوش ساتھیوں کی طرف دیکھا اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

"وہ آدھے گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہ آسکیں گے۔!" عمران احمقانہ انداز میں ہنس کر بولا۔ "میری بات کا جواب دو۔!"

"مم.... میں نہیں جانتا.... مجھے بیٹھ جانے دو.... کھڑا نہیں رہ سکتا۔!"

عمران نے اس کا گریبان چھوڑ دیا اور وہ دھم سے فرش پر بیٹھ گیا۔ پیٹ اب بھی دونوں ہاتھوں سے دبا رکھا تھا۔

"آرام سے بیٹھو....!" دفعتاً عمران نے بے حد نرم لہجے میں کہا اور بغلوں میں ہاتھ دے کر اسے دیوار سے ٹکاتا ہوا بولا۔ "پٹائی ضرور کر دیتا ہوں لیکن بعد میں ترس بھی آتا ہے۔ چیونگم دوں!"

اس نے سر کو منفی جنبش دی اور آنکھیں بند کر لیں۔!

لڑکی اس کے پیچھے کھڑی متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائے جا رہی تھی۔

عمران نے مڑ کر اس کی طرف چیونگم کا پیکٹ بڑھا دیا۔

"تت.... تم.... نکل چلنے کی فکر کیوں نہیں کرتے۔!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"چیونگم....!"

اس نے عمران کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ارے.... ارے.... تو اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔!" عمران نے اس کے ہاتھ سے پستول لیتے ہوئے کہا۔ "لاؤ.... کہیں خود بخود نہ چل جائے۔!"

لڑکی کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے کبھی وہ ان تینوں کی طرف دیکھتی اور کبھی عمران کو گھورنے لگتی۔!

آہستہ آہستہ تیسرے آدمی پر بھی غشی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

"اے.... اے.... تو وہ بھی گیا....!" عمران اُسے پُر تشویش نظروں سے دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔

"آخر.... تم کرنا کیا چاہتے ہو.... یہ لوگ کیوں تمہارے دشمن ہو گئے ہیں۔!"

"کیا تم انہیں پہلے بھی یہاں دیکھ چکی ہو....؟"

"نہیں.... یہ چہرے میرے لئے بالکل نئے ہیں۔!"

عمران نے اس دروازے کی طرف دیکھا جس سے وہ تینوں اس کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"آؤ...." وہ لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "دیکھیں کہ آخر یہ کہاں سے نازل ہوئے تھے۔!"

دوسرے کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ بند کیا اور اسے بولٹ کرتا ہوا لڑکی سے بولا۔

"پھر کہہ رہا ہوں کہ چیونگم کا ایک پیس ٹرائی کرو.... دل کو خاصی ڈھارس ہو جائے گی۔!"

"کیسی ڈھارس....؟"

"مجھے ڈھارس کے معنی ہی نہیں معلوم بس زبان سے نکل گیا تھا.... معاف کر دو.... بھلا یہ بھی کوئی لفظ ہوا.... ڈھارس.... اونہہ....!"

"تم آخر ہو کیا چیز....!"

"تمہی پتا لگاؤ.... مجھے تو نہیں معلوم....!" عمران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کمرے میں فرنیچر نہیں تھا۔ لیکن فرش پر اعلیٰ درجے کا قالین بچھا ہوا تھا سامنے بھی ایک دروازہ نظر آیا۔ عمران آگے بڑھ کر اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن شائد وہ مقفل تھا۔

"خوب....!" وہ سر ہلا کر پر تفکر لہجے میں بولا۔ "تو یہ اسی کمرے میں تھے۔ لیکن ٹھہرو.... ہو سکتا ہے ان میں سے کسی کے پاس دروازے کی کنجی موجود ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔!"

وہ پھر اس کمرے میں واپس آیا جہاں وہ تینوں بیہوش پڑے تھے۔ ان کی جامہ تلاشی لے ڈالی کسی کے پاس سے بھی کنجی بر آمد نہ کر سکا۔ مایوسانہ انداز میں سر ہلاتا ہوا قالین والے کمرے میں داخل ہوا۔ لڑکی دیوار سے لگی کھڑی بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"کیوں.... کیا ہوا.... کیا بات ہے....؟" عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ابھی میں نے عجیب سی آواز سنی تھی اور فرش ہلنے لگا تھا۔!" اس نے خوف زدہ سی آواز میں کہا۔

"اوہ.... ادھر آؤ....!" وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ پہلے کمرے میں کھینچ لایا۔ پھر خود دروازے کے قریب جا کھڑا ہوا تھا۔

فرش قالین سمیت آہستہ آہستہ نیچے جا رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے.... یہ کیا ہو رہا ہے....؟" وہ عمران کو جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔

"تم ہی بتاؤ.... میں تو پہلی بار اس عمارت میں داخل ہوا ہوں۔!" عمران نے کہا اور وہی سائیلنسر لگا ہوا پستول نکال لیا جو کچھ دیر پہلے حملہ آوروں سے چھینا تھا۔

لڑکی آگے بڑھ کر اسی کے قریب آکھڑی ہوئی تھی اور حیرت سے نیچے جاتے ہوئے فرش کو دیکھے جا رہی تھی۔

پھر جو کچھ ہوا تھا اچانک ہی ہوا تھا۔ عمران کسی طرح بھی اس کا تدارک نہ کر سکا۔

سامنے والی دیوار کے ایک سوراخ سے دھوئیں کا ایک کثیف مرغولہ اُمنڈ کر ان کے چہروں پر آیا تھا اور وہ دوہرے ہو کر اسی فرش پر جا گرے تھے جو اب تیز رفتاری سے نیچے جا رہا تھا۔

* * *

الرشد میں عمران کے سلسلے میں جو ہنگامہ برپا ہوا تھا اس کی خبر ان دونوں تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔۔۔!" ظفر بڑبڑایا۔ "ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔!"

"سنئے یور ہائی نس۔۔۔۔!" جیمسن بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کچھ دیر پہلے وہاں میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں ہوا تھا اور آپ بھی مرشد کے آدمیوں کے لئے جانے پہچانے ہیں۔!"

"کچھ بھی ہو۔۔۔۔!"

"میں بغیر سوچے سمجھے کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا یور ہائی نس۔۔۔۔!"

یہ دونوں ابھی تک وہیں موجود تھے جہاں عمران انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ عمران سے متعلق اطلاع اس طرح ملی تھی کہ الرشد سے واپس آنے والوں میں سے ایک ان کے قریب رُک گیا تھا اور سگریٹ سلگانے کے لئے ان سے دیا سلائی مانگی تھی لوگ اب بھی اُدھر سے گذر رہے تھے۔

"میرا خیال تو یہ ہے کہ ہمیں یہاں سے ہٹ ہی جانا چاہئے۔!" جیمسن بولا۔

ظفر جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک اسٹیشن ویگن قریب سے گذری اور تھوڑی دور جا کر رک گئی۔ اس پر سے پانچ لڑکیاں چھلانگیں مارتی ہوئی اتری تھیں اور ان کی طرف دوڑتی چلی آئی تھیں۔

"یہ مردود بھی انہی میں سے ہے۔!" ایک لڑکی ظفر کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخی۔

دونوں نے اسے پہچان لیا تھا۔ یہ شکیلہ تھی۔

انہوں نے اپنی جیپ سڑک سے اتار کر ناہموار زمین پر روکی تھی۔ لہٰذا فوری طور پر بھاگ نکلنے کا امکان بھی نہیں رہا تھا۔ جتنی دیر میں خود کو سنبھالتے لڑکیاں ان پر ٹوٹ پڑیں۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ سنئے تو سہی۔۔۔۔!" ظفر بوکھلا کر بولا۔

"یہ سننے کے لئے نہیں پیدا ہوئیں یور ہائی نس۔۔۔۔ بھاگئے۔۔۔۔!" جیمسن چھلانگ مار کر جیپ سے کودتا ہوا بولا۔

ظفر جیپ ہی میں رہ گیا تھا۔ پھر کسی نہ کسی طرح وہ بھی نیچے کودنے میں کامیاب ہو گیا۔

اب وہ دونوں نشیب میں دوڑے جا رہے تھے اور لڑکیاں اُن پر پتھراؤ کر رہی تھیں۔

چار تو جہاں تھیں وہیں سے پتھر چن چن کر ان پر پھینک رہی تھیں۔ لیکن شکیلہ نے بہت زیادہ جوش میں آکر تعاقب کی ٹھان لی تھی۔

پتھروں کی رینج سے نکل کر وہ رک گئے۔۔۔۔ لیکن پتھر اب بھی برسائے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ چاروں پاگل ہو گئی ہوں۔

"اوہو۔۔۔۔ ایک تو دوڑی آرہی ہے۔!" جیمسن اچھل کر پھر بھاگا۔ لیکن ظفر جہاں رکا تھا وہیں کھڑا رہا۔

شکیلہ قریب پہنچ کر پھر جھپٹ پڑی۔ ظفر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے تھے۔ اور وہ اچھل اچھل کر اس کے منہ پر ٹکریں مارنے کی کوشش کر رہی تھی۔

جیمسن کچھ دور جا کر رکا اور چیخنے لگا۔ "بھاگئے چھڑا کر۔۔۔۔ وہ بھی چلی آرہی ہیں۔!"

ظفر نے چونک کر اُدھر دیکھا تو سچ مچ انہیں بھی اُدھر ہی دوڑ لگاتے پایا۔ شکیلہ کو پرے جھٹک کر وہ بھاگا۔

اس کے بعد تو بس وہ منہ اٹھائے دوڑتے ہی چلے گئے تھے۔ چاروں لڑکیاں پھر رک کر پتھر چننے لگی تھیں۔ لیکن شکیلہ تھی کہ دیوانہ وار ان کے پیچھے دوڑی ہی آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دوسری دنیا تک تعاقب کا ارادہ رکھتی ہو۔

"ڈوج دینے کی کوشش کیجئے۔!" جیمسن نے ظفر کو مخاطب کیا۔

"تم میری مٹی بھی پلید کرا دیتے ہو۔!" ظفر بولا۔ "آخر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔!"

"پانچ عدد پاگل لڑکیاں۔۔۔۔ خدا کی پناہ۔۔۔۔ میرے لئے تو ایک ہوش مند بھی موت کا باعث بن سکتی ہے۔!"

"اچھا بس۔۔۔ ٹھہر جاؤ۔۔ وہ بہت پیچھے رہ گئی ہیں۔ آؤ اس درے میں گھس چلو۔۔۔۔!"

یہ جگہ دشوار گذار تھی لہٰذا تیز رفتاری کو برقرار رکھنا آسان نہیں تھا۔ سامنے والی دراڑ میں

داخل ہونے سے قبل ظفر نے ایک بار پھر پلٹ کر دیکھا۔ شکیلہ نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ البتہ وہ چاروں نہ دکھائی دیں۔

ظفر رک گیا اور جیمسن کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی روکنے کی کوشش کی۔ "ٹھہر جاؤ! شیرنی نہیں ہے۔!"

"آپ کے ساتھ دیکھ کر مجھے بھی پہچان لے گی۔!"

"میں کہتا ہوں بکواس بند کرو.....!"

جیمسن برا سا منہ بنائے ہوئے رک گیا۔ دونوں شدت سے ہانپ رہے تھے۔

آن کی آن میں شکیلہ بھی وہیں آپہنچی۔ لیکن احمقوں کی طرح انہیں گھورتی اور ہانپتی رہی۔ پھر اس طرح لڑکھڑائی جیسے بیہوش ہو کر گرنے والی ہو۔

ظفر نے ہاتھ بڑھا کر اسے سہارا دیا اور جیمسن دوسری طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شکیلہ کے ساتھ ظفر کا رویہ بہت گراں گزرا ہو۔

ظفر نے شکیلہ کو سہارا دے کر بٹھا دیا اور آہستہ سے بولا۔ "آدمی بنو..... بتاؤ..... اس رویے کی کیا وجہ ہے۔ میں مرشد کا دشمن نہیں ہوں۔!"

وہ کچھ نہ بولی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں۔ ٹھیک اس وقت جیمسن کی نظر بائیں جانب والی چٹان پر پڑی اور اس کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ تین رائفلوں کی نالیں ان کی جانب اٹھی ہوئی تھیں اور ایک آدمی چٹان سے نیچے اتر رہا تھا۔

اس نے ظفر کو بھی اس جانب متوجہ کیا۔ شکیلہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ یہ آدمی مرشد کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

قریب پہنچ کر وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔ "چپ چاپ اس درے میں داخل ہو جاؤ۔!"

"یقیناً..... یقیناً..... یور ہائی نس.....!" جیمسن نے بڑے ادب سے کہا۔ ظفر نے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھا تھا لیکن وہ اس کی پرواہ کئے بغیر درے میں داخل ہو گیا۔ مرشد نے شکیلہ کا بازو پکڑ کر آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "مرشد کا سایہ ہمیشہ تم پر رہے گا۔ تم شربت فردوس سے محروم نہیں ہو سکتیں۔!"

"مجھے سب کچھ مل گیا..... اب میں زندہ رہوں گی.....!" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

درے کی طوالت کم از کم پچاس فٹ ضرور رہی ہو گی۔ دوسری طرف پہنچ کر انہوں نے خود کو ایک بہت ہی دشوار گزار راستے پر پایا۔ یہاں مزید چار مسلح آدمی دکھائی دیئے جن کے ریوالور اُن کی طرف اٹھ گئے تھے۔

◆

پھر حرکت کرتا ہوا فرش تھم گیا۔ عمران نے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں دبا رکھی تھیں ان میں ایسی شدید جلن تھی جیسے کسی نے مرچوں کا سفوف جھونک دیا ہو۔

نسرین تو کراہ رہی تھی۔ پھر اسی حالت میں کسی نے عمران کو جکڑ لیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی لیکن ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی بنا پر تکلیف میں دس گنا اضافہ ہو گیا ہو۔ لہٰذا پھر آنکھیں بند کر لینی پڑی تھیں۔ شائد دو آدمی اسے گھسیٹتے ہوئے کسی طرف لئے جا رہے تھے وہ نسرین کی کراہیں بھی سن رہا تھا۔

شائد پندرہ منٹ تک اُسے چلنا پڑا تھا۔ پھر بغلوں میں ہاتھ دے کر اُسے کسی اونچی جگہ پر چڑھایا گیا تھا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے..... بھائیو.....!" عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

لیکن جواب ملنے کے بجائے کسی وزنی دروازے کے بند ہونے کی آواز آئی.... آنکھوں کی جلن بدستور قائم تھی۔

"ارے..... یار بولتے کیوں نہیں.....!" اُس نے پھر ہانک لگائی۔

"میری آنکھیں پھوٹی جارہی ہیں۔!" نسرین کی آواز آئی۔

"نہیں پھوٹیں گی.....!" عمران نے بڑے وثوق سے کہا۔

"پتا نہیں..... کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی۔ کاش تمہاری مدد کرنے کی کوشش نہ کرتی۔!"

"اب تو کر چکیں مدد..... کیا ہو سکتا ہے۔!" عمران مایوسانہ لہجے میں بولا۔

دفعتاً پیروں تلے گڑگڑاہٹ سی محسوس ہوئی اور عمران لڑکھڑا کر گر پڑا.... پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا جیسے زلزلہ آگیا ہو.... نسرین بھی شائد گر کر ہی چیخی تھی۔

کچھ دیر بعد اس گڑگڑاہٹ کی حقیقت عمران پر واضح ہو سکی۔ وہ یقیناً کسی ریلوے ٹرین کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ تھی اور زلزلہ نہیں تھا بلکہ ٹرین حرکت میں آئی تھی۔

”تت.... تم.... کہاں ہو....؟“ اُس نے نسرین کی آواز سنی۔

”یہیں.... تمہارے.... پاس....!“

”اور وہ لوگ....؟“

”پتا نہیں.. ویسے میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں بغیر ٹکٹ سفر کرتے ہوئے پکڑ لانا چاہتے ہیں۔!“

”کیا تمہاری آنکھیں کھل گئی ہیں۔!“

”دل کی آنکھیں روشن ہیں.... فکر نہ کرو۔!“

”شائد تم سچ مچ صحیح الدماغ نہیں ہو!“ وہ جھلا کر چیخی۔ ”میں اب بھی آنکھیں نہیں کھول سکتی۔!

”اچھا ہی ہے.... اگر اُن مردودوں نے تھرڈ کلاس میں بٹھایا ہے تو آنکھیں کھلنے پر میں اپنی سخت توہین محسوس کروں گا اور شائد تمہارا بھی یہی حال ہو۔!“

”خاموش رہو.... تمہاری آواز زہر لگ رہی ہے۔!“

”میرا خیال ہے کہ ٹرین سرنگ میں چل رہی ہے۔!“

”یہ کیسے کہہ سکتے ہو....!“

”آواز کی بناء پر.... ابھی تک پل بھر کے لئے فضا میں نہیں آئی اور سردار گڈھ کی ریلوے لائن ایسی کسی بھی سرنگ سے نہیں گذرتی۔ چھوٹی چھوٹی سرنگیں ہیں۔!“

”کہنا کیا چاہتے ہو....؟“

”شائد ہم لندن کے کسی ٹیوب سے گذر رہے ہیں۔!“

”میں کہتی ہوں خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔!“

”بیوقوف آدمی گونگے تو نہیں ہوتے۔!“

”تم خدا کے لئے خاموش ہو جاؤ۔!“

”اچھی بات ہے.... تم کچھ دیر پہلے میری مدد کر چکی ہو اس لئے خاموش ہوا جاتا ہوں۔!“

”تم مرشد کے بارے میں کیا جانتے ہو....؟“

”کچھ بھی نہیں....! ادھر سے گذر رہا تھا لوگوں کو روتے دیکھا تو خود بھی رونے لگا۔! ایسی ہی عادت ہے میری....! اسی لئے دیسی فلمیں نہیں دیکھتا.... ادھر ولن ہیروئن کو اٹھا کر گیا اور ادھر ولن کی ماں للکارتی ہوئی پہنچی۔ ٹھہراوئے کھوتے دے پتر میں کیا جانتی تھی کہ اک سانپ کو دودھ پلا پلا کر پال رہی ہوں۔ اور پھر نکال دونالی بندوق اور دیا ٹھائیں سے۔ ادھر میں دہاڑیں مار مار کر سینما ہال میں رونا شروع کر دیتا ہوں۔!“

”تم جھوٹے ہو....!“

”اچھا کبھی چلنا میرے ساتھ۔!“

”میں کہتی ہوں بکواس بند کرو....!“

”خود ہی بولتی ہو پھر بکواس بند کرا دیتی ہو۔!“

”میں مرشد کو اپنے ہاتھوں سے قتل کرنا چاہتی ہوں۔!“

”مم.... مگر وہ تو پتھر کا ہو گیا ہے۔!“

”بکواس ہے.... اسی طرح شعبدے دکھاتا رہتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابلیس آدمی کے روپ میں آجائے تو مرشد ہی ہو گا۔!“

”ابلیس بڑی سے بڑی حماقت کر سکتا ہے لیکن آدمی کا روپ کبھی نہیں دھار سکتا۔!“

”اُوہ.... میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ لیکن کچھ دیکھ نہیں سکتی۔ خدایا کیا بینائی جاتی رہی۔!“

”میں کہہ رہا ہوں کہ گاڑی کسی طویل سرنگ میں چل رہی ہے۔ ہم گہرے اندھیرے میں ہیں۔ آنکھیں بخیریت ہیں۔!“

عمران بھی اب کچھ دیر خاموش رہ کر حالات پر غور کرنا چاہتا تھا۔ اس نے وزارت خارجہ کے سیکریٹری کو سردار گڈھ میں سنگ کی موجودگی سے مطلع کر دیا تھا اور اپنی پوری ٹیم وہاں طلب کر لی تھی۔ بلیک زیرو کو حالات سے بالتفصیل آگاہ کرتے ہوئے کچھ خاص ہدایات بھی دی تھیں۔ ڈان فاگان کے قتل نے اسے دشواری میں ڈال دیا تھا۔ کیونکہ سردار گڈھ کے حکام اصل حالات سے آگاہ نہیں تھے۔ ایس پی اپنی ذمہ داری پر عمران کے لئے سہولتیں فراہم کرتا رہا تھا اس لئے اس کے اس طرح غائب ہو جانے پر خود اس کی پوزیشن خراب ہو سکتی تھی۔

بہر حال دشواریاں ہی دشواریاں تھیں اور سب سے بڑی دشواری یہ لڑکی نسرین.... جس کی زبان کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ اب اس نے شربت فردوس کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

”یہ ایک ایسا نشہ آور مشروب ہے جس کی وجہ سے بے شمار لڑکیاں اس کی غلام ہو کر رہ گئی تھیں!“

”مردوں کو نہیں پلاتا....؟“

”مردوں کو کیوں پلائے گا....!“

”حالانکہ مردوں کو غلام بنانے میں زیادہ فائدہ ہے۔ خیر تو تم بھی شربت فردوس کے لئے!“

”ہرگز نہیں.... میں نے صرف ایک بار پیا تھا اور اپنا سب کچھ کھو دیا تھا۔ ایک احسان کے عوض اس نے میرا سب کچھ چھین لیا۔ اس کے بعد سے صرف اس لئے اس کے قریب رہی تھی کہ کبھی تو مجھے اس کو قتل کر دینے کا موقع مل ہی جائے گا۔!“

عمران کچھ نہیں بولا۔ گاڑی کی رفتار کم ہو رہی تھی اور اب آنکھوں کی جلن بھی قطعی طور پر زائل ہو گئی تھی۔ لیکن گہرے اندھیرے کی وجہ سے وہ نسرین کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ گاڑی رکنے والی ہے۔!“ نسرین بولی۔ ”تم کیا سوچ رہے ہو....؟“

”یہی کہ شربت فردوس پیئے بغیر ہی مارا گیا۔!“

”سچ بتاؤ تم کون ہو.... تم نے کس بُری طرح ان تینوں کو مارا تھا۔ بظاہر اول درجے کے احمق معلوم ہوتے ہو۔!“

”حماقت ہی میں تو سب کچھ کر بیٹھتا ہوں۔ اب وہ لوگ میری چٹنی بنا کر رکھ دیں گے۔!“

”کیا یہ مرشد کوئی بڑا بدمعاش ہے۔!“

”مجھ سے پوچھ رہی ہو....؟“

”مطلب یہ کہ وہ حملہ آور اسی کے آدمی تھے۔!“

”پتا نہیں.... اب یہ گاڑی کسی طرح رکے تو معلوم ہو کہ کیا چکر ہے۔!“

گاڑی کی رفتار بتدریج کم ہوتی گئی اور آخر کار وہ رک گئی تھی۔ لیکن اندھیرے میں کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی نسرین کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اب وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔ اچانک عمران نے کسی کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔

”کیا آپ جاگ رہے ہیں....؟“

”یہ کون ہے.... یہ کون بولا تھا....؟“ نسرین بے ساختہ بولی۔

”کون ہو بھائی.... اپنا نام بتاؤ....!“ عمران نے اونچی آواز میں کہا۔

”ارے کون.... اُوہ یور میجسٹی....!“

”جیمسن....!“ عمران نے طویل سانس لی۔

”آپ کہاں سے بول رہے ہیں....؟“

”اندھیرے سے.... جہاں ہو.... وہیں پڑے رہنا.... ظفر کہاں ہے....؟“

”میں نہیں جانتا.... آپ کے چچا نے ہم دونوں کو گھیرا تھا پھر ہمارے سروں پر ضربیں لگائی گئیں اپنی بیہوشی تو یاد ہے پتا نہیں ہز ہائی نس پر کیا گذری۔!“

”میں بہت دیر سے سب کچھ سن رہا ہوں....!“ یہ ظفر کی آواز تھی۔

”تھینک گاڈ....!“ جیمسن کی آواز آئی۔

”یہ لوگ کون ہیں عبدالمنان....؟“ نسرین نے پوچھا۔

”وبالِ جان.... قبر تک میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔!“

”کسی نے تمہیں یور میجسٹی کہا تھا۔!“

”اسی طرح مکھن لگا کر میری دولت کا صفایا کر رہے ہیں۔!“

”ان خاتون کی تعریف یور میجسٹی....!“ جیمسن کی آواز آئی۔

”کس کس خاتون کی تعریف کروں.... ہر ایک اپنی جگہ پر لاجواب ہے....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

دفعتاً ایسی آواز آئی جیسے کوئی آہنی دروازہ کھولا گیا ہو۔ پھر ٹارچ کی روشنی میں عمران کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں۔ ساتھ ہی کسی نے گرج کر کہا۔ ”کوئی غیر ذمہ دارانہ حرکت موت کے منہ میں لے جائے گی۔ لہٰذا جو جہاں ہے وہیں ٹھہرے۔!“

”بہت دیر سے ٹھہرے ہوئے ہیں بھائی صاحب....!“ عمران نے مردہ سی آواز میں کہا۔

”ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دو....!“ پھر وہی آواز آئی۔

وہ کئی آدمی تھے اور مسلح معلوم ہوتے تھے۔ عمران نے ٹارچ کی روشنی میں ٹامی گنوں کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں اور آنے والوں نے انہیں سہارا دے کر نیچے اتارا۔ اس کے بعد ایک تکلیف دہ سفر شروع ہوا تھا۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ چند نامعلوم آدمیوں کے سہارے گرتے پڑتے چلے جا رہے تھے۔!

* * *

وزارتِ خارجہ کے سیکریٹری کے براہِ راست احکامات کی بناء پر المرشد سے معتقدین کی بھیڑ

ہٹادی گئی تھی۔ یہ اسی شام کو ہوا جس دن عمران المرشد میں داخل ہوا تھا۔ عمارت کے گرد مسلح فوجیوں کا پہرہ تھا۔

عمران کے چار ماتحت صفدر، چوہان، خاور اور صدیقی بھی فوجی افسروں کی وردیوں میں وہا موجود تھے۔! انہوں نے پوری عمارت کی تلاشی لے ڈالی۔ لیکن وہاں انہیں کوئی ایسی چیز نہ مل جو قانونی نکتہ نظر سے قابلِ اعتراض ہوتی۔

مرشد کا بت بدستور موجود تھا۔

”آخر........ یہ مرشد ہے کیا بلا؟“ چوہان اس کے بت کو گھورتا ہوا بڑبڑایا۔

ٹھیک اسی وقت بت سے آواز آئی۔ ”اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو اس عمارت سے ا فرلانگ دور چلے جاؤ.... صرف دس منٹ کا وقت دیا جاتا ہے۔!“

”تم کون ہو.... سامنے آؤ....!“ صفدر نے اونچی آواز میں کہا۔

”مرشد.... ادب سے جھک جاؤ۔!“

”ہمیں روحانیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔!“ صفدر نے خشک لہجے میں کہا۔ ”سامنے آ آدمیوں کی طرح بات کرو....!“

”اگر تم اس عمارت کے ملبے میں دب کر مرنا ہی چاہتے ہو تو شوق سے ٹھہرو....!“ بت آواز آئی۔ ”دس منٹ بعد خوف ناک قسم کے دھماکے اسے پیوند زمین کر دیں گے۔!“

صفدر نے بوکھلا کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

”نکل چلو....“ خاور آہستہ سے بولا۔ ”ہو سکتا ہے دھمکی صحیح ثابت ہو۔!“

پھر وہ بہت تیزی سے باہر نکلے تھے اور عمارت کی نگرانی پر متعین فوجیوں کو بھی وہاں سے لے گئے تھے۔ جیپوں پر بیٹھ کر پانچ منٹ کے اندر وہ کئی فرلانگ دور نکل گئے۔

ٹھیک دسویں منٹ پر سچ مچ پورا سردار گڈھ متعدد دھماکوں سے لرز کر رہ گیا تھا۔ المرشد **بعض حصے اس طرح منہدم ہوئے تھے جیسے کسی اندیکھی چکی میں پس کر ریزہ ریزہ ہوگئے ہ** رات گئے تک گہرا غبار سردار گڈھ کی فضا پر منڈلاتا رہا۔ صفدر اور اس کے ساتھیوں کو عمران ظفر اور جیمسن کی تلاش تھی۔

رات کے بارہ بجے تھے اور وہ سڑکوں پر مارے مارے پھر رہے تھے۔ دفعتاً صفدر کو ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔

”اِٹ از صفدر....!“ صفدر نے جواب دیا اور پھر اس نے ایکس ٹو کی آواز سنی۔ بلیک زیرو ایکس ٹو کی آواز میں کہیں سے مخاطب کر رہا تھا۔

”تم نے عمارت کے منہدم ہو جانے والے حصے کا جائزہ لیا یا نہیں....؟“

”جی ہاں.... ہم دیکھ چکے ہیں.... میرا خیال ہے کہ صرف وہی حصے تباہ ہوئے ہیں جہاں تہہ خانے رہے ہوں گے۔ ورنہ پوری عمارت تباہ کی جا سکتی تھی۔“

”تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ ان کی تلاش جاری رکھو.... ویسے مجھے ملنے والی اطلاع کے مطابق ایک بیوقوف سے آدمی کا جھگڑا مرشد کے معتقدین سے ہوا تھا اور اسمارٹ قسم کے نوجوانوں پر کچھ لڑکیوں نے پتھراؤ کیا تھا اور وہ اپنی گاڑی سڑک پر چھوڑ کر المرشد کے قریبی غیر آباد حصے میں بھاگ گئے تھے پھر وہاں سے ان کی واپسی کا سراغ نہیں ملتا۔!“

”تو پھر ہمیں اس طرف ضرور جانا چاہئے۔!“

”اس وقت نہیں.... فی الحال صرف شہری آبادی تک محدود رہو.... اُوور اینڈ آل....!“

صفدر ٹرانس میٹر کا سوئچ آف کرنے ہی والا تھا کہ دوسری آواز آئی۔

”میں مرشد بول رہا ہوں۔ تم سبھوں پر میری نظر ہے۔ ان تینوں کے لئے.... سرگردان ہونا فضول ہے۔ المرشد کے مشرقی حصے کا ملبہ ہٹا کر جب چاہو ان کی لاشیں برآمد کر سکتے ہو.... اُوور اینڈ آل....!“

صفدر سناٹے میں آ گیا۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ اس کے تینوں ساتھی بھی قریب ہی موجود تھے۔ انہوں نے بھی سب کچھ سنا تھا اور گونگے ہو کر رہ گئے تھے۔

دفعتاً پھر بلیک زیرو کی آواز آئی۔ ”کیوں....؟ تم اس خبر سے نروس ہو گئے ہو۔!“

”خبر ہی ایسی ہے جناب....!“ صفدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”اپنے ٹھکانوں پر واپس جاؤ.... اب تمہیں فون پر ہدایات ملیں گی۔ ٹرانس میٹر مت استعمال کرو۔ اُوور اینڈ آل....!“

صفدر ٹرانس میٹر کا سوئچ آف کرنے ہی جا رہا تھا کہ پھر وہی آواز آئی۔ ”خیریت چاہتے ہو تو اس معاملے کو یہیں ختم کر دو ورنہ سردار گڈھ کی ہر عمارت اسی طرح خاک کا ڈھیر ہو جائے گی۔

اور سنو! مشرقی حصے کا ملبہ ضرور ہٹوانا۔!"

صفدر نے جھلا کر سوئچ آف کر دیا۔

"سنو.... سنو....! اور کیا کہہ رہا ہے۔!" چوہان بولا۔

"جھک مار رہا ہے.... میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔!"

"یہ تو ہونا ہی تھا ایک دن....!" صدیقی نے دبی زبان سے کہا۔

"خاموش رہو....!" صفدر پیر پٹخ کر بولا۔ "میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔!"

خاور نے بات آگے نہ بڑھنے دی پھر وہ نہایت خاموشی سے اپنے ٹھکانوں کی طرف روا ہو گئے.... صفدر کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

"خود کو سنبھالو....!" خاور اس کا بازو پکڑتا ہوا بولا۔ "ہمیں بھی صدمہ پہنچا ہے۔ عمران کا بُرا نہیں تھا۔!"

"خاموش ہو جاؤ.... مرشد بکواس کرتا ہے.... عمران جیسے لوگ چوہوں کی طرح نہیں کرتے۔" صفدر کی آواز وحشت زدہ تھی۔

"ہاں.... ہاں.... ہمیں بھی یقین نہیں ہے....!" خاور نے آہستہ سے کہا۔

"وہ پتہ نہیں کس لئے مشرقی حصے کا ملبہ ہٹوانا چاہتا ہے۔!"

"اُسے بھی دیکھ لیں گے۔!"

وہ خاموشی سے چلتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد صفدر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"دوستو! میری تلخ کلامی معاف کر دو.... میں ایسے انداز میں عمران کا ذکر نہیں سننا چا یقین کرو....! شکرال والا عمران اس طرح نہیں مر سکتا۔!"

"چھوڑو اس ذکر کو.... یقیناً مرشد نے ہمیں غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔!"

انہوں نے وہ رات کسی نہ کسی طرح گذاری تھی اور صبح ہوتے ہی ایکس ٹو کی ہدایت مطابق الرشد کے مشرقی حصے کا ملبہ ہٹانے کا کام شروع کر دیا تھا اور پھر تین چار گھنٹوں کی جد کے بعد سچ مچ ایسی تین لاشیں برآمد کر لی تھیں جو بُری طرح کچلی جانے کی بناء پر قطعی ط ناقابل شناخت ہو گئی تھیں۔

صفدر چکرا کر گر پڑا۔

* * *

وہ چاروں ایک خیمے میں مقید تھے جس کے گرد مسلح آدمیوں کا پہرا تھا۔

پچھلے دن ان کے سفر کے اختتام پر جب آنکھوں پر پٹیاں کھولی گئی تھیں تو عمران نے خود کو اسی بستی میں پایا تھا جہاں کچھ دنوں پہلے وہ بندر بنا کر لائے گئے تھے۔

نسرین کی حالت ابتر تھی۔ زیادہ تر خاموش رہتی اور اگر کوئی اسے مخاطب کرتا تو چونک کر اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگتی جیسے خود کو یقین دلانا چاہتی ہو کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہی۔

جیمسن سب سے زیادہ لاپرواہ نظر آرہا تھا۔ ظفر الملک نے وجہ پوچھی تو مسکرا کر بولا۔ "ہو سکتا ہے زندگی مختصر ہو.... اس لئے یہ عرصہ سوچ بچار میں کیوں گذارا جائے۔!"

"قدیم یونان کا باشندہ معلوم ہوتا ہے۔!" عمران نے سر ہلا کر کہا۔

"تم لوگ پتا نہیں کون ہو.... اور کیا کرنا چاہتے ہو....!" نسرین بڑبڑائی۔

"تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔!" عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔ "کیا تم اسے قتل کرنا نہیں چاہتیں؟"

"اپنی خیر مناؤ....!" وہ دیوانوں کی طرح ہنس پڑی۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ عمران نے گھڑی دیکھی دن کے نو بج رہے تھے۔ صبح انہیں معقول قسم کا ناشتہ ملا تھا اور ابھی تک کسی نے بھی ان سے گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پچھلی رات عمران نے خیمے کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ وہاں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جس کے ذریعے ان کی گفتگو کہیں اور بھی سنی جا سکے۔ لہٰذا وہ بڑی دلجمعی سے اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتا رہا تھا۔

"اب آپ کیا سوچ رہے ہیں یور میجسٹی....؟" جیمسن نے دفعتاً اسے مخاطب کیا۔

"تمہی بتاؤ کہ مجھے کیا سوچنا چاہئے۔!"

"اوہو...." ظفر چونک پڑا.... وہ خیمے سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کی استعجابیہ آواز پر وہ بھی اس سمت مڑے تھے۔ سامنے سے شکیلہ آتی دکھائی دی۔

وہ خیمے میں گھس آئی اور جیمسن کو مکا دکھا کر بولی۔ "تو یہ تم ہو.. میری اس بدنصیبی کا باعث۔!"

"میں نہیں سمجھا محترمہ.... آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔!"

"ڈاڑھی مونچھیں صاف کرا سکتے ہو لیکن آواز کا کیا کرو گے۔!" شکیلہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"وہ تو میں اپنی ہر سالگرہ پر صاف کرا دیتا ہوں۔!"

"میں تم سے بدلہ لوں گی۔!"

"بالوں کی صفائی کے بعد اب مجھ میں رہا ہی کیا ہے کہ آپ بدلہ لیں گی۔!"

"بڑی معقول بات کہہ رہا ہے۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "اب اسے معاف کر دو کہ اس کا وزن ساڑھے تین پونڈ سے زیادہ نہیں رہا۔!"

"تم خاموش رہو.... تم بھی میری بربادی کا باعث بنے ہو۔!"

"مم.... میں نے شائد تمہیں مرشد کے پاس دیکھا تھا۔!" نسرین نے شکیلہ کو مخاطب کیا۔

"میں بھی تمہیں جانتی ہوں.... تم نسرین ہو اور اب معلوم ہوا کہ تم بھی مرشد کے دشمنوں میں سے ہو۔!"

"تو کیا یہ لوگ سچ مچ مرشد کے دشمن ہیں۔!"

"بالکل.... سو فیصد....!" اس نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اور یہ تو مرشد کا بھتیجا بنا بیٹھا تھا۔!"

نسرین نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور عمران کو گھورتی ہوئی بولی۔ "تم مرشد کے دشمن کیوں ہو گئے ہو۔!"

"چچا بھتیجے کا معاملہ ہے تم اس چکر میں نہ پڑو.... اگر میں اس کا بھتیجا نہ ہوتا تو وہ اب تک مجھے ختم کر چکا ہوتا۔!"

"لیکن تم عنقریب ختم کر دیئے جاؤ گے۔!" شکیلہ نے بُرے لہجے میں کہا۔

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکتی....!" نسرین بڑبڑائی۔

"بہر حال آپ نے اس وقت کیوں تکلیف فرمائی۔!" جیمسن نے شکیلہ کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"تم لوگ میرے چارج میں دیئے گئے ہو۔!"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔!" عمران بولا۔ "اب ہم ایک دوسرے کو اور زیادہ آسانی سے سمجھ سکیں گے۔!"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔!"

"ابھی تمہاری عمر اتنی زیادہ نہیں ہوئی کہ ان باتوں کو سمجھ سکو....!"

"تم اپنے کو سمجھتے کیا ہو۔!"

"تم بتاؤ کہ تم مجھے کیا سمجھتی ہو....!" عمران نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"اول درجے کا ڈفر....!"

"شکریہ....! تو پھر ہم شادی کب کر رہے ہیں۔!"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔!"

"تو پھر تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ مجھے ڈفر سمجھو....!"

"یور میجسٹی....! آپ خواہ مخواہ نہ الجھیں.... ان محترمہ کو صرف مجھ سے شکایت ہونی چاہئے کہ شیو کرانے کی جلدی میں انہیں قطعی بھول گیا تھا۔!"

"ہونق نظر آنے لگے ہو۔ ڈاڑھی میں اچھے لگتے تھے۔!" عمران بولا۔ پھر شکیلہ کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ انداز بالکل احمقانہ تھا۔ شکیلہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اُس کے تیور بہت کڑوے تھے۔

"اب میرے چچا جان کہاں تشریف رکھتے ہیں۔!" اُس نے شکیلہ سے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی.... وہ یہاں تو نہیں آئے تھے۔!"

"تم پہلے کبھی یہاں آچکی ہو۔!"

"نہیں.... لیکن میں تمہیں کچھ کیوں بتاؤں۔!"

"بس ثابت ہوا میرا چچا تم پر بھی ایک بہت بھیانک تجربہ کرنے والا ہے۔!"

"کیا مطلب....؟"

"خود ہی دیکھ لو گی.... میں کیوں بتاؤں....؟"

"جہنم میں جائے.... میں تو تم سے یہ معلوم کرنے آئی تھی کہ دوپہر کو کیا کھاؤ گے۔!"

"جو دل چاہے بھجوا دینا.... ویسے تمہارے لئے یہ ایک سنہرا موقع ہے۔ کھانے میں ہمیں زہر دلوا دو.... اگر دشمن سمجھتی ہو۔!"

"میں یقیناً ایسا ہی کرتی لیکن مرشد کا حکم ہے تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔!"

"دیکھا تم نے....!" عمران نسرین کی طرف دیکھ کر چہکا۔ "کتنا زبردست بھتیجا ہوں۔!"

پھر شکیلہ واپس جانے کے لئے مڑی ہی تھی کہ عمران بولا۔ "چچا اچھی طرح جانتا ہے کہ ہم

یہاں سے نکل نہیں سکتے۔ پھر اس پہرے چوکی کی کیا ضرورت ہے۔!"

"مجھے مرشد نے بتایا ہے کہ تم بہت خطرناک آدمی ہو۔!"

"اپنے ٹھکانے پر ضرور تھا لیکن یہاں تو کسی چوہے کی طرح بے بس ہوں۔!"

"کہنا کیا چاہتے ہو....؟"

"یہاں سے پہرہ ہٹا دیا جائے میں اپنی سخت توہین محسوس کر رہا ہوں۔!"

"مرشد کی اجازت کے بغیر ناممکن ہے۔!"

"اُن سے کس طرح رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔!"

"میں نہیں جانتی۔!"

"کیا تم بھی اُسی ٹرین کے ذریعے یہاں پہنچی تھیں۔!"

"کیسی ٹرین....؟" وہ عمران کو گھورتی ہوئی بولی۔ "مجھے تو مرشد کی روحانی قوت نے یہاں تک پہنچایا تھا۔!"

"ضرور ایسا ہی ہوا ہوگا۔ اب دیکھنا کہ بھتیجا تمہیں اپنی روحانی قوت سے انگلستان کے تخت پر بٹھا دے گا.... شربت فردوس کے مٹکے سمیت۔!"

شکیلہ نے اس ریمارکس پر ایسا منہ بنایا تھا جیسے دل ہی دل میں عمران کو کوئی گندی سی گالی دی ہو پھر وہ خیمے سے چلی گئی تھی۔

دوبارہ دوپہر کے کھانے کے ساتھ آئی تھی۔ ساتھ ہی خوش خبری بھی لائی تھی کہ ان پر سے پہرا ہٹا لیا گیا ہے۔

"مرشد کا خیال ہے کہ تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔!" اس نے کہا۔ "کیونکہ وہ راستہ اب تمہیں نہیں مل سکے گا جس سے پہلی بار فرار ہوئے تھے۔!"

"دیکھا.... میں نہ کہتا تھا۔" عمران خوش ہو کر بولا۔ "ارے یہاں سے جانا ہی کون چاہتا ہے۔ ہم تینوں اتنے مقروض ہیں کہ اگر واپس گئے تو جیل ہی کی شکل دیکھنی پڑے گی۔!"

"تمہیں خوش حالی نصیب ہو سکتی ہے اگر مرشد کا حکم مانو....!"

"ارے تو ہم پہلے ہی کب حکم سے باہر تھے.... بس ذرا سی گھریلو نااتفاقی ہمارے افتراق کا باعث بن گئی تھی۔ چچی جان کو مکئی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ پسند تھا اور میں کہتا تھا کہ اللہ پاک نے سرسوں صرف تیل کے لئے بنائی ہے۔ اسے ساگ کی شکل میں ضائع نہ کرنا چاہئے۔!"

"چچی جان؟ کیا مطلب اُوہ.... تو کیا مرشد کی بیوی....!"

"ہاں.... پچھلے سال اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ اب فکر کی بات نہیں۔!"

"لیکن مرشد تو کہتے ہیں کہ انہوں نے کبھی شادی ہی نہیں کی۔!"

"شادی ایسی ہی باعث شرم حرکت ہے کہ کوئی بھی شریف آدمی کسی لڑکی کو اس کے بارے میں بتانا پسند نہیں کرے گا۔!"

"کھانا کھاؤ....!" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "شائد بھوک سے تمہارا دماغ ماؤف ہو رہا ہے۔!"

پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ کھانا لانے والا بھی خیمے سے باہر چلا گیا تھا۔

"تم کیوں اس سے اتنی باتیں کرتے ہو!" نسرین نے غصیلے لہجے میں عمران کو مخاطب کیا۔

"مکھن لگائے بغیر یہاں سے نکلنا مشکل ہوگا۔!"

"مجھے تو یہ جگہ سردار گڈھ سے بھی زیادہ شاداب معلوم ہوتی ہے۔!"

کھانے کے بعد نسرین سو گئی تھی۔

ظفر نے عمران سے کہا۔ "اتنے دنوں سے ہم جھک مار رہے ہیں لیکن ابھی تک مقصد کم از کم میری سمجھ میں نہیں آسکا.... آخر یہ بستی یہاں کیوں بسائی گئی ہے اور مرشد سردار گڈھ میں کیوں جھک مار رہا ہے۔!"

"میں اب کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔!" عمران یک بیک سنجیدہ نظر آنے لگا۔

ظفر اُسے استفہامیہ نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

عمران کچھ دیر بعد طویل سانس لے کر بولا۔ "ہمیں یہاں صرف ایک چیز تلاش کرنی پڑے گی۔!"

"وہ کیا....؟"

"اسلحے کا ذخیرہ.... مرشد سردار گڈھ میں سچ مچ جھک نہیں مارتا رہا تھا۔!"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔!"

"ہم بڑی دشواریوں میں ہیں.... تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔!"

"آخر کچھ بتائیے بھی تو۔!"

"بتا دوں گا.... فی الحال مجھے اور سوچنے دو۔!"

◆

بستی کی شام بڑی خوش گوار تھی۔ سورج کی آخری شعائیں ہری بھری پہاڑیوں پر گویا پگھلا ہوا سونا ڈھلکا رہی تھیں۔ ہوا کے جھونکے عجیب طرح کی خوشبو فضا میں بکھیر رہے تھے۔

وہ چاروں خیمے سے نکل آئے۔ ان کے ساتھ کوئی نگران نہیں تھا۔ بستی کے لوگ انہیں یونہی رواروی میں دیکھتے اور قریب سے نکلے چلے جاتے۔ جیمسن نے ایک آدھ کو متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن عمران نے اُسے سختی سے منع کر دیا تھا۔

”بالکل ایسے بنے رہو جیسے تمہیں ان سے کوئی سروکار نہ ہو۔!“ اس نے کہا۔

”لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے یور میجسٹی.. یہ لوگ تو مجھے گونگے اور بہرے معلوم ہوتے ہیں۔!“

”بھول جاؤ کہ تم آدمیوں کے درمیان ہو.....!“

”یہ طلسم ہوشربا کا شہر ناپرساں، معلوم ہوتا ہے.....!“

”حجرہ ہائے ہفت بلا میں سے ایک سمجھ لو..... مرشد افراسیاب کی جگہ کیسا رہے گا۔!“

”آج کل ہم بے حد کلاسیکل زندگی بسر کر رہے ہیں۔!“ جیمسن خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

”ٹھیک کہتے ہو.....اب کوئی جادوگر ہی ہمیں دوبارہ سردار گڈھ پہنچا سکے گا۔ ظاہر ہے کہ ہم اس ٹرین کے اسٹیشن کا بھی پتا نہیں لگا سکیں گے کیونکہ ہماری آنکھوں پر پٹیاں کس دی گئی تھیں۔!“

”کیا خیالَ ہے آپ کا.....! وہ سرنگ المرشد ہی سے شروع ہوئی ہو گی۔!“ ظفر نے پوچھا۔

”شائد.....!“ عمران نے فکر مندانہ لہجے میں جواب دیا۔

”کیا تم لوگ ایسی گفتگو نہیں کر سکتے جس سے دل بہلے۔!“ نسرین بول پڑی۔

”دل بہلنے کی صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ کسی طرح مرشد تک رسائی ہو جائے۔!“ جیمسن نے کہا۔

”تم کس قسم کی گفتگو پسند کرتی ہو.....!“ عمران نے پوچھا۔

”میں بتاتا ہوں.....!“ جیمسن دانت نکال کر بولا۔ ”فلاں کی خالا فلاں کے پھوپھا کے ساتھ بھاگ گئی..... فلیتہ بیگم کی ساس بڑی جل ککڑی ہے۔ پڑوسن کی بیٹی جلد ہی کسی سڑک چھاپ ہیرو کے ساتھ فرار ہو جائے گی..... اور میں خود تو بنتِ فرشتہ ہوں۔!“

”تم گدھے ہو.....!“ وہ جھنجھلا کر بولی۔ ”میں اس قسم کی گفتگو پسند نہیں کرتی..... اپنی زبان کو لگام دو۔!“

جیمسن بُرا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا پھر دو چار لمبے لمبے قدم بڑھا کر اُن سے ذرا فاصلے پر چلنے لگا تھا۔

عمران نے لڑکی سے کہا۔ ”میرا یہ ساتھی ظفر الملک بڑا دلچسپ آدمی ہے۔ اپنی باتوں سے تمہارا دل بہلا سکتا ہے لہٰذا تم اس کے ساتھ رہو اور میں اس نانہجار کی خبر لیتا ہوں جس نے تمہارا دل دکھایا ہے۔!“

ظفر غالباً سمجھ گیا تھا کہ عمران کیا چاہتا ہے لہٰذا فوراً ہی بول پڑا۔ ”یہ بھی ضروری نہیں کہ ہم چاروں اکٹھے گھومیں..... ہم تم کسی دوسری طرف نکل چلیں۔!“

”بالکل..... بالکل.....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

اس طرح ظفر اور نسرین ان سے الگ ہو گئے اور عمران نے آگے بڑھ کر جیمسن کو روکتے ہوئے کہا۔ ”ہم یہاں پکنک پر تو آئے نہیں ہیں کیا خیال ہے تمہارا۔!“

”یہی میں بھی سوچ رہا ہوں کہ آخر ایک لڑکی آپ کے ساتھ کیوں پائی جاتی ہے۔!“

”ادھر بیٹھ جاؤ۔“ عمران نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔!

پھر دونوں ہی بیٹھ گئے تھے۔ ظفر اور نسرین اب ان سے بہت دور مخالف سمت میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

”میں اور سنگ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”اچھا تو پھر.....!“

”مجھ پر قابو پانے کے بعد مجھے قتل کر دینا چاہئے تھا۔ اگر وہ کبھی اسی طرح میرے جنگل میں آپھنسے تو دوسرے ہی لمحے میں اس کی لاش میرے سامنے پڑی ہو گی۔!“

”چلئے ٹھیک ہے میں سمجھ گیا.....!“

”آخر وہ ہمیں یہاں کیوں لایا ہے۔!“

”میں بھی صرف یہی سوچتا رہا ہوں۔!“ جیمسن سر ہلا کر بولا۔

”سنگ جیسے لوگ بے وجہ کوئی کام نہیں کرتے..... یہ بستی دوسرے ملک کے علاقے میں

قائم کی گئی ہے اور اسے ایک سرنگ کے ذریعہ ہمارے ملک کے ایک حصے سے ملا دیا گیا ہے۔!“

”اور اس سرنگ میں ٹرین بھی چلتی ہے۔ یہ سب کچھ کس طرح ہوا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی...!“ جیمسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میرا خیال ہے کہ سنگ نے کسی طرح اس سرنگ کو استعمال کیا ہے جس میں مینگنیز کی کان کی بار برداری والی گاڑی چلتی ہے۔!“

”کیا سردار گڈھ میں کوئی ایسی کان موجود ہے...؟“

”ہاں... ایک دوست ملک کے تعاون سے وہاں مینگنیز کی کان دریافت ہوئی تھی جس میں کام ہو رہا ہے۔!“

”تب تو ہو سکتا ہے... اوہ کہیں یہ سنگ غیر ملکی ماہرین کان کنی میں بھی نہ شامل ہو۔!“

”میری دانست میں تم ٹھیک نتیجے پر پہنچے ہو...!“ عمران نے طویل سانس لی۔

”لیکن بات اَب بھی صاف نہیں ہوئی۔ آخر ہم یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔“ جیمسن نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”جس ملک کی سرحد میں یہ بستی قائم کی گئی ہے اس سے ہمارے اتنے اچھے تعلقات ہیں کہ زمانہ جنگ میں ہم اس کے ہوائی اڈے تک استعمال کر سکتے ہیں۔!“

”مگر بڑی عجیب بات ہے کہ اس ملک کو اس بستی کا علم نہ ہو۔!“

”یہ اس کا ایک ایسا دور افتادہ بنجر حصہ ہے کہ اس طرف کبھی توجہ نہیں دی گئی اور ہم سے قریبی دوستانہ تعلقات کی بناء پر بھی اس حصے کی خصوصی حفاظت کی طرف دھیان نہیں دیا گیا۔ بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ سنگ اس طرح شائد دونوں ملکوں کے تعلقات خراب کرا دینا چاہتا ہے کیونکہ یہ ہمارے ایک دشمن ملک کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگا۔ زیرو لینڈ والے ایسے ہی ہتھ کنڈوں سے اپنی مالی پوزیشن مستحکم کرتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے سنگ کسی معقول معاوضے پر اس دشمن ملک کے لئے کام کر رہا ہو۔!“

عمران خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ جیمسن بھی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ ”اب میں بھی کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں۔!“

”میں اپنی حرکتوں کی وجہ سے دور دور تک بدنام ہوں۔!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اور میرا باپ مرکزی محکمہ سراغ رسانی کا سربراہ ہے فرض کرو اگر سنگ ہمارے ملک میں بنا ہوا اسلحہ یہاں اسمگل کر کے لایا ہو... اگر اس کا ذخیرہ مجھ سمیت یہاں دریافت کر لیا جائے تو تم خود سوچو کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔!“

”میرے خدا...!“ جیمسن اچھل پڑا۔ چند لمحے عمران کو حیرت سے دیکھتا ہوا بولا ”میں آپ سے متفق ہوں۔ آپ اسی لئے زندہ ہیں کہ وہ آپ کو اس طرح استعمال کرنا چاہتا ہے۔!“

”دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہو جائیں گے۔!“ عمران مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

”لہٰذا ہمیں اسی نکتہ نظر سے یہاں اپنے کام کا آغاز کرنا ہوگا۔!“

”لیکن ہم صرف تین ہیں اور سنگ آپ کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہے۔!“

”دیکھا جائے گا...!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

”ویسے ایک غلطی ہوئی...!“ جیمسن پُر تفکر لہجے میں بولا۔ ”اس بستی سے واپسی پر فوراً ہی آپ کو اس ملک کی کسی ذمہ دار شخصیت سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا۔!“

”اس سے بھی بات نہ بنتی... اس بستی کے لوگ اسی ملک کے خانہ بدوش بھی معلوم ہوتے ہیں۔ جھونپڑیوں اور خیموں کی بستی ہے۔ آن کی آن میں اسے خانہ بدوشوں کا کارواں بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ سنگ بے حد چالاک ہے... کسی بھی معاملے کا ہر پہلو اس پر روشن رہتا ہے۔ لیکن اس کی سب سے بڑی کمزوری ”عورت“ اس کے لئے بسا اوقات سب سے بڑی دشواری بھی بن جاتی ہے۔ اگر اس سے ڈینی کی لڑکیوں کو اٹھوا لینے کی حماقت سرزد نہ ہوتی تو نہ اس بستی کا سراغ مل سکتا اور نہ مرشد ہی کی پول کھلتی۔ ڈان فاگان اسی لئے اس کی نگرانی پر مامور کیا گیا تھا کہ اگر وہ اس سلسلے میں بہکے تو زیرو لینڈ کی سربراہ کو اس کا علم ہو جائے۔!“

”لیکن وہ بیچارہ اس سے پہلے ہی مار ڈالا گیا۔!“ جیمسن نے ٹھنڈی سانس لی۔

”خیر... اب سنو ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں صرف اپنی اور تمہاری بات کر رہا ہوں۔ ان دونوں کو ہم خیمے ہی میں سوتا چھوڑ جائیں گے۔ تلاش کا آغاز خیمے کے آس پاس ہی سے ہوگا۔!“

”لیکن ہو سکتا ہے کہ رات کو وہ پہرا لگا دیں۔!“

”یہ سب مجھ پر چھوڑ دو... تمہیں بس ہر وقت تیار رہنا ہے۔!“

”اس اعتماد کے لئے شکر گذار ہوں۔ یور میجسٹی...! شائد پہلی بار آپ نے مجھے اس حد تک

منہ لگایا ہے۔!“

”میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھیوں میں سے کون کس وقت کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ اچھا بس اب اٹھو.... واپس چلیں.... اندھیرا پھیل رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے لئے جو خیمہ استادہ کیا گیا ہے وہ اسلحہ کے ذخیرے سے زیادہ دور نہ ہوگا۔ اس کی پشت پر بکھری ہوئی چٹانیں بہت کچھ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔!“

وہ دونوں اٹھ کر پھر بستی کی طرف چل پڑے۔ آہستہ آہستہ اندھیرا پھیل رہا تھا اور خنکی بڑھ گئی تھی۔!

ظفر اور نسرین خیمے ہی میں موجود تھے اور انہیں ہنستے بولتے ملے تھے۔

”جناب کیا تیر مار آئے....!“ نسرین عمران کی طرف دیکھ کر چہکی۔

”ہم بھی غم غلط کر رہے تھے۔“ جیمسن نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”مجھے اپنی بکری یاد آ رہی تھی اور ہز میجسٹی اس پر مغموم تھے کہ ابھی تک ان کا عقیقہ نہیں ہو سکا.... اسی لئے بُری روحیں پیچھا کرتی رہتی ہیں۔!“

”تم اپنی چونچ بند رکھا کرو۔!“

جیمسن بھنا کر دوسرے گوشے میں بیٹھ رہا۔ عمران سچ مچ بے حد مغموم نظر آنے لگا تھا ظفر کبھی جیمسن کی طرف دیکھتا اور کبھی عمران کی طرف۔ دونوں نے سکوت اختیار کر رکھا تھا۔

”پھر بوریت شروع ہو گئی....!“ نسرین عمران کو گھورتی ہوئی بولی۔

”دراصل مجھے نیند آ رہی ہے۔!“ عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ حقیقتاً فکر مند تھا اور خاموش رہ کر صرف سوچنا چاہتا تھا۔

شکیلہ رات کے کھانے کے ساتھ بھی آئی تھی اور عمران اُسے دیکھ کر پھر سے اسی کھنڈرے موڈ میں آ گیا تھا جس کی نسرین متمنی رہی تھی۔

”سنو....! میں سچ مچ اپنے چچا سے مل کر معافی مانگنا چاہتا ہوں۔!“ عمران نے اس سے کہا۔

”تو پھر میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گی۔!“ شکیلہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

”تم مل سکتی ہو....!“

”اگر مجھے علم ہو گا کہ وہ کہاں ہیں تب ہی تو مل سکوں گی۔!“

”تم نہیں جانتیں....؟“

”ہرگز نہیں....!“

”پھر ان کے احکامات تم تک کیسے پہنچتے ہیں۔!“

”میں اپنے خیمے میں اُن کی آواز سنتی ہوں۔!“

”آواز کہاں سے آتی ہے....؟“

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آواز میرے دل سے آئی ہو۔!“

جیمسن سڑا سا منہ بنا کر نسرین کی طرف دیکھنے لگا اور وہ مضحکانہ انداز میں ہنس پڑی۔

”کیوں تم.... اس طرح کیوں ہنسی تھیں....!“ شکیلہ نسرین کو گھورتی ہوئی غرائی۔

”میرے منہ لگنے کی کوشش نہ کرنا.... کھال کھینچ لوں گی۔!“ نسرین بھی بپھر گئی۔

”نہیں....!“ عمران دونوں کے درمیان آتا ہوا بولا۔ ”آپس میں لڑتی ہوئی خواتین مجھے ایسی لگتی ہیں جیسے دو سیارے ایک دوسرے سے ٹکرانے والے ہوں۔!“

”نہیں....! تم ہٹو میں بتاؤں اسے۔!“ شکیلہ آپے سے باہر ہوتی ہوئی بولی۔

”میں بھی کسی دُم دار ستارے سے کم نہیں.... جس پر بھی دم پڑ گئی قیامت تک روتی رہے گی۔! لہٰذا اپنی اپنی راہ لگو.... مناسب سمجھو تو مجھے اپنے خیمے میں لے جا کر چچا کی آواز سنوا دو.... میں وہیں ان سے معافی مانگ لوں گا۔!“

”مرشد سے پوچھے بغیر میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی۔!“

”دوڑ کر پوچھ آؤ.... تب تک ہم کھانا کھا لیں۔!“

شکیلہ نسرین کو گھورتی ہوئی خیمے سے چلی گئی۔

”تم بیچ میں نہ آ جاتے تو سچ مچ مارتی۔!“ نسرین بولی۔

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ لیکن شکیلہ نہ پلٹی.... دفعتاً عمران چونک کر ایک ایک کو گھورنے لگا۔ ان کی آنکھیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ظفر کے زور سے چٹکی لی اور وہ تلملا کر آنکھیں پھاڑنے لگا.... یہی برتاؤ اس نے جیمسن سے بھی کیا تھا۔ پھر اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ عمران آہستہ سے بولا۔ ”کھانے میں ہمیں کوئی خواب آور چیز دی گئی ہے۔!“

اتنے میں نسرین بیٹھے ہی بیٹھے خراٹے لینے لگی تھی۔ عمران تیزی سے جھکا اور اپنے بائیں پیر کے جوتے کا فیتہ کھولنے لگا۔ پھر جوتا اتار کر اس میں سے پلاسٹک کی ایک تھیلی نکالی تھی۔ گلاس میں پانی انڈیلا اور تھیلی اسی میں خالی کردی۔ سفید رنگ کا سفوف پانی کی سطح پر تیرنے لگا تھا۔ اُسے حل کرنے میں چند سیکنڈ صرف ہوئے تھے۔

"اینٹی ڈوٹ!" اس نے گلاس جیمسن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "لیکن صرف ایک گھونٹ۔!"

تینوں نے ایک ایک گھونٹ لے کر گلاس خالی کردیا۔

"اب اسی طرح بیٹھے بیٹھے سونے کی اداکاری شروع کردو!" عمران نے نسرین کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "نیند تو اب نہیں آئے گی۔ پھر جو کچھ بھی ہو ہونے دینا۔ تاوقتیکہ میں کچھ شروع نہ کردوں۔! یہ بیچاری تو گئی ہاتھ سے.... ایک بار پھر سن لو.... جب تک میں کوئی قدم نہ اٹھاؤں تم دونوں ہر حال میں سوتے بنے رہو گے۔!"

"اُو کے یور میجسٹی....!" جیمسن مسکرایا۔ اس نے فوری طور پر محسوس کیا تھا کہ ذہنی اضمحلال دور ہونے لگا ہے۔!

پھر پانچ منٹ کے اندر اندر وہ تینوں بھی کرسیوں پر بیٹھے سوتے نظر آئے۔ بیس منٹ اور گذرے اس کے بعد انہیں خیمے کے باہر کئی قدموں کی چاپیں سنائی دی تھیں لیکن صرف شکیلہ خیمے میں داخل ہوئی تھی۔ "ارے واہ بھئی۔" اس نے اونچی آواز میں قہقہہ لگا کر کہا۔ "بیٹھے ہی بیٹھے سو گئے۔!" پھر اس نے انہیں نام بنام آوازیں دی تھیں مگر کسی نے جنبش تک نہ کی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک کو جھنجھوڑا بھی تھا اُس کے بعد اُس نے کسی کو مخاطب کرکے اونچی آواز میں کہا۔

"آجاؤ....! بیہوش ہو چکے ہیں۔!"

چھ آدمی تین اسٹریچر سنبھالتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے۔

"لڑکی کو یہیں چھوڑو.... اور ان تینوں کو لے چلو۔!" عمران نے شکیلہ کو کہتے سنا۔

◆

آدھا گھنٹہ گذر گیا لیکن وہ اسٹریچر ہی پر مقیم رہے۔ انہیں اٹھا کر چلنے والے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسٹریچر زمین پر رکھ کر سستانے لگتے تھے۔ عمران کے اندازے کے مطابق انہوں نے خاصی مسافت طے کی تھی۔ راہ میں کبھی چڑھائی پڑتی اور کبھی وہ سنبھل سنبھل کر نشیب میں

اترنے لگتے۔ عمران دم سادھے اسٹریچر پر پڑا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ جیمسن اور ظفر کی کامیاب اداکاری بھی بدستور قائم ہو گی۔

پھر شائد ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ نامعلوم منزل پر پہنچ سکے تھے۔ اسٹریچر زمین پر رکھ دیئے گئے اور کسی مرد کو کہتے سنا گیا۔ "اب ان پر کمبل ڈال دو۔ صبح تک سوتے رہیں گے اور تم دونوں یہیں ٹھہر کر ان کی نگرانی کرو گے۔ صبح تمہاری جگہ دوسرے لیں گے۔!"

کچھ دیر بعد انہیں کمبل اوڑھا دیئے گئے اور کسی نے کہا۔ "ہم بھی لمبی تان کر سوئیں۔!"

"نہیں....! ہمیں نگرانی کرنی ہے۔!" دوسری آواز آئی۔

"بکواس ہے....! میں تو سوتا ہوں.... جب یہ صبح تک سوتے رہیں گے تو پھر ہم کیوں خواہ مخواہ جھک ماریں۔!"

"اچھی بات ہے تم سو جاؤ، میں تو جاگتا رہوں گا۔ میری جیب میں ایک دلچسپ کتاب موجود ہے۔!"

عمران نے جھک کر کمبل سے جھانک کر دیکھا وہ ایک موم بتی روشن کر رہا تھا۔ دوسرا آدمی کمبل اوڑھے ایک پتھر سے ٹکا ہوا نظر آیا۔ موم بتی روشن کرنے والا ایک کتاب کھول کر اس پر جھک پڑا تھا۔ دونوں کی ٹامی گنیں ان کے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ کتاب پڑھنے والے کا رخ عمران کی طرف نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک آدمی کے خراٹے سُنے۔

دوسرے نے اُسے مڑ کر دیکھا تھا اور پھر کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

عمران نے بائیں جانب سر گھمایا۔ دوسرا اسٹریچر قریب ہی تھا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر سکتا تھا لیکن پتا نہیں وہ جیمسن تھا یا ظفر تینوں اسٹریچر قریب ہی قریب رکھے گئے تھے۔

کتاب پڑھنے والا گویا دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔ عمران نے ایک بار پھر دائیں جانب سر گھما کر انہیں دیکھا.... دوسرے کے خراٹے اب بھی سنائی دے رہے تھے۔

وہ بہ آہستگی اٹھا.... بے آواز رینگتا ہوا اُس آدمی کے پاس جا پہنچا جو پتھر سے ٹکا سو رہا تھا۔ اس کی ٹامی گن اٹھائی اور دستہ اس کے سر پر رسید کر دیا۔ پھر جتنی دیر میں کتاب پڑھنے والا سنبھل کر معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ٹامی گن کا رخ اس کی طرف ہو چکا تھا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھا کر خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ۔!" عمران آہستہ سے بولا۔ "گن اٹھانے کی کوشش کی تو چیتھڑے اڑا دوں گا۔!"

اس نے بوکھلا کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا جس کے خراٹے بند ہو چکے تھے اور اب وہ زمین پر اوندھا پڑا تھا۔ بے اختیارانہ انداز میں اس کے ہاتھ اوپر اٹھ چکے تھے۔

جیمسن نے جھپٹ کر اس کی ٹامی گن اٹھائی تھی اور اُس کے سر پر وار کرنے ہی والا تھاک عمران نے جلدی سے کہا۔ "نہیں.... بس اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دو....!"

ظفر نے اپنی ٹائی کھولی اور اس کے ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھنے لگا۔ وہ دم بخود تھا اور ار کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

یہ ایک خاصا کشادہ غار تھا۔ جیمسن نے موم بتی اٹھائی اور اس کی روشنی میں اپنے اطراف جوانب کا جائزہ لینے لگا۔

"وہ جگہ یہاں سے کتنی دور ہے....؟" عمران نے قیدی سے سوال کیا۔

"کک.... کون.... سی جگہ....!'

"جہاں اسلحہ اکٹھا کیا گیا ہے۔!"

"مم.... میں.... نن نہیں جانتا۔!"

"تم جھوٹے ہو....! اگر تین منٹ کے اندر اندر میرے اس سوال کا جواب نہ ملا تو م تمہیں مار ڈالوں گا۔!"

"نن نہیں.... تم بھی.... نہ بچ سکو گے۔!"

"ہم بچنے کے لئے نہیں آئے۔!" عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

جیمسن نے موم بتی پھر ایک جگہ رکھ دی تھی اور اب ان دونوں کے تھیلوں کو ٹٹولنے لگا تھا ن میں دو ٹارچیں اور محفوظ کی ہوئی اغذیہ کے چند ڈبے برآمد ہوئے۔ اس نے دونوں تھیلے کرا کر کے اپنے شانوں میں لٹکا لئے۔

"یہ کیا ہے....؟" ظفر نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بہت بڑا مال ہے۔!"

"جواب دو....!" دفعتاً عمران قیدی کو گھورتا ہوا غرایا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ جیمسن نے ٹامی گن کا دستہ اس کی کمر پر رسید کیا اور وہ کراہ کر دوہرا ہو گیا۔

سیدھے کھڑے ہو کر جواب دو ورنہ ختم کر دیئے جاؤ گے.... یہ محض دھمکی نہیں ہے

"اُدھر....!" وہ ایک جانب ہاتھ اٹھا کر کراہا۔

جیمسن نے ٹارچ روشن کر کے بتائی ہوئی سمت روشنی ڈالی جو ایک پتلی سی دراڑ پر جا ٹھہری۔

عمران نے ظفر کو ٹامی گن دیتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔!"

پھر وہ جیمسن کو ساتھ چلنے کا اشارہ کرتا ہوا دراڑ کی طرف بڑھا تھا۔ یہ دراڑ اتنی چوڑی تھی کہ اں سے ایک آدمی بہ آسانی گذر سکتا تھا۔ دس بارہ گز چلنے کے بعد وہ اس سے بھی زیادہ کشادہ غار بں داخل ہوئے اور پھر غار میں داخل ہوتے ہی اگر عمران نے جیمسن کا منہ نہ دبا دیا ہوتا اس کی یرت زدہ آواز دور تک گونجتی کیونکہ وہاں اسلحہ کے بہت بڑے ذخیرے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

"خاموش...! عمران نے سرگوشی کی۔!" ہو سکتا ہے یہاں سے ہماری آواز اور کہیں پہنچ جائے۔!"

رائفلوں، اسٹین گنوں ہلکی مشین گنوں اور دستی بموں کے ڈھیر چاروں طرف نظر آ رہے۔ بارود کی پیٹیوں اور ڈائنامائیٹ کے بنڈلوں کے قریب ہی کچھ ہیوی ڈیوٹی ڈرائی بیٹریاں بھی رکھی دکھائی دیں۔ بجلی کے تاروں کے بڑے بڑے لچھے بھی موجود تھے۔!

وہ دونوں کچھ دیر تک ٹارچ کی روشنی میں گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر عمران نے جیمسن کو واپس چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ پھر وہیں واپس آ گئے جہاں قیدی اور ظفر کو چھوڑ گئے تھے۔ بیہوش آدمی اب بھی پہلی ہی سی حالت میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔

عمران چند لمحے قیدی کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "ریلوے لائن والی سرنگ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔!"

عمران نے بیہوش آدمی کی طرف دیکھ کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور جیمسن سے بولا۔ "اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔!"

جیمسن آگے بڑھ کر اسے سیدھا کرنے لگا۔

"مائی گاڈ....!" دفعتاً وہ اٹھتا ہوا بولا۔ "یہ تو مر چکا ہے۔!"

"کبھی کبھی زور سے بھی ہاتھ پڑ جاتا ہے۔!" عمران نے لاپرواہی سے کہا اور دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مم.... مر گیا....؟" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں.... یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے.... ویسے تمہاری شکل تیموں جیسی ہے

اس لئے مجھے تم پر رحم آرہا ہے۔!''

وہ کچھ نہ بولا۔ عمران نے جیمسن کو قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے ظفر سے کہا۔!'' یہیں ٹھہرو....!''

اب وہ دونوں اس غار کا تفصیلی جائزہ لے رہے تھے۔ نکاسی کا راستہ دور نہیں تھا۔ وہ غار سے باہ آئے۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ نزدیک دور کہیں بھی روشنی نہیں دکھائی دیتی تھی۔ عمران نے ٹار روشن کرنے میں بھی احتیاط برتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے جیمسن سے کہا۔ ''سنو! فی الحال ہمیں بھول جانا چاہئے کہ ہمیں یہاں سے نکلنا بھی ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے اسلحہ کا ذخیرہ تباہ کر دینا چاہئے ایک ایک چیز پر ہماری فیکٹریوں کے ٹریڈ مارک اور دوسرے مخصوص نشانات موجود ہیں۔!''

''جیسی آپ کی مرضی.... آپ ساتھ ہوں تو پھر مجھے بھی مستقبل کی پرواہ نہیں رہتی۔!'' جیمسن بولا۔

''گڈ.... تو آؤ کام شروع کر دیں۔ زیادہ دشواری نہیں اٹھانی پڑے گی کیونکہ تباہی کا ساما بھی وہیں موجود ہے۔!''

اسلحہ والے غار میں پہنچ کر عمران نے تار کا ایک لچھا اٹھایا اور اس کے ایک سرے کو ڈا مائیٹ سے اٹیچ کر کے اسے بارود کی پیٹیوں پر رکھ دیا۔ جیمسن کو ایک ڈرائی بیٹری کو اٹھانے کا اشا کرتے ہوئے اس نے تار کے دو لچھے اپنے دونوں شانوں سے لٹکائے اور اس لچھے کے بل کھولتا جسے ڈائنامائیٹ سے منسلک کیا تھا نکاسی کے راستے کی طرف بڑھنے لگا۔ جیمسن اسے حیرت دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ظفر کے پاس سے گذرتے چلے گئے اس نے خاموشی سے انہیں دیکھا تھا پھر قیدی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ غار سے نکل کر عمران تار بچھاتا ہوا ایک طرف بڑھنے لگا۔ لچھا ختم ہو گیا تو دوسرا کاندھے سے اتار کر اس میں جوڑ دیا۔ اسی طرح تیسرا بھی کھپ گیا تھا۔ عمران کے اندازے کے مطابق وہ اسلحہ والے غار سے قریباً ڈھائی تین فرلانگ کے فاصلے پر تھ

''کیا اتنا فاصلہ کافی ہوگا۔ یعنی دھماکے کے بعد ہم محفوظ رہ سکیں گے۔!'' جیمسن نے پوچھا

''شائد.... کیونکہ وہ جگہ نشیب میں ہے۔ ہم کافی بلندی پر آ چکے ہیں۔ ویسے وہاں ابھی کے کئی لچھے موجود ہیں لیکن میں دیر کرنا نہیں چاہتا۔ اب جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم ٹھہرو میں ان دونوں کو لاتا ہوں۔ ہمارے پاس بھی اسلحہ ہونا چاہئے۔ اس کا بھی انتظام کر دوں۔

وہ چلا گیا اور جیمسن بیٹری لئے تار کے دوسرے سرے کے قریب بیٹھا رہا۔ اس کی زندگی یں اس سے زیادہ ہولناک رات پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ سردی کے باوجود بھی اس کا جسم پسینے ے بھیگ رہا تھا۔ وقت تیزی سے گذرتا رہا۔ جیمسن کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہیں بیٹھ کر اس نے صدیاں گذار دی ہوں۔ پتا نہیں کتنی دیر بعد وہ تینوں وہاں پہنچے تھے۔ جیمسن اندازہ نہ لگا سکا۔ عمران اپنے ساتھ تین اسٹین گنیں اور ان کے میگزین بھی لایا تھا۔ قیدیوں کی ٹامی گنیں شائد غار ہی میں چھوڑ آیا تھا۔

''ایک بار پھر پوچھتا ہوں اگر تم اس سرنگ سے واقف ہو تو بتا دو ورنہ ہم.... تمہاری لاش یہیں چھوڑ جائیں گے....!'' اس نے قیدی سے کہا۔

''یقین کیجئے میں نہیں جانتا.... اگر جانتا ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔!'' وہ گڑگڑایا۔

''خیر....! ظفر اس کے ہاتھ کھول دو تاکہ یہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس سکے اور تم دونوں بھی اپنے دانتوں میں رومال دباؤ اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر اوندھے لیٹ جاؤ۔!'' پھر اس نے قیدی سے کہا۔ ''تم نے اس کے خلاف کیا تو تمہاری موت کی ذمہ داری ہم پر نہ ہوگی۔ تم یہ ٹائی اپنے دانتوں میں دباؤ۔!''

اُس نے ظفر کی ٹائی جس سے اس کے ہاتھ باندھے گئے تھے اس کی طرف بڑھا دی۔ اس کے بعد اُس نے تینوں کو بیٹری سے قریباً دس گز کے فاصلے پر ہٹا دیا تھا۔

پھر اچانک وہ قیامت خیز دھماکہ ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے پہاڑ ہل کر رہ گئے ہوں.... اور وہ آنچ.... خدا کی پناہ.... گویا جہنم کا دروازہ کھل گیا ہو۔ بڑے بڑے پتھروں کے لڑھکنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ ہلکے، بھاری دھماکے اب بھی سنے جا رہے تھے۔ زمین کانپ رہی تھی اور گرم ہوا کے تیز جھکڑ انہیں ان کی جگہوں سے ہلائے دے رہے تھے۔

کہیں بہت دور سے آدمیوں کا شور سنائی دیا۔

''اے.... اللہ تیرا.... لاکھ لاکھ.... شکر ہے....!'' جیمسن نے عمران کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔ وہ گھسٹتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور پھر ان کے قریب پہنچ کر بے حس و حرکت ہو گیا۔

''کک.... کیا بات ہے....!'' ظفر ہکلایا لیکن جوب نہ ملا۔

''اوہ دیکھئے کیا ہوا....!'' جیمسن اٹھتا ہوا بولا۔ اور پھر ٹارچ کی روشنی عمران پر پڑی۔

اس کا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ غالباً تار کو بیٹری سے منسلک کرنے کے سلسلے میں وہ اپنے لئے پوری طرح حفاظتی تدابیر نہیں کر سکا تھا۔

”عمران صاحب....!“ ظفر نے دیوانوں کی طرح اُسے جھنجھوڑ کر آواز دی.... عمران نے آنکھیں کھول دیں اور مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”میری فکر نہ کرو.... میں ٹھیک ہوں ....اپنی حفاظت کرو....!“

اور پھر کثیف دھوئیں کا زبردست ریلا آیا اور وہ بُری طرح کھانسنے لگے۔

جیمسن عمران کے چہرے سے خون صاف کر رہا تھا اُس کی پیشانی کی کھال پھٹ گئی تھی۔ شائد بیٹری سے تار ملاتے ہی دھماکے کے جھٹکے کی بنا پر وہ منہ کے بل گرا تھا۔ دھوئیں کی یورش سے ان کا دم گھٹنے لگا۔

”کوئی محفوظ جگہ تلاش کرو....!“ عمران کھانستا ہوا بولا۔

”کیا میں آپ کو اٹھاؤں....؟“ جیمسن نے پوچھا۔

”نہیں....! مجھے یہیں پڑا رہنے دو.... میری گن چھوڑ جاؤ۔!“

”مم.... میں جگہ بتاؤں گا۔!“ قیدی جلدی سے بولا۔

”میں یہیں رکوں گا....!“ ظفر نے جیمسن سے کہا۔ ”تم اسے لے جاؤ۔!“

* * *

صبح قریب ہی کے ایک غار میں ہوئی تھی۔ عمران اب بالکل ٹھیک تھا۔ پیشانی کے علاوہ اور کہیں چوٹ نہیں آئی تھی۔

”بستی یہاں سے کتنی دور ہے....؟“ اس نے قیدی سے پوچھا۔

”یہی کوئی ڈھائی میل....!“ اس نے جواب دیا۔

”مجھے حیرت ہے کہ ابھی تک کوئی بھی ادھر نہیں آیا۔!“ جیمسن بولا۔

”تم کیا سمجھتے ہو....!“ عمران اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”بستی اس وقت تک خالی ہو چکی ہوگی۔!“ پھر وہ قیدی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے اس کا مطلب سمجھ کر جلدی سے کہا۔ ”آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں جناب.... میں یہاں کے حالات سے بہت زیادہ واقف نہیں۔!“

”تم ان کے لئے کیا کرتے تھے....؟“

”اسلحہ کی نگرانی! بستی میں کل رات کے علاوہ کبھی نہیں گیا۔!“

”کس کے لئے کام کر رہے ہو....؟“

”سردار گڈھ میں کان کنوں کے ایک سپروائزر کے لئے....اس کا نام موبی ہے۔!“

”کیا وہ سردار گڈھ ہی کا باشندہ ہے....!“

”جی نہیں.... مشرق بعید کے کسی ملک کا باشندہ ہے۔!“

”حلیہ بتاؤ....!“

”دبلا پتلا اور لمبا سا بے ہنگم آدمی ہے۔ لیکن کئی زبانیں جانتا ہے۔ اُردو اہلِ زبان کی طرح بول سکتا ہے۔!“

”خدا کی پناہ....!“ جیمسن بڑبڑایا۔ ”میرا اندزہ درست تھا۔!“

”اسی طرح وہ کان کی گاڑی استعمال کر سکا ہوگا۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”لیکن یقین کیجئے....! وہ جگہ مجھے نہیں معلوم جہاں تک گاڑی مجھے لائی تھی۔ کیونکہ راستے ہی میں میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔!“ قیدی نے کہا۔

”رات کو تمہارے دوسرے ساتھی کہاں چلے گئے تھے۔!“ عمران نے پوچھا۔

”بستی سے الگ ایک جگہ ہے۔ غاروں میں....!“

”کیا تم ہمیں وہاں تک لے چلو گے۔ یقین کرو میں تمہیں سلطانی گواہ بنا کر صاف بچا لوں گا۔ دوسری صورت میں تم جانتے ہی ہو کہ کیا ہوگا۔!“

”میں آپ کو وہاں لے چل سکوں گا۔!“

اچانک انہوں نے ہیلی کوپٹر کی آواز سنی۔

”چپ چاپ بیٹھے رہو....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس ملک کے سرحدی محافظوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہم پر اُن کی نظر نہ پڑنی چاہئے۔!“

دھماکے والی جگہ پر اب بھی دھواں مسلط تھا۔ ہیلی کوپٹر نے دو تین چکر لگائے تھے اور پھر اس کی آواز دور ہوتی چلی گئی تھی۔

”ایسے حالات میں اس گرد گھنٹال کا کوئی آدمی اس طرف رخ کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔!“ عمران بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب میرے ساتھی وہاں نہ ہوں گے۔" قیدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میں آپ لوگوں کا احسان مند ہوں۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ آپ مجھے باندھ کر وہیں ڈال آتے۔ ساتھ نہ لئے پھرتے.... میرے امکان جو کچھ بھی ہے آپ کے لئے کروں گا خواہ اب میرا کچھ بھی حشر ہو۔!"

"میں وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہیں ہر حال میں بچالوں گا۔!"

کچھ دیر بعد وہ چھپتے چھپاتے اس غار سے نکلے تھے اور قیدی کی رہنمائی میں ایک سمت چل پڑے تھے۔ ایک بار پھر ہیلی کوپٹر کی آواز سنائی دی اور چھپنے کے لئے انہیں راستے سے ہٹ جانا پڑا۔ شائد سرحدی محافظ پوری طرح حرکت میں آ گئے تھے۔ اس بار تین ہیلی کوپٹر تھے اور غالباً لینڈ کرنے کے لئے کوئی مناسب سی جگہ تلاش کی جا رہی تھی۔!

"آپ فکر نہ کریں اس طرح لے چلوں گا کہ کسی کی بھی نظر نہ پڑنے پائے۔!" قیدی بولا۔

پھر وہ ایک گھنٹے کے بعد اس غار تک پہنچ گئے تھے جس کا حوالہ قیدی نے دیا تھا۔ لیکن وہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔ کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جس کی بنا پر کہا جا سکتا کہ وہاں کبھی کچھ لوگ مقیم رہے تھے۔

"اب کیا ہو گا....!" جیمسن نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ سوچنا میرا کام ہے.... تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔!"

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ظفر سے بولا۔ "تمہیں کچھ یاد آیا۔!"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ شائد ہم پہلے ادھر سے گذر چکے ہیں۔!"

"بالکل ٹھیک... اگر وہ راستہ بند نہیں کر دیا گیا تو ہم بہ آسانی سردار گڈھ پہنچ سکیں گے۔!"

قیدیوں کے دونوں تھیلے جیمسن کے پاس تھے۔ ان میں سے گوشت اور مچھلی کے ڈبے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔ دو گھنٹے بعد سفر کا آغاز ہوا تھا۔ شام ہوتے ہوتے وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے اس پوشیدہ درے تک راہ گئی تھی جس کا اختتام سردار گڈھ کے علاقے میں ہوتا تھا۔ وہ اس پر چل پڑے لیکن وہ درہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

"ٹھہر جاؤ....!" عمران بولا۔ وہ پتھروں کے اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا جو ان کی راہ میں حائل ہو گیا تھا۔

"ڈائنا مائیٹ کر کے راستہ مسدود کیا گیا ہے۔!" عمران نے طویل سانس لے کر کہا۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ درہ یہیں تھا۔ لیکن ہم ان پتھروں پر چڑھ کر دوسری طرف پہنچ سکیں گے بس ذرا احتیاط کرنی پڑے گی۔!"

پھر عمران ہی نے اس مہم کا آغاز کیا تھا۔ پتھروں پر کسی ہلکے پھلکے بندر کی طرح چڑھتا چلا گیا۔ دوسروں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا کہ وہ سردار گڈھ کی حدود میں داخل ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔

"اب تم مجھے اپنے سپروائزر موبی کے بارے میں کچھ بتاؤ۔!" اس نے قیدی سے کہا۔

"اول درجے کا حرامی ہے.... سڑی سے سڑی عورت پر اس کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے پاس اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے پانی کی طرح بہاتا ہے۔!"

"سردار گڈھ میں کہاں رہتا ہے۔!"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم....!"

سڑک تک پہنچنے میں رات کے آٹھ بج گئے تھے۔

وہ تھکن سے نڈھال ہو رہے تھے۔ نو بجے کے قریب ایک بس دکھائی دی جو سردار گڈھ کی طرف جا رہی تھی۔ اس طرح وہ ساڑھے دس بجے کے قریب پولیس اسٹیشن تک پہنچ سکے تھے۔

ایس۔ پی نے عمران کو دیکھ کر "بھوت" کا نعرہ لگایا اور دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ ان کی تو لاشیں تک برآمد کی جا چکی تھیں۔ ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر موبی کی تلاش شروع کر دی گئی تھیں لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس کے بارے میں تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ غیر ملکی ماہرین کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ اس سے تعلق رکھنے والے غیر ملکی بھی اس کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ البتہ ان غیر ملکیوں سے اس عمارت کا پتا ضرور معلوم ہو گیا تھا جہاں موبی رات بسر کرتا تھا۔ پولیس فورس وہاں پہنچی تو عمران بھی اس کے ساتھ تھا۔ صدر دروازے کے ہینڈل سے ایک لفافہ اٹکا دکھائی دیا جس پر عمران کا نام تحریر تھا۔ عمران نے ہونٹ بھینچ کر سر کو جنبش دی اور لفافے سے پرچہ نکالا جس پر تحریر تھا.....

> "مجھ سے بھی زیادہ حرام زادے....! سنو..... فی الحال تو میں
> تمہارا ملک چھوڑ رہا ہوں۔ لیکن اسے اچھی طرح یاد رکھنا کہ میں
> نے تمہیں جس طرح استعمال کرنا چاہا تھا، کر کے رہوں گا..!"

"اچھا.... اچھا.... میں دیکھوں گا۔!" عمران سر ہلا کر بڑبڑایا اور پرچہ پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا۔ موبی کی رہائش گاہ کی تلاشی کے بعد وہ بلیک زیرو کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اُسے علم تھا کہ بلیک زیرو کہاں مقیم ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کے بارے میں اسے پہلے ہی ہدایت دی تھی۔ بلیک زیرو اسے دیکھ کر اچھل پڑا۔ "آپ نے تو ماتم ہی برپا کرا دیا تھا جناب۔!" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا "صفدر کی حالت ابتر ہے۔ جولیا بھی آج ہی پہنچی اس کے آنسو تو تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے۔!"

"ساری دنیا کی عورتیں آنسوؤں کے علاوہ اور کچھ نہیں بناتیں۔!"

پھر عمران نے اپنی داستان دہرائی تھی۔

"خدا کی پناہ....!" بلیک زیرو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اگر آپ جاگتے نہ رہیں....!"

"بس آگے کچھ نہ کہو....!" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ محض اتفاق تھا میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوتا اگر سنگ کی جنسی کج روی ڈینی کے سرکس کا رخ نہ کرتی.... ہم سب بُری طرح سو رہے ہیں اب شائد صورِ اسرافیل ہی ہمیں جگا سکے۔!"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر بلیک زیرو بولا۔ "اب کیا کیجئے گا...؟"

"پڑوسی ملک کو حالات سے پوری طرح آگاہ کیا جائے گا۔ اُدھر کے سرحدی محافظ دھماکے والی جگہ پر پہنچ گئے ہوں گے۔!"

وہاں سے رخصت ہو کر عمران صفدر کے ٹھکانے پر پہنچا۔ جولیا اور چوہان بھی وہاں موجود تھے۔ اسے دیکھ کر صفدر اور چوہان پاگلوں کی طرح ہنسنے لگے۔ جولیا.... عمران سے کچھ فاصلے پر کھڑی اسے گھورے جا رہی تھی اور وہ صفدر کے سوالات کے جواب دے رہا تھا۔ جولیا کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔ اچانک وہ اس کی طرف جھپٹی اور گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی چیخنے لگی۔ "تم.... مجھے.... گولی کیوں نہیں مار دیتے.... بتاؤ.... کمینے ذلیل....!" اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ عمران ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔

عمران سیریز نمبر 66

خونریز تصادم

(تیسرا حصہ)

پیشرس

اس بار ایک صاحب کے خط کا ایک حصہ ملاحظہ فرمایئے۔ جس سے میں بھی محظوظ ہوا تھا۔ آپ بھی لطف اٹھایئے۔

"قاسم کا پیٹ بھلا ایک آدھ چوزے سے کیونکر بھر سکتا ہے اور چوزہ بھی کیا؟ مرگھلا سوکھا سا کھا۔ تو جناب یہی حال آج کل آپ کی کتابوں کا ہے۔ سرورق اُلٹیے تو نظر آئے گا "پھر وہی آواز" ابھی آواز پوری طرح سے سن بھی نہ پائیں گے کہ ایک سو بارہویں صفحے تک جا پہنچیں گے.... اتنی دُبلی پتلی لکھنے کی بجائے یہ کیا کیجئے کہ ۱۱۲ صفحے سادہ رہنے دیا کیجئے اور لکھ دیا کیجئے "پھر وہی آواز" سے "خونریز تصادم" تک جو کچھ ہوتا ہے سمجھ جایئے اور .... قارئین سمجھ جائیں گے۔ اس لئے کہ "بیباکوں کی تلاش"، "ڈاکٹر دعاگو" "دیو پیکر درندہ" اور "شوگر بینک" ایسی کتابیں پڑھ پڑھ کر ہر قاری ذہن رسا کا مالک بن چکا ہے۔"

بھائی آپ کا شکوہ بجا ہے.... لیکن کاغذ کے معاملے میں میں بھی بے قصور ہوں۔ یقین کیجئے اگر میں ضخیم کتابیں چھاپنے بیٹھوں تو کاغذ کی فراہمی ہی دشوار ہو جائے۔ اس دبلی پتلی کتاب کے سلسلے میں مجھے جتنے ریم کاغذ کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے خاصی تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ اپنے خط میں آپ نے جن "فحش" کتابوں کا حوالہ دیا ہے میں نہیں جانتا کہ کاغذ کی فراہمی کے سلسلے میں اُن کے وسائل کیا ہیں! رسائل کی بات جانے دیجئے.... ان کے لئے کاغذ کا کوٹا مقرر ہے۔ کتابوں کے لئے ایسی کوئی آسانی میسر نہیں۔

تو گذارش ہے کہ فی الحال میری ہی طرح آپ بھی صبر کیجئے! دبلی پتلی کتابیں پڑھئے اور میری خیریت سے آگاہ ہوتے رہئے کہ جب تک سانس تب تک آس! شائد پھر کبھی پہلے کی طرح خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں۔

"خونریز تصادم" پڑھ کر بھی آپ یہی سوچیں گے کہ یہ "کاغذی لنگوٹی"، "پاجامہ" ہوتی تو بہتر تھا۔ اس "کاغذی ادبار" کے دور میں کئی ایسی کتابیں پیش کر چکا ہوں جن کا اختصار مجھے عرصے تک بے چین رکھے گا۔ اس قسم کی تشنگی کا احساس لکھنے والے کے لئے بھی بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔

ابنِ صفی
۱۲/ دسمبر ۱۹۷۲ء

◆

بھورے رنگ کی ننگی چٹانیں چمکیلی دھوپ میں تپ رہی تھیں اور گرم ہوا کے جھونکے ہیلی کاپٹر کو جہنم بنائے دے رہے تھے۔

ہیلی کاپٹر شمالی مغربی سرحد پار کر کے پڑوسی ملک کی حدود میں داخل ہو چکا تھا اس میں پائلٹ اور اس خوفناک چہرے والے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جس کی پلکیں گویا جھپکنا ہی نہیں جانتی تھیں۔ اس کی ناک بھدی اور موٹی تھی اور مونچھیں بل کھا کر اس طرح ٹھوڑی پر جھک آئی تھیں کہ دہانہ غائب ہی ہو کر رہ گیا تھا۔

پائلٹ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اسے تو بس اس کو ایک معینہ جگہ پر اس طرح اتارنا تھا کہ ہیلی کاپٹر کو لینڈ بھی نہ کرنا پڑے۔

"آپ تیار ہو جایئے جناب!" پائلٹ نے چیخ کر کہا اور خوفناک چہرے والے نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ اس کے جسم پر خاکی پتلون اور خاکی بشرٹ تھی اور شانوں سے دو تھیلے کراس کیے ہوئے لٹک رہے تھے۔ اس نے تھیلوں کو ٹھیک کیا اور سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"وہ سامنے والی پہاڑی جس پر ایک سفید چٹان نظر آ رہی ہے۔" پائلٹ پھر چیخا۔ "میں سیڑھی لٹکانے جا رہا ہوں۔"

خوفناک چہرے والا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہیلی کاپٹر سفید چٹان کے اوپر معلق ہو گیا تھا اور سیڑھی اسے چھوتی ہوئی لٹکنے لگی تھی۔

وہ سیڑھی سے اس چٹان پر اتر گیا۔ ہیلی کاپٹر پھر حرکت میں آیا تھا اور لمبا چکر لے کر اپنے مستقر کی طرف پرواز کر گیا تھا۔

خوفناک چہرے والا چٹان سے اتر کر کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں دھوپ سے بچ سکے۔

لیکن اسے مایوسی ہوئی۔

اس نے گھڑی دیکھی۔ ڈیڑھ بجا تھا اور وہ دو بجے سے پہلے متعلقہ آدمی سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دھوپ میں جھلستا رہا اور جیسے تیسے آدھا گھنٹہ بھی گذر گیا۔ اس نے تھیلے سے زیرو نائین کا ٹرانسمیٹر نکالا اور اس کا سوئچ آن کر کے آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ "ہیلو.... آقائے شمس.... ہیلو.... ہیلو.... آقائے شمس.... آقائے شمس...."

"شمس...." دفعتاً ٹرانسمیٹر سے آواز آئی۔ "ہیلو! کون ہے۔"

"وائی تھری۔" جواب دیا گیا۔ "میں بتائی ہوئی جگہ پر موجود ہوں۔"

"او کے.... وہیں ٹھہرو...." آواز آئی۔

اس نے سوئچ آف کر کے ٹرانسمیٹر تھیلے میں ڈال لیا اور دوسرے تھیلے سے پانی کی بوتل نکال کر ہونٹوں سے لگالی۔ دو تین لمبے لمبے گھونٹ لئے۔ ڈھکن بند کر کے بوتل پھر تھیلے میں ڈال لی۔

آسمان پر کہیں کوئی ہلکا سا بھی بادل کا ٹکڑا نہیں تھا اور نیچے پتھر تپ رہے تھے۔ اس نے ایک جگہ بیٹھنے کی کوشش کی اور پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کھڑے ہی رہنا بہتر ہو گا۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔

تھوڑی دیر بعد بائیں جانب سے کسی وزنی گاڑی کے انجن کی آواز آئی تھی اور وہ چونک کر ادھر دیکھنے لگا تھا۔

آواز بتدریج قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے انجن بند کر دیا گیا ہو۔

وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ سفید چٹان کے پیش منظر میں بالکل تصویر معلوم ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور کے دستے کو مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔

قدموں کی چاپ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر جیسے ہی نشیب سے آنے والے کا سر ابھرا بدصورت آدمی کی پتلون کی جیب سے فائر ہوا۔ گولی ٹھیک پیشانی پر بیٹھی تھی۔ شکار آواز نکالے بغیر نیچے لڑھکتا چلا گیا۔

خوفناک چہرے والا چٹان کے سرے پر پہنچ کر اپنے اس کارنامے کے انجام کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور اس کی انگلی اس سوراخ کو ٹٹولے جا رہی تھی جو پتلون میں ہو گیا تھا۔ لاش کے سطح زمین پر پہنچتے ہی وہ بھی نشیب میں اترنے لگا۔ لاش کے قریب ایک جیپ کھڑی نظر آئی۔

وہ لاش کی جامہ تلاشی لینے لگا اور پھر اسے وہ چیز مل گئی جس کے ملنے کی توقع پہلے ہی سے

تھی۔ یہ کسی چمکدار دھات کا ایک چھوٹا سا مثلث تھا جس کی دونوں اطراف میں بے شمار چھو چھوٹے دائرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں انگریزی کا حرف "را" کندہ تھا

اس نے وہ مثلث جیب میں ڈالا اور جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ کنجی اگنیشن میں موجود تھی اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھ کر اس نے پھر ٹرانسمیٹر نکالا اور سوئچ آن کر کے بولا "ہیلو.... آقا شمس.... ہیلو.... وائی تھری کالنگ۔"

"ہیلو.... وائی تھری.... کیا رہا....؟"

"کام بن گیا.... اب میں اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔"

"خوب.... مشرق کی طرف چل پڑو۔ سڑک ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ سڑک تمہارا رخ شمال کی طرف ہونا چاہئے اوور اینڈ آل۔"

بد ہیت آدمی نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر کے انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ حرکت میں آگئی سڑک پر پہنچ کر اس نے گاڑی شمال میں موڑ دی تھی۔

سڑک بڑی دشوار گذار تھی۔ ڈرائیونگ کی ذرا سی غلطی سینکڑوں فٹ کی گہرائی میں پہنچا سک تھی لیکن وہ کسی ماہر ڈرائیور کی طرح بڑی لاپروائی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ٹھیک تیسرے میل پر ایک آدمی بیچ سڑک پر ہاتھ اٹھائے کھڑا نظر آیا۔ جیپ کی رفتار کم ہو گئی اور پھر اس کے قریب پہنچ کر وہ رک ہی گئی تھی۔

"آقائے شمس!" وہ گاڑی کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔

بد صورت آدمی نے دوسری طرف کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھ وقت بد صورت آدمی کا تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ وہ خود ادھیڑ عمر کا ایک بھاری بھر کم آدمی تھا۔ سر وسطی حصے پر بال نہیں تھے اور دونوں کنپٹیاں بالکل سفید تھیں۔

گاڑی دوبارہ حرکت میں آگئی۔

آقائے شمس کی نظر اس کی پتلون کے سوراخ پر جمی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے کھنکار اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو مناسب نہیں معلوم ہوتا۔"

"اور اس کی کھوپڑی کے سوراخ کے بارے میں کیا خیال ہے آقائے شمس" بد صورت آد نے بھدا سا قہقہہ لگایا۔

"میرا نام شمس نہیں ہے۔ وقتی طور پر یہ نام استعمال کیا گیا تھا۔ تم مجھے علی نقی کہہ سکتے ہو!"

"شکریہ! میں وائی تھری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوں۔"

علی نقی کچھ نہ بولا۔ گاڑی آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ غالباً وہ متوقع تھا کہ علی نقی اس سلسلے م ے کچھ ہدایات دے گا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

مزید کچھ فاصلہ طے ہو جانے کے بعد بولا تھا۔ "اب داہنی جانب موڑ لو.... سڑک نہیں ہے لن راستہ ناقابل گذر بھی نہیں ہے۔"

جیپ بائیں جانب مڑ کر ناہموار راستے پر چلنے لگی۔ قریباً دس منٹ بعد اس سفر کا اختتام ایک ہوئی سی عمارت کے قریب ہوا تھا۔

وہ دونوں جیپ سے اتر کر اندر داخل ہوئے۔

"کیا تم غسل کرنا پسند کرو گے؟" علی نقی نے اس سے پوچھا تھا۔

"یقیناً.... اور پھر میں اب اس لباس سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔"

علی نقی ایک بار پھر اس کا جائزہ لیتا ہوا پر تفکر لہجے میں بولا۔ "ہو سکتا ہے تمہارے ناپ کا بھی ئی سوٹ نکل آئے۔ میں دیکھتا ہوں۔ بہر حال چلو میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔"

پھر آدھے گھنٹے بعد وہ کھانے کی میز پر ملے تھے۔ وائی تھری کے لئے جو لباس مہیا کیا گیا تھا۔ ں کی جسامت کے لئے قطعی موزوں نہیں تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تمہیں کل تک اسی لباس میں رہنا پڑے گا۔" علی نقی نے کہا۔

وائی تھری نے لاپروائی ظاہر کرنے کے لئے شانوں کو جنبش دی اور بڑے انہماک سے کھاتا رہا۔

"کیا تم اس آدمی کو مار کر مطمئن ہو؟" علی نقی نے کچھ دیر بعد سر اٹھائے بغیر سوال کیا۔

"اور جنرل کو بھی مطمئن کر دوں گا۔"

"جنرل سے رات کو یہیں ملاقات ہو سکے گی۔ وہ آدمی جنرل ہی کا بھیجا ہوا تھا لیکن مجھے علم تھا ہ اسے تمہارے ہاتھوں مارا جانا ہے۔"

"علی نقی! میرا خیال ہے کہ تم غیر ضروری باتوں سے اجتناب کرو۔ کیا کبھی تم نے عشق بھی یا ہے۔"

"عشق؟" علی نقی چونک کر اسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے اس بے تکلفانہ سوال نے اسے گہرا دمہ پہنچایا ہو۔"

"ہاں.... ہاں...." وائی تھری پلیٹ سے نظر ہٹائے بغیر سر ہلا کر بولا۔

"بہتیرے ایسے بھی ہیں جنہیں مرتے دم تک عشق کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی ذاتیات سے کوئی سر دکار نہ رکھنا چاہئے۔"

"یہی ایک ایسا ذاتی مسئلہ ہے جسے کھل کر اچھالا جاتا ہے۔ حافظ، خیام، حتیٰ کہ سعدی تک اس ے باز نہیں رہے۔ چیخ چیخ کر اپنے عشق کی داستانیں سناتے ہیں۔"

"بہت خوب.... تم ادبی ذوق بھی رکھتے ہو۔" علی نقی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"قتل کرنا تو میں نے شاعروں ہی سے سیکھا تھا۔"

"بذلہ سنج بھی معلوم ہوتے ہو!"

"اس حد تک بھی نہیں کہ دوسرے ہنسنے لگیں بہر حال کیا رات کو بھی یہاں ایسا ہی موسم ر ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ کمبل کے بغیر تم سو نہیں سکو گے۔"

"یہ اچھی بات ہے، ورنہ میں صبح تک آدھا بھی نہ رہ جاتا۔"

"کھانے کے بعد تم غالباً آرام کرنا پسند کرو گے۔"

"رہنے دو، ورنہ تمہیں ایک سیلپنگ سوٹ کی بھی فکر پڑ جائے گی۔"

علی نقی جھینپے ہوئے انداز میں ہنس کر بولا "نہیں یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔ وہ تو ہر قسم کا چل ہے۔"

"میں سیلپنگ سوٹ ذرا سلیقے کا پہنتا ہوں کیونکہ میرے خوابوں میں عورتوں کے علاوہ کوئی نہیں آتا۔"

"واقعی تم دلچسپ آدمی ہو۔"

رات کو ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی کار اس عمارت کے سامنے رکی تھی اور اس پر سے ایک د قد اور وجیہہ آدمی اترا تھا۔ سیاہ سوٹ میں اس کی شخصیت بہت ابھری ابھری دکھائی دیتی تھی۔ پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہو گی۔

علی نقی پشتینی غلاموں کے سے انداز میں اس کی پیشوائی کو دوڑا تھا۔ پھر وائی تھری کو اس سامنے پیش کیا گیا۔

جنرل نے علی نقی کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا تھا اور وائی تھری پر تفصیلی نظر ڈالتا بولا "بیٹھ جاؤ۔"

"شکریہ!" وائی تھری سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"سفر یقیناً تکلیف دہ ثابت ہوا ہو گا۔" جنرل کا لہجہ بیحد نرم تھا۔

"نہیں۔ بخیر و خوبی تمام ہوا اس لئے تکلیف دہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"تمہارے سربراہ نے اس سازش کا پتہ لگا کر بڑا کام کیا۔"

وائی تھری نے سر کو اثباتی جنبش دی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اپنے ہاتھوں قتل ہ والے کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں یہاں صرف کام کے لئے بھیجا گیا ہے۔" جنرل کے لہجے میں کسی قدر ناگواری تھی۔

"اب یہ معلوم کرنا بھی کام کا جزو بن گیا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کی نظر میں اس کی کیا حیثیت تھی..؟"

"دشمن کا ایک ایسا ایجنٹ جسے میرا کوئی آدمی قتل کرنے پر تیار نہ ہوتا۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"کچھ بھی نہیں! تم صرف اپنے کام سے کام رکھو۔"

"بہت بہتر جناب!"

"میں اس شخص کا نام اور پتا بتائے دیتا ہوں جو اسلحہ والی سازش میں ضرور شریک رہا ہو گا۔"

وائی تھری خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"وہ آقائے جواد حیدر کہلاتا ہے۔ اپنے وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اگر میرے اور نہارے ملک کے تعلقات خراب کرنے میں اسے کامیابی حاصل ہو جائے تو ایک بڑی طاقت کی آنکھوں کا تارا بن جائے گا۔"

"کیا آپ براہِ راست اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔"

"یہاں کون وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھ سکتا ہے اس پر بھی نظر رکھو۔"

"کیا اس کے خلاف کوئی بات کہی جا سکتی ہے۔"

"اس کے خلاف اگر ہم کوئی ثبوت فراہم بھی کریں تو اس کی پذیرائی نہ ہو گی۔"

"میں سمجھ گیا" وائی تھری سر ہلا کر بولا "لیکن پھر عرض کروں گا کہ میرے ہاتھوں مارے جانے والے...."

"ٹھہرو.." جنرل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ وہ آقائے جواد حیدر کا آدمی تھا۔"

"کیا جواد حیدر کو علم نہ ہو گیا ہو گا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔"

"نہیں! میں نے اسے اچانک بھیجا تھا اور خود اس کی نگرانی کی تھی۔ وہ سیدھی راہ جاتا ہے یا نزل پر پہنچنے سے پہلے ادھر ادھر بھٹکتا بھی ہے۔"

"وہ صرف آقائے جواد حیدر ہی کا آدمی نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ زیرو لینڈ والی تنظیم سے تو واقف ہی ہوں گے۔"

جنرل چونک پڑا اور وائی تھری کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "تم اس سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میرے ہاتھوں مارا جانے والا زیرولینڈ کا بھی ایجنٹ تھا۔"

"نہیں!" جنرل کرسی سے اٹھتا ہوا بولا "تم کس طرح ثابت کر سکو گے۔"

"دو سو گز کے فاصلے سے بھی معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ زیرولینڈ کا ایجنٹ ہے۔"

وائی تھری نے وہی چمکدار مثلث جیب سے نکال کر جنرل کے سامنے ڈال دیا جو مقتو پاس سے برآمد ہوا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" جنرل اسے چٹکی سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔

"زیرولینڈ کے ایجنٹ آپس میں ایک دوسرے کو اسی کے ذریعے سے پہچانتے ہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ قدرت نے زیرولینڈ پر ریسرچ میرے محکمے کے سربراہ کی قسمت میں ہے۔"

"مجھے علم ہے۔ میں سن چکا ہوں۔" جنرل اسے حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اگر وہ زیرولینڈ کا ایجنٹ نہ ہوتا تو میں بیدریغ اس پر فائر نہیں کر سکتا تھا۔"

"یہ چیز اس کی جیب میں رہی ہوگی۔ پھر تمہیں پہلے سے کیونکر علم ہو سکا ہوگا۔"

"میرے پاس اس کی شناخت کرنے والا آپریٹس موجود تھا۔ دو سو گز کے فاصلے سے مجھے اس کی موجودگی کی اطلاع دے دی تھی۔"

"حیرت انگیز۔ کیا تم مجھے وہ بھی نہ دکھاؤ گے۔"

"یقیناً.... آپ اس کا تجربہ کر سکتے ہیں۔" وائی تھری نے ہاتھ بڑھا کر اس سے مثل ہوئے کہا۔

پھر اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکالی اور اس کی طرف ہوا بولا۔ "اسے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیجئے اور جسم کے ساتھ لگائے رکھیئے۔

جنرل ڈبیہ اس کے ہاتھ سے لے کر بولا۔ "ارے! یہ اس میں جھنجھاہٹ کیسی ہے۔"

"اس مثلث کی وجہ سے۔ اگر میں اسے دو سو گز سے آگے لے جاؤں تو جھنجھناہٹ خو ہو جائے گی۔ اچھی بات ہے۔ آپ اسے ہاتھ میں ہی پکڑے رہیئے میں مثلث کو باہر ہوں۔

پھر وہ عمارت سے باہر نکل کر اندازاً اڈھائی سو گز کے فاصلے پر چلا گیا تھا۔ کمرے میں تو جنرل کو بے چینی سے ٹہلتے پایا۔

"واقعی کمال ہے۔ کمال ہے۔" وہ اسے دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ "کچھ دیر کے لئے بالکل غائب ہو گئی تھی۔"

"لایئے---" وائی تھری آپریٹس کی واپسی کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

جنرل نے آپریٹس واپس کرتے ہوئے کہا "خوش آمدید میرے دوست اب شائد ہماری پریشانیاں رفع ہو سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کام کے لئے تمہارے سربراہ نے موزوں آدمی کا انتخاب کیا ہے۔"

"شکریہ!" وائی تھری نے خشک لہجے میں کہا۔

"اب اسکیم یہ ہے۔" جنرل نے پر تفکر لہجے میں کہا۔ "تم دو دن یہاں تنہا قیام کرو گے۔ علی نقی میرے ساتھ واپس جائے گا۔"

"میرے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا؟" وائی تھری نے جنرل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں! کرنل بہرام کی لاش دریافت ہو جانے کے بعد ہمیں بیحد محتاط رہنا پڑیگا۔"

"بہت بہتر۔"

"کل شام تک تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آئندہ کیا کرنا ہے۔"

"اوکے سر..."

"علی نقی جیپ کا رنگ اور نمبر تبدیل کر رہا ہے۔ پٹرول یہاں وافر مقدار میں موجود ہے۔ کھانے پینے کی بھی تکلیف نہ ہوگی۔ کونسی پیتے ہو۔"

"ٹھنڈے پانی اور کافی کے علاوہ اور کچھ نہیں پیتا۔"

"کمال ہے!" جنرل نے پھر اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور بولا۔ "یہاں واٹر کول انجن والی ایک موٹر سائیکل بھی موجود ہے ضرورت پڑے تو اسے بھی استعمال کر سکتے ہو۔"

"بہتر جناب۔" وائی تھری نے آہستہ سے کہا۔

◆

علیا آباد کی ایک محل نما عمارت کے کمپاؤنڈ سے لمبی سی گاڑی نکل کر وسطی شاہراہ پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتی نظر آئی۔ اسے ایک باوردی ڈرائیور چلا رہا تھا۔ پچھلی نشست پر ایک پُروقار آدمی پشت گاہ سے ٹیک لگائے رعونت آمیز انداز میں بیٹھا سگار کے کش لے رہا تھا۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہوگی۔ چہرے کی تازگی اس عمر میں بھی قویٰ کی غیر معمولی مضبوطی کا اعلان کر رہی تھی، اور پتلے ہونٹوں کے ساتھ بھاری جبڑے آنکھوں میں پائی جانے والی سفاکی سے ہم آہنگی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

اگلی اور پچھلی سیٹوں کے درمیان شیشے کی دیوار حائل تھی اور وہ ڈرائیور کو آڈیشنل پائپ کے

ذریعے ہدایات دے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد گاڑی شاہراہ جمشید پر مڑ گئی۔ یہاں زیادہ تر بڑی عمارتیں نظر آرہی تھیں لیکن گھنی آبادی نہیں تھی اور عمارتیں ایک دوسری سے فاصلے فاصلے پر بنائی گئی تھیں۔

یہاں بھی اس نے ڈرائیور کو کچھ ہدایت دی تھی۔ دفعتہً گاڑی بائیں جانب والی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں مڑ گئی۔

پورچ میں پہنچ کر ڈرائیور نے گاڑی روکی اور نیچے اتر کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ گاڑی سے اترا اور ادھر ادھر دیکھے بغیر آگے بڑھا۔ صدر دروازے کا ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنا چاہا لیکن وہ مقفل تھا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوئے اور پھر آن کی آن میں غائب بھی ہوگئے۔

ہاتھ اوپر اٹھا کر اس نے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ پھر دروازہ اتنی جلد کھلا تھا جیسے اس کے قفل کا تعلق پش بٹن ہی سے رہا ہو۔

وہ اندر داخل ہوا لیکن راہداری میں کوئی موجود نہیں تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ راہداری میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ پھر ایک جگہ رک کر بائیں جانب مڑا اور سامنے والے دروازے کا ہینڈل گھما کر اسے کھولتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

اس کمرے میں ایک بہت بڑے ایکیوریم کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا جس میں قریباً چار فٹ لمبی ایک بام مچھلی تیرتی پھر رہی تھی۔

وہ اس ایکیوریم کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ بام مچھلی اس کے لئے کسی تبرک کی سی حیثیت رکھتی ہو۔ اچانک ایکیوریم سے آواز آئی ”میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ فی الحال مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”کرنل بہرام کل سے غائب ہے۔ اس کے سلسلے میں تشویش ہو گئی ہے۔“

”کون کرنل بہرام؟“

”میرا آدمی.... جو انٹر سروسز انٹیلی جنس میں تھا۔“

”اوہ.... اچھا میں سمجھ گیا۔ تو پھر کیا چاہتے ہو۔“ آواز آئی۔

”مجھے اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے۔ فی الحال وہاں صرف وہی ایک آدمی میرا تھا اس کی عدم موجودگی میں آپ کو وہاں کے حالات سے باخبر نہ رکھ سکوں گا۔“

”اسے میں دیکھ لوں گا۔“ آواز آئی۔ ”لیکن تمہیں یہاں غیر ملکیوں کے داخلے پر نظر رکھنی ہے۔ اسلحہ والی اسکیم کی ناکامی کے بعد اس کا امکان ہے۔ تم غالباً سمجھ گئے ہو گے۔“

”میری پریشانی کا باعث یہی ہے۔“

”فکر نہ کرو... یہ میری ذمہ داری ہے۔ میں تمہیں وزیراعظم دیکھنا چاہتا ہوں۔“ آواز آئی۔

”شکریہ جناب....“

”بس اب جاؤ.... مجھے نیند آرہی ہے۔“

اس نے بام مچھلی کو فوجی انداز میں سلیوٹ کیا تھا اور عمارت سے نکلا چلا آیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی گاڑی پھر اسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی جہاں سے روانہ ہو کر بام مچھلی والی عمارت میں پہنچی تھی۔

تین باوردی خادم گاڑی کی طرف لپکے۔ کسی نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور کسی نے اس سے ہیٹ اور چھڑی لے لی۔ پھر وہ برآمدے کے زینوں پر چڑھ ہی رہا تھا کہ بائیں جانب سے چوتھا خادم نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں چاندی کی ایک ٹرے تھی جس پر کسی کا وزیٹنگ کارڈ رکھا ہوا تھا۔

اس نے وزیٹنگ کارڈ اٹھا کر دیکھا اور پھر نشست کے کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس طرح کارڈ پیش کئے جانے کا یہی مطلب تھا کہ جو کوئی بھی ہے فوری طور پر اس سے ملنا چاہتا ہے یا کوئی بہت ہی اہم خبر لایا ہے۔

وہ نشست کے کمرے میں داخل ہوا اور وہاں اس کے منتظر شخص نے آگے بڑھ کر اسے اس طرح تعظیم دی جیسے اس کا زرخرید ہو۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”بری خبر ہے آقائی.... ہمت نہیں پڑتی۔“

”کہو! تکلف کی ضرورت نہیں۔“

”کسی نے کرنل بہرام کو گولی مار دی۔“

”کیا....؟“ وہ ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”ہاں.... آقائی.... اس کی لاش ڈائریکٹریٹ جنرل میں پہنچ گئی ہے۔“

”لاش کہاں سے ملی تھی؟“

”سرحد کے قریب ایک سفید چٹان والی پہاڑی ہے اسی کے دامن میں کسی چرواہے نے دیکھی تھی۔“

”اچھا.... اچھا....“ اس نے وحشت زدگی کے ساتھ کہا۔ ”یہ بتاؤ کہ اس کے پاس سے کیا کیا چیزیں برآمد ہوئی ہیں۔؟“

"ایک پرس! جس میں کچھ رقم تھی اور شناخت نامہ۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔"

"پرس سے رقم کے علاوہ اور کیا برآمد ہوا تھا؟"

"اور تو کچھ بھی نہیں!"

"اچھی بات ہے" وہ داہنے ہاتھ کی مٹھی بھینچ کر بولا۔ "جواد حیدر دیکھے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔"

"آقائی.... میرے لئے کیا حکم ہے۔"

"اپنی آنکھیں کھلی رکھو.... اور بس۔"

دوسرا آدمی احتراماً جھکا تھا اور کمرے سے نکل گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آقائے جواد حیدر کی گاڑی دوبارہ کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے نکلی تھی لیکن اب وہ خود ہی اسے ڈرائیو کر رہا تھا۔

◆

چمکیلی دھوپ دور تک پہاڑیوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ وائی تھری صبح سے سڑک کے قریب والی چٹانوں میں چھپا بیٹھا تھا اس نے ادھر سے ملٹری کی گاڑیاں گذرتی دیکھی تھیں۔ پھر سفید چٹان والی پہاڑی کی طرف سے ان کی واپسی کا بھی نظارہ کیا تھا جب وہ کرنل بہرام کی لاش علیا آباد لے جائی جا رہی تھی۔ ان کی واپسی کے بعد وہ اپنی کمین گاہ سے نکلا تھا اور واٹر کول انجن والی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر سفید چٹان والی پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔

سڑک سنسان پڑی تھی۔ منزل مقصود تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی کیونکہ وہ موٹر سائیکل کو خاصی تیز رفتار سے آگے بڑھاتا رہا تھا۔

موٹر سائیکل کو ایک جگہ چھپا کر سفید چٹان والی پہاڑی کے آس پاس ہی اپنے لئے بھی کوئی مناسب سی جگہ تلاش کرتا رہا اسے یقین تھا کہ لاش کے علیا آباد پہنچتے ہی وہ لوگ حرکت میں آجائیں گے جن کے لئے کرنل بہرام اپنے ملک سے غداری کا مرتکب ہوتا رہا تھا۔ کرنل بہرام کے پاس سے برآمد ہونے والا زیرولینڈ والوں کا شناختی نشان "مثلث" اس نے جنرل سے واپس لے لیا تھا اور اس وقت بھی وہ اس کی جیب میں پڑا ہوا تھا۔

قریباً چار گھنٹے تک وہ پہاڑی کے قریب کی چٹانوں میں چھپا رہا تھا۔ اپنے اندازے کی غلطی پر افسوس کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کسی وزنی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ ایک بڑا سا ٹرک ٹھیک اسی جگہ آکر رک گیا جہاں پچھلے دن کرنل بہرام نے اپنی جیپ روکی تھی۔ اس پر سے دو آدمی اترے اور جھک جھک کر زمین پر کوئی چیز تلاش کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں کسی بہت چھوٹی سی چیز کی تلاش ہو۔

وائی تھری آہستہ آہستہ ان دونوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ چٹانیں ایسی ہی نہیں کہ وہ صرف بلندی سے دیکھا جا سکتا تھا۔ نشیب میں کھڑے ہوئے کسی آدمی کی نظر اس پر نہیں پڑ سکتی تھی۔

پھر اس نے وہ مثلث نکالا جو کرنل بہرام کے پاس سے برآمد ہوا تھا جوتے میں تلوے کے نیچے رکھ لیا اس کے اپنے تجربے کے مطابق ایسا کرنے سے شناخت کرنے والا آپریٹس اسے ڈٹکٹ نہیں کر سکتا تھا اور یہی ہوا بھی آپریٹس کی جھنجھناہٹ معدوم ہو گئی تھی۔ لیکن جیسے ہی وائی تھری ان دونوں سے کچھ اور قریب ہوا جھنجھناہٹ پھر شروع ہو گئی۔ اس نے پر معنی انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور وہ مثلث دوبارہ جوتے سے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ ادھر اس نے مثلث جوتے سے نکالا تھا اور اُدھر ان میں سے ایک آدمی یک بیک چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔

وائی تھری سمجھ گیا کہ اس کے پاس بھی مثلث کا ڈٹکٹنگ آپریٹس موجود ہے اس نے مثلث کو پھر نکالا اور چٹکی میں دبائے کھڑا رہا۔

دوسری طرف وہ آدمی جس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا تھا دوسرے سے کچھ کہنے لگا تھا۔ دفعتہً وائی تھری ایسی جگہ جا کھڑا ہوا جہاں سے وہ انہیں پوری طرح دکھائی دیتا۔ انہوں نے اسے دیکھا اور ان کے ریوالور نکل آئے۔

"تم جو کچھ تلاش کر رہے ہو میرے پاس ہے۔" اس نے انہیں مخاطب کر کے اونچی آواز میں کہا۔

"نیچے آؤ...." ایک نے ریوالور کی نال کو جنبش دی۔

وائی تھری پروقار انداز میں چلتا ہوا ان کے قریب پہنچا اور دو گز کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔

"گریڈون؟" اس نے اس آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا، جو مثلث کے باہر نکلنے پر چونکا تھا۔

اس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سر کو اثباتی جنبش دی اور وائی تھری سے سوال کیا۔

"تم....؟"

"گریڈون۔" وائی تھری کا جواب تھا۔

"ثبوت۔"

وائی تھری نے شناخت کرنے والا آپریٹس نکال کر اسے دکھایا۔

دونوں کے ریوالور جیبوں میں چلے گئے....

اب وائی تھری نے وہ مثلث نکالا جو کرنل بہرام کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔

"آئی۔ ایس۔ آئی والوں سے پہلے ہی میں یہاں پہنچا تھا اور اسے تلاش کر لینے میں کامیاب ہو

گیا تھا۔"

"پھر وائی تھری نے دوسرے آدمی کی طرف دیکھا۔

"گریڈ ٹو...." پہلے نے اس کے بارے میں وضاحت کی۔

"ثبوت...." وائی تھری اسے گھورتا ہوا بولا۔

دوسرے آدمی نے ویسا ہی مثلث نکال کر اسے دکھایا۔

"ٹھیک ہے۔" وائی تھری سر ہلا کر بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر اس نے گریڈ ون کے آ سے کہا۔ "تم اسے باس کے پاس پہنچاؤ۔ اور گریڈ ٹو میرے ساتھ ٹھہرے گا۔"

"لیکن مجھے ایسی کوئی ہدایت نہیں ملی۔"

"بحث نہیں...." وائی تھری نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں کرنل کے قاتل کی تلاش پر ما کیا گیا ہوں مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ یہ لو باس تک پہنچادو۔"

اس نے کرنل بہرام والا مثلث اس کی طرف بڑھادیا۔

"یور آئیڈنٹٹی....؟"

"پی تھرٹی سکس۔" وائی تھری بولا۔

"او کے.... میں ٹرک لے جارہا ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ یہاں میرے پاس انتظام ہے۔"

گریڈ ون کا آدمی ٹرک پر بیٹھا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ یہ دونوں کھڑے اسے اگلے مو غائب ہوتے دیکھتے رہے۔

پھر وائی تھری نے گریڈ ٹو کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ "یور آئیڈنٹٹی۔؟"

"ٹی ون تھرٹین...."

"ٹھیک.... آؤ...." وائی تھری نے اس طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ جہاں واٹر کول انجن موٹر سائیکل چھپائی تھی۔

دوسرا آدی خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔

موٹر سائیکل نکال کر اسٹارٹ کرتے ہوئے وائی تھری نے اسے کیریئر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

پھر وہ اسے وہیں لایا تھا جہاں خود مقیم تھا۔ ٹی ون تھرٹین نے موٹر سائیکل سے اترتے ہو حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔

عمارت میں پہنچ کر تو وہ اپنی زبان بند ہی نہیں رکھ سکا تھا۔

"تت.... تم یہاں رہتے ہو؟" وہ ہکلایا۔

"کیوں؟ تمہیں حیرت کیوں ہے۔"

"بب.... بس یونہی.... میں سوچ نہیں سکتا تھا کہ ادھر کوئی عمارت بھی ہو گی۔"

"اب سوچو...." وائی تھری نے بد مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

"مم.... میں نے پہلے کبھی تمہیں نہیں دیکھا۔"

"کہاں نہیں دیکھا۔؟"

اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے اب احساس ہوا ہو کہ اس قسم کی گفتگو نہیں کرنی چاہئے تھی۔

"اب! تمہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ تم کالی بھیڑ نہیں ہو۔" وائی تھری کا لہجہ خونخوار تھا۔

"مم.... میں ثبوت پیش کر چکا ہوں۔"

"اب میں تسلیم نہیں کر سکتا۔"

"کک.... کیوں؟"

"تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا؟"

"نہیں...."

"اس لئے میں خود ہی کرنل بہرام کا قاتل بھی ہو سکتا ہوں۔ مثلث اسی کی لاش سے برآمد کیا ہو!"

وہ بوکھلا کر وائی تھری کو دیکھنے لگا پھر اس کا ہاتھ جیب کی طرف گیا ہی تھا کہ وائی تھری کا گھونسہ اس کے جبڑے پر پڑا اور پھر اس نے اس کی جیب سے ریوالور نکال لینے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

"کھڑے ہو جاؤ۔" وائی تھری نے سرد لہجے میں کہا۔

وہ جبڑا سہلاتا ہوا فرش سے اٹھ گیا۔

"اب ثبوت پیش کرو۔"

"اب میں اس کے علاوہ اور کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتا کہ تمہیں باس کا پتا بتاؤں کیونکہ ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ ایک ماہر پامسٹ ہونے کے علاوہ اور کیا ہے۔"

"ٹھیک--" وائی تھری سر ہلا کر بولا۔ "تب میں یقین کر لوں گا۔ ورنہ میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔"

"شاہراہ جمشیدی کی گیارہویں عمارت۔"

"وہ وہاں تو نہیں رہتا۔"

"کک.... کیوں.... نہیں!"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

"کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟"

"ب.... بہت کم دیکھا ہے۔ زیادہ تر اس کی آواز سنتے ہیں اور آواز ایکیوریم سے آتی ہے جس میں بام مچھلی تیرتی ہے۔"

"وہ وہاں نہیں رہتا۔"

"تو پھر کہیں اور بھی رہتا ہوگا لیکن قسمت کا حال معلوم کرنے کے لئے بڑے لوگ تو وہیں آتے ہیں۔"

"مان لیا کہ تم سچے ہو۔ آئندہ احتیاط رکھنا۔ غیر ضروری بکواس نہیں۔ مگر شائد تم نئے معلوم ہوتے ہو۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ تمہیں بتاؤں۔ تم کب اور کس طرح تنظیم میں شامل ہوئے"

"کک.... کیا یہ غیر ضروری بات نہیں ہے۔"

"شٹ اپ.... گریڈ ون کو یہ حق حاصل ہے اور پھر ابھی میں تمہاری طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوا ہوں۔ کئی طرح کے امتحان لوں گا۔"

"مم.... میں نے ایک قتل کیا تھا۔ باس کے علاوہ اور کوئی اس کا شاہد نہیں۔ اس نے نہ صرف تحفظ دیا بلکہ پولیس آج تک مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال سکی۔ ویسے باس جس وقت بھی چاہے میں اسی وقت پھانسی پر چڑھ جاؤں گا۔"

"اوہ.... تو تم پھانسی کے مستحق ہو۔"

"یقیناً.... لیکن باس بہت گریٹ ہے۔"

"میں بھی اسی کی طرح گریٹ ہوں۔"

"کک.... کیا مطلب؟"

"اپنے ہاتھوں سے تمہیں پھانسی دے سکتا ہوں۔"

"مم.... میں نہیں سمجھا۔"

"ارے تم تو ڈر گئے۔" وائی تھری کی ہنسی بہت خوفناک تھی۔

◆

رات کا ایک بجا تھا جب شاہراہ جمشیدی کی گیارہویں عمارت کی کمپاؤنڈ میں کچھ عجیب سی ہڑبونگ سنائی دی۔

کسی نے اونچی آواز میں کہا "لاش" اور کئی آدمی عمارت کے مختلف حصوں سے نکل کر آواز کی طرف دوڑ پڑے۔

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ لاش پر پڑا۔

"ارے.... یہ تو۔" ایک آدمی کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر وہ بے تحاشہ عمارت کی طرف بھاگا تھا۔ راہداری سے گذرتا ہوا وہ اسی کمرے میں پہنچا جہاں بام مچھلی تھی۔ ایکیوریم کے سامنے کھڑا ہو کر ہانپتا ہوا بولا۔ "باس کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں۔"

"کون ہے؟" ایکیوریم سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

"پی ون فورٹی ایٹ...."

"کیا بات ہے۔"

"کمپاؤنڈ میں ٹی ون تھرٹین کی لاش پڑی ہوئی ہے اور اس کے کوٹ کے کالر سے اسی آدمی کی تصویر پن کی ہوئی ہے جس نے سفید چٹان والی پہاڑی کے قریب اسے روک لیا تھا۔"

"اوہ.... اچھا وہ تصویر اس کی لاش سے الگ کر لاؤ اور دوسروں کو لاش کے پاس سے ہٹ جانے کو کہو۔ کہنا باس کا حکم ہے کہ اپنے کمروں میں چلے جاؤ اور بھول جاؤ کہ وہاں کوئی لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"بہت بہتر باس۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل کر دوڑتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔

"تم سب اپنے کمرے میں جاؤ باس کا حکم ہے۔ اسے بھول جاؤ کہ کمپاؤنڈ میں کوئی لاش پڑی ہوئی ہے۔"

وہ سب چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔ پی ون فورٹی ایٹ نے تصویر لاش سے الگ کی اور پھر دوڑتا ہوا عمارت میں داخل ہوا۔ ایکیوریم والے کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ باس کی آواز آئی۔

تصویر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لو۔"

"او۔ کے.... باس۔" اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہا۔

"اب.... سنو.... فی الحال ہم اس عمارت سے دوسری عمارت میں منتقل ہو رہے ہیں لہٰذا تم اس بام مچھلی کو ایکیوریم سے نکال کر کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر پہنچ جاؤ...."

"ب.... بہت اچھا باس۔" اس نے بام مچھلی کو گھورتے ہوئے پر تشویش لہجے میں کہا۔

"جلدی کرو...." آواز آئی۔

وہ کوئی ایسی چیز تلاش کرنے لگا جس پر کھڑا ہو کر ایکیوریم کے دھانے تک پہنچ سکتا لیکن وہاں اس ایکوریم کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

وہ تیزی سے باہر نکلا اور دوسرے کمرے سے ایک اسٹول اٹھا کر پھر وہیں واپس آ گیا لیکن جیسے

ہی اس نے اسٹول پر کھڑے ہو کر ایکیوریم میں ہاتھ ڈالا مچھلی تیزی سے مڑی اور اس کی کلائی اپنے جبڑوں میں دبوچ لی۔ ایک بیساختہ قسم کی چیخ کمرے میں گونجی تھی اور وہ اسٹول سے اچھل کر فرش پر آپڑا تھا۔

پھر شائد اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کوشش جسمانی تشنج میں تبدیل ہو کر رہ گئی اس کے بعد جسم ایک جھٹکے کے ساتھ سیدھا ہو کر بے حس و حرکت ہو گیا فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط تھی۔

بام مچھلی پہلے ہی کی طرح بے نیازانہ تیرتی رہی۔

پھر ایک دبلا پتلا اور لمبا آدمی اس کمرے میں داخل ہو۔ اس نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ ایکیوریم کی جانب دیکھا اور مرنے والے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جھک کر اس کی جیب سے وہی تصویر نکالی اور یکایک اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔

تصویر کو ہاتھ میں لئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے نکلا اور راہداری میں پہنچ کر دائیں جانب مڑ گیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد ایک دروازے پر رک کر دستک دی۔

”کون ہے؟“ اندر سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

”دروازہ کھولو۔“ لمبے آدمی نے اونچی آواز میں کہا۔

”بب.... باس۔“ اندر سے آواز آئی اور جلد ہی دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک سفید فام غیر ملکی کھڑا اسلیپنگ گاؤن پہن رہا تھا۔

”یس.... بب.... باس۔“

”ابھی اور اسی وقت اس تصویر کا ٹسٹ کرا کے بتاؤ کہ یہ میک اپ ہے یا اصل چہرہ۔“

”او.... کے.... باس۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر تصویر لے لی۔

”اور شاٹو سے کہو یہاں ایک لاش ہے اسے فوراً ٹھکانے لگا دے۔“

”کک.... کہاں باس؟“

”مچھلی والے کمرے میں۔“

”اور پھر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

* * *

ہوٹیل میں داخل ہونے سے قبل ہی وائی تھری کا پہلا میک اپ اتر گیا تھا اور اب وہ ایک کھلنڈرے نوجوان کے روپ میں نظر آ رہا تھا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ

بھی اس کا چہرہ ڈراؤنا بھی رہا ہوگا۔ ہوٹیل میں اس نے اپنا نام لیمی رولاں درج کرایا تھا اور جب خاتون کاؤنٹر کلرک نے ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی میں اسے یہ بتانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس ہوٹیل میں بہترین شامیں گذار سکے گا تو وہ ہنس کر بولا۔ ”میں تمہاری زبان میں تمہاری ہی طرح گفتگو کر سکتا ہوں۔“

”یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ کو قطعاً کوئی تکلیف نہ ہوگی۔“

”جانتی ہو ایسا کیوں ہے۔“

”نہیں.... مجھے ضرور بتایئے....“ کاؤنٹر کلرک بچھی جا رہی تھی۔

”مجھے تمہارے ملک اور زبان سے بڑی محبت ہے۔ میں نے بچپن میں تمہارے شعراء کے کلام کا فرانسیسی ترجمہ پڑھا تھا اور تہیہ کر لیا تھا کہ تمہاری زبان ضرور سیکھوں گا تاکہ تمہاری خوبصورت شاعری کا صحیح لطف اٹھا سکوں۔“

”میں آپ کو جدید شعراء کے مجموعے پیش کروں گی۔“

”بہت بہت.... شکریہ....“

”اسی شام کو جب وہ ڈائننگ ہال میں پہنچا تو کاؤنٹر پر اس وقت بھی وہی لڑکی نظر آئی تھی وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور وائی تھری کاؤنٹر ہی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”تمہاری ڈیوٹی بہت لمبی ہے۔“

”ڈیوٹی؟“ نہیں تو.... میں خود ہی یہاں بیٹھی رہتی ہوں۔ مجھے اس سے دلچسپی ہے۔ دراصل یہ میرے چچا کا ہوٹیل ہے۔“

”اوہو.... تو تمہارا چچا بہت مالدار آدمی معلوم ہوتا ہے یہ یہاں کے بہت بڑے ہوٹیلوں میں سے ہے۔“

”یہاں کے سارے بڑے ہوٹیل میرے چچا ہی کے ہیں اور وہ علیا آباد کا سب سے بڑا آدمی ہے۔“

”اوہو.... تب تو تم بہت خوش قسمت ہو۔ کیا نام ہے تمہارے چچا کا۔“

”آقائے جواد حیدر۔“

”میرے لئے اپنے چچا کا آٹوگراف ضرور لے لینا۔ میری آٹوگراف بک میں ملکہ الزبتھ تک کے دستخط موجود ہیں۔“

”ضرور.... ضرور.... موسیو رولاں۔“

”کیا میں ماموزئیل کا نام معلوم کر تا ہوں؟“

”یاسمن فرخ زاد۔“ وہ مسکرا کر بولی۔ ”تم میرا پہلا نام لے سکتے ہو۔“

"تو پھر تم بھی مجھے لیمی ہی کہو گی۔"

"بڑی خوشی سے.... کیا پیو گے۔؟"

"کافی...."

"یہیں منگوائے دیتی ہوں۔ میں آج تک فرانس نہیں گئی۔ مجھے پیرس دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔"

"آؤ.... اور میری مہمان رہو۔ میرا باپ بھی ایک چھوٹا موٹا سرمایہ دار ہے لیکن مجھے سرمایہ داری سے نفرت ہے۔ میں تو حافظ یا عمر خیام بننا چاہتا ہوں۔"

"تمہارے خیالات بھی تمہاری ہی طرح خوبصورت ہیں۔"

"ہا.... آ.... اب میں تمہارے بارے میں کیا کہوں۔"

"کہو کہو.... میں سن رہی ہوں۔" وہ دلآویز انداز میں مسکرائی اور کاؤنٹر سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک پش بٹن پر انگلی رکھ دی۔

"عمر خیام کی رباعیات کی کچھ پینٹنگز میرے مکان میں لگی ہوئی ہیں اس کے ایک ساقی کی شکل ہو بہو تم سے ملتی ہے۔ میں صبح سے اب تک تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا ہوں۔"

"شکریہ! میرا بھی یہی خیال ہے کہ میرے خدوخال کلاسیکی ہیں۔ لیکن یقین کرو کہ آج تک تمہارے علاوہ اور کسی نے بھی مجھ سے یہ بات نہیں کہی۔"

"تمہاری ان نیم خوابیدہ سی آنکھوں میں مجھے ہزاروں سال پرانی کہانیاں دکھائی دیتی ہیں۔"

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ویٹر قریب آکر مودب کھڑا ہو گیا۔

"کافی۔" یاسمن نے اس سے کہا۔ "یہیں لاؤ...."

ویٹر واپس چلا گیا اور یاسمن وائی تھری سے بولی۔ "تم کھڑے کیوں ہو بیٹھ جاؤ۔"

وائی تھری عین اس کے سامنے والے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ "میں تمہیں علیا آباد کے میوزیم میں اپنے یہاں کے مصوروں کے کارنامے دکھاؤں گی۔ تم دیکھنا کہ انہوں نے کس انداز میں خیام کی رباعیات اور حافظ کے اشعار کو نیا روپ دیا ہے۔"

"ضرور.... ضرور.... میری خوش قسمتی ہے کہ یہاں پہنچتے ہی تم جیسی مہربان خاتون سے ملاقات ہو گئی!"

"میں تمہیں یہاں کا چپہ چپہ دکھاؤں گی۔ یقین کرو تمہیں اپنی زبان اتنی روانی سے بولتے سن کر مجھے بیحد خوشی ہو رہی ہے۔ میں تمہیں اپنے معزز چچا سے بھی ملواؤں گی۔ تم خود ہی ان سے آٹوگراف لے لینا۔"

"مزید خوش قسمتی...." وائی تھری نے طویل سانس لی۔

شائد اسے توقع نہیں تھی کہ بات اتنی جلد بن جائے گی۔ اس ہوٹیل میں اس نے قیام ہی اس لئے کیا تھا کہ یہ جواد حیدر کی ملکیت تھا اور یہاں اس کی بھتیجی کاؤنٹر پر بیٹھتی تھی۔

کافی آئی اور دونوں کافی پیتے رہے۔ تصویروں سے وہ پھولوں کی طرف آئے اور یاسمن اسے اپنی پسند سے آگاہ کرتی رہی۔

پھر اچانک وائی تھری بولا۔ "اگر مجھ سے کوئی بیوقوفی سرزد ہو جائے تو مجھے معاف کر دینا۔"

"میں نہیں سمجھی۔" یاسمن نے حیرت سے کہا۔

"میرے گھر والوں کا خیال ہے کہ میں اول درجے کا بیوقوف ہوں۔"

"لیکن میں تو ایسا محسوس نہیں کرتی۔"

"شکریہ! میرے احباب بھی مجھے احمق ہی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔"

"یقیناً وہ برے ہی لوگ ہوں گے۔ خیر.... ہٹاؤ.... میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ اسی وقت سے تمہیں یہاں کی سیر کرانے کی شروعات کر دی جائے۔"

"یاسمن.... میں تمہارا بیحد شکر گذار ہوں گا۔ صبح سے تنہائی نے مجھے تھکا دیا ہے۔"

"اچھا تو ہم گلبار چلیں گے اور وہیں رات کا کھانا کھائیں گے۔ وہ بھی اپنا ہی ہے وہاں پھولوں کی بہار دیکھنا۔"

"پھولوں سے مجھے والہانہ عشق ہے۔" وائی تھری بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

◆

جنرل کی گاڑی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور وہ گاڑی سے اتر کر صدر دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کے چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی اور آنکھوں میں شدید ترین الجھن کے آثار تھے۔

سٹنگ روم میں پہنچ کر اس طرح صوفے پر گر پڑا جیسے ایک لمبی مسافت پیدل طے کر کے یہاں تک پہنچا ہو۔ پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک ملازم کمرے میں داخل ہو کر مودب کھڑا ہو گیا۔

"علی نقی کو بھیج دو۔" جنرل نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

کچھ دیر بعد علی نقی کمرے میں داخل ہوا۔

"تم نے دیکھا؟" جنرل نے غصیلے لہجے میں کہا۔

علی نقی نے بوکھلا کر سر کو منفی جنبش دی۔

"بیٹھ جاؤ۔"

"شکریہ جناب!" وہ سہمے ہوئے انداز میں ایک طرف بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس سے بڑی حماقت اور کیا ہوگی۔"

"جج.... جی.... ہاں.... مگر۔"

"شام کا کوئی اخبار دیکھا ہے۔"

"ابھی تک نہیں آقائی۔"

"وائی تھری.... کی بات کر رہا ہوں۔ اس نے پھر کسی کو مار ڈالا۔"

"یقیناً وہ دشمن کا کوئی ایجنٹ ہی ہوگا۔"

"پوری بات سنو۔ لاش پولیس اسٹیشن کے قریب پائی گئی ہے۔"

"اوہ...."

"پھر دوسری حماقت یہ کہ اپنی تصویر مقتول کے کوٹ کے کالر سے پن کر کے اس کی پشت پر لکھ دیا ہے۔" مقامی پولیس کو چیلنج۔ اس کا قاتل میں ہوں۔"

"خدا کی پناہ جناب.... اس سے بڑی حماقت تو ہو ہی نہیں سکتی۔"

"اور.... وہ.... جواد حیدر کے شبستان ہوٹل میں ٹھہرا ہے۔"

"وہ تو آقائی آپ ہی نے اسے مشورہ دیا تھا۔"

"لیکن میں نے یہ مشورہ تو نہیں دیا تھا کہ وہ پولیس کو چیلنج کرتا پھرے.... حد ہوگئی۔"

"واقعی بڑی عجیب بات ہے جناب!"

"معلوم کرو کہ وہ ان حالات میں بھی وہیں مقیم ہے۔ یا نہیں...."

"بہت بہتر.... جناب...."

علی نقی کمرے سے چلا گیا اور جنرل پاؤچ سے تمباکو نکال کر پائپ بھرنے لگا۔ پائپ سلگا کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ پھر پندرہ منٹ بعد علی نقی کی آمد ہی پر چونکا تھا۔

علی نقی بیحد خوش نظر آرہا تھا۔ جنرل نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ جلدی سے بول پڑا۔

"وہ وہاں سرے سے گیا ہی نہیں۔"

"یہ اور بھی برا ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ وہ میری ہی نظر میں رہے۔"

علی نقی کچھ نہ بولا جنرل پر تشویش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اچانک فون کی گھنٹی بجی جنرل نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں.... کیا ہے؟"

"لاش پر پائی جانے والی تصویر سے متعلق ایک نئی خبر جناب۔ کسی پروفیسر تلگاوا نے پولیس کو طلع کیا ہے کہ لاش کے ساتھ پائی جائے والی تصویر میں صاحب تصویر کا اصل چہرہ نہیں معلوم تا اگر پولیس اور یجنل فوٹوگراف اس تک پہنچا سکے تو وہ اپنی تجربہ گاہ میں اپنے دعوے کا ثبوت ش کر سکے گا۔"

"پروفیسر تلگاوا کیا بلا ہے۔" جنرل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایک فرانسیسی ہے جو دس سال سے یہاں آباد ہے سائنٹسٹ ہے اپنی ذاتی تجربہ گاہ بھی رکھتا ہے۔"

"کیا پولیس نے تصویر اس کے حوالے کر دی؟"

"جی ہاں۔ اور پروفیسر نے ثابت کر دیا ہے کہ ناک اور گھنی مونچھیں مصنوعی ہیں۔"

"اوہ.... اچھا.... اور کچھ۔"

"بس اتنا ہی.... جناب۔"

"ٹھیک ہے۔" کرنل نے کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ علی نقی اس دوران میں اسے بہت ور سے دیکھتا رہا۔ جنرل اس کی طرف مڑ کر مسکرایا۔

"کوئی اچھی خبر ہے جناب؟"

"بہت اچھی علی نقی۔ کیا وائی تھری کی ناک اور مونچھیں مصنوعی لگتی تھیں۔"

"نہیں جناب۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا کہ اس کا میک اپ حیرت انگیز تھا۔"

"میک اپ؟" علی نقی چونک پڑا۔

"ہاں میک اپ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کسی دوسرے میک اپ میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوگا۔ ب ہم اس پر نظر رکھ سکیں گے۔"

"جب وہ اتنا کامیاب میک اپ کر سکتا ہے تو ہم اسے کس طرح پہچانیں گے جناب۔"

"تم ایک بات بھول رہے ہو۔ شبستان میں ٹھہرنے کا مشورہ میں نے ہی دیا تھا اور اسے یہ بھی تایا تھا کہ جواد حیدر کی ایک بھتیجی زیادہ تر کاؤنٹر ہی پر بیٹھی رہتی ہے۔ اس سے ربط بڑھانے کی وشش کرنا۔"

"اوہ.... جناب واقعی میں تو بھول ہی گیا تھا۔"

"لہٰذا ہوٹل میں قیام کرنے والا جو شخص بھی لڑکی کے قریب زیادہ دیکھا جائے وہ وائی تھری ہوگا۔"

”آقائی سورج ہیں اور ہم سب حقیر ذرے۔ ہمیں آپ ہی سے تو روشنی ملتی ہے۔“

”اب میری پریشانی رفع ہوگئی۔“ جنرل نے طویل سانس لی تھی۔

* * *

دوسری صبح لیمی رولاں (وائی تھری) نے اخبار کے پہلے ہی صفحے پر پروفیسر تلگاوا کا انکشاف پڑھ کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کچھ دیر خاموش رہ کر بڑبڑایا۔ ”پروفیسر تلگاوا.... ! میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تمہیں قریب سے دیکھنے کی کوشش کروں گا۔ اور پھر ایسی حالت میں جب کہ میرے شکار کی لاش پولیس اسٹیشن کے قریب پڑی پائی گئی ہو۔ کہاں شاہراہ جمشیدی کی گیارہویں عمارت اور کہاں پولیس اسٹیشن.... ہونہہ.... ڈفر....“

ناشتہ اس نے کمرے ہی میں طلب کیا۔ کافی کی پیالی میں شکر گھول ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔

”صبح بخیر....“ دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

”صبح بخیر یاسمن۔ میں تمہاری مہک فون پر بھی محسوس کر رہا ہوں۔“

”رات کیسی گذری۔“

”بہت خوبصورت! خواب میں پھول ہی پھول دیکھتا رہا۔ جن میں یاسمن سب سے نمایاں تھا۔“

”تم بڑی اچھی باتیں کرتے ہو۔ میں اس وقت گھر سے بول رہی ہوں۔ دس بجے تک پہنچوں گی۔ تم تیار رہنا میں تمہیں یہاں کی آرٹ گیلری دکھاؤں گی۔“

”میں بے چینی سے منتظر رہوں گا۔ اے بے داغ سفید پھول۔“

اس کے کان میں ایک پر شور قسم کا بوسہ گونجا اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

ریسیور رکھ کر وہ کافی پینے لگا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ قد آدم آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر مسکرانے لگا اور پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”دیکھو بیٹے عمران! ذرا احتیاط سے۔ نادانستگی میں تم سے جو حماقتیں خواہ مخواہ سرزد ہوتی رہتی ہیں ان سے بچنے کی کوشش کرنا۔ تنہا ہو اس پرائے دیس میں.... اچھا تو دن بھر کی ممکنہ حماقتیں یہیں تنہائی میں کیوں نہ کر بیٹھوں.... اوہ.... ہشت.... دیکھا جائے گا....“

دس بجے یاسمن آپہنچی تھی۔ وہ بھی باہر جانے کی تیاری کر چکا تھا۔

”تم بیحد عجیب آدمی ہو۔“ وہ کمرے میں داخل ہوتی ہوئی بولی۔ ”کل ہی تو ہماری ملاقات ہوئی تھی لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں برسوں سے تمہیں جانتی ہوں۔ ہے نا عجیب بات!“

”پھیلاتی رہو اپنی خوشبو۔ جب بھی تمہیں یاد کرتا ہوں۔ تمہاری باتوں کی خوشبو میرے پورے وجود پر مسلط ہو جاتی ہے۔ باتیں کرنے کا اتنا خوبصورت انداز میں نے آج تک کسی لڑکی میں نہیں پایا۔ بیٹھ جاؤ.... کیا پیو گی۔“

”بس باہر ہی کھائیں گے۔“

”اچھا تو چلو۔“

دونوں کمرے سے نکلے۔ زینے طے کر کے ڈائننگ ہال سے گذرتے ہوئے پورچ میں آئے۔ یہاں یاسمن کی اسپورٹ کار کھڑی تھی۔

”تمہاری ڈرائیونگ بھی بہت عمدہ ہے۔“ عمران نے اس سے کہا۔ ”کل شام اس کا اندازہ ہوا تھا۔ ہائے گلبار کی شام یاسمن کے ساتھ کبھی نہ بھلا سکوں گا۔“

”تم ان پھولوں کے درمیان ڈریم لینڈ کے شہزادے معلوم ہو رہے تھے جب تم یہاں سے جانے لگو گے تو میں تم سے نہیں ملوں گی۔“

”کیوں....؟“

”میں بہت جلد رو پڑتی ہوں اور دوسرے میرا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں۔“

”میرا بھی یہی دل چاہتا ہے۔“

”اچھا تو پھر ہم دونوں یہی کریں گے۔“

”ضرور.... ضرور....“ عمران سر ہلا کر بولا۔

اسپورٹ کار تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔ یاسمن ہی ڈرائیو کر رہی تھی اور عمران اسی کے قریب بیٹھا ہونقوں کی طرح چاروں طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہو؟“ یاسمن بولی۔

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ سب کچھ پہلے بھی دیکھ چکا ہوں حالانکہ یہاں پہلی بار آیا ہوں۔“

”ایسا ہوتا ہے۔ تم ایسی فضاؤں کے بارے میں سوچتے رہے ہو گے اسی لئے اجنبیت نہیں محسوس کرتے۔“

”تم ذہین بھی ہو.... خوبصورت پھول اور ذہانت کی خوشبو مجھے بہت متاثر کرتی ہے کیونکہ خود اول درجے کا بیوقوف ہوں۔“

”بیوقوف نہیں بلکہ سادہ لوح کہو۔ مجھے ایسے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں جو چالاک بننے کی کوشش نہ کرتے ہوں۔“

"تم خود بھی تو ایسی ہی ہو۔"

"چالاک بن کر کیا کروں گی۔ ضرورت ہی کیا ہے۔ سیدھے سادھے آدمیوں کی طرح زندہ رہو اور خوشیاں سمیٹتے رہو۔ دوسروں کی چالاکی ہمیں اسی لئے دل گرفتہ کر دیتی ہے کہ ہماری چالاکی مات کھا گئی۔"

"واقعی بہت ذہین ہو۔"

آرٹ گیلری میں پہنچ کر وہ بچوں کی طرح متحیرانہ انداز میں چاروں طرف نظریں دوڑاتے پھر رہے تھے۔ قدیم اور جدید مصوروں کے بیشمار کارنامے یہاں بکھرے ہوئے تھے۔

عمران تصاویر کے قریب رک کر ان سے متعلق اظہار خیال کرتا۔

"مصوری کے بارے میں تمہارا تنقیدی شعور بھی حیرت انگیز ہے۔" یاسمن بولی۔

دفعتاً عمران عمر خیام کی ایک رباعی کے قریب رک کر اس کی طرف مڑا۔

"یہ دیکھو۔ ذرا اس ساقی کو دیکھو۔ کیا تم سے مشابہ نہیں ہے۔"

"میرے خدا۔" یاسمن چونک پڑی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

"میری خوابگاہ میں اسی کی نقل آویزاں ہے۔ میں نے تم سے جھوٹ تو نہیں کہا تھا۔"

"تو آج تم نے مجھے دریافت کیا ہے۔" یاسمن اس کی سنجیدگی پر ہنس پڑی۔

"کاش میں تمہیں ایسے ہی لبادے میں دیکھ سکتا اور تم میری طرف ٹھنڈے پانی کا گلاس بڑھا رہی ہوتیں۔"

"ٹھنڈا پانی کیوں۔" وہ ہنس پڑی۔

"ایسے مواقع پر ٹھنڈا پانی ہی پینا پڑتا ہے۔"

"میں نے ابھی تک تمہیں شراب طلب کرتے نہیں دیکھا۔"

"میں نہیں پیتا۔"

"یہ بھی میرے لئے حیرت انگیز ہے۔"

"یسوع مسیح نے منع کیا ہے اس لئے نہیں پیتا۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ تم اتنے مذہبی ہو گے۔" یاسمن نے مایوسی سے کہا۔

"کیا مذہبی ہونا بری بات ہے۔"

"نہیں! یہ بھی نہیں کہتی۔"

"کیا تم پیتی ہو؟"

"کبھی کبھی پورٹ یا شیری پی لیتی ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے پیغمبر نے بھی شراب پینے کو منع کیا ہے۔ میں نے کہیں پڑھا تھا۔"

"بس اب زیادہ بور مت کرو۔"

"دیکھو نا۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ کبھی کبھی بیوقوفی کی باتیں بھی کرنے لگتا ہوں۔"

"ویسے میرا خیال ہے کہ آج سے میں شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گی کیونکہ ایک عیسائی نے میرے پیغمبر کا حوالہ دیا ہے۔"

"کیا برا مان گئیں؟" وہ بوکھلا کر بولا۔

"بالکل نہیں۔ میں تمہاری شکر گذار ہوں۔ اللہ اس کا رسولؐ اور شیرِ خدا مجھے معاف کرے۔"

"واقعی میں نے تمہیں بور کر دیا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ چلو۔ اب میں تمہیں ایک اور ایسے ہوٹل میں لے چلوں گی جو یہاں کی بہترین تفریح گاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔"

"وہ بھی تمہارے چچا ہی کا ہے۔"

"ہاں۔"

باہر نکل کر وہ پھر اسپورٹ کار میں بیٹھے اور عمران نے اس کے عقب نما آئینے کو اس طرح ایڈجسٹ کیا کہ وہ خود بھی اس پر نظر رکھ سکے کیونکہ شبستان سے نکلتے ہی اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ نیلے رنگ کی ایک ووکس ویگن مسلسل پیچھے لگی رہی تھی اور اب بھی وہ اسے بخوبی دیکھ سکتا تھا۔

نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے اس نے کنکھیوں سے یاسمن کو دیکھا۔ وہ کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی تھی۔

"میں نے واقعی تمہارا موڈ چوپٹ کر دیا۔ معافی چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"چھوڑو.... ختم کرو۔ پرانی بات ہوئی۔"

"ویسے میں ایک بڑی عمدہ بات سوچ رہا تھا۔"

"کیا بات؟"

"تم خود اپنا ایک اسنیک بار کیوں نہیں کھول دیتیں۔ اسے مشرقی طرز پر سجاؤ اور خود وہاں وہی قدیم لباس پہن کر بیٹھو جس میں تم عمر خیام کو شراب دے رہی تھیں۔ یقین کرو، وہاں مغرب کے سیاحوں کی بھیڑ رہا کرے گی، کیونکہ وہ مشرق میں مشرقیت دیکھنے آتے ہیں۔"

"خیال اچھا ہے لیکن میرے باپ اتنے مالدار نہیں ہیں۔ تمہیں سن کر حیرت ہو گی کہ ہم گیارہ بھائی بہن ہیں۔ اتنے بڑے کنبے میں ایسی بچت کیسے ہو سکتی ہے جسے کسی بڑے کاروبار میں لگایا

جاسکے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم گیارہ ہو۔ میرا باپ تو مجھ ایک کو بھی نہیں برداشت کر سکتا۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر دوبارہ اضمحلال طاری ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "میرا چچا ان گیارہ میں سے صرف مجھے پسند کرتا ہے۔ باپ سے بھی اس کی لڑائی ہے۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔"

"یہ تو بری بات ہے۔ ہاں تو تم مجھے اپنے چچا سے کب ملاؤ گی۔"

"میں ان سے ذکر کروں گی۔ بیحد مصروف آدمی ہیں۔ مجھ سے اس لئے خوش ہیں کہ میں ان کے کاروبار میں دلچسپی لیتی ہوں۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔"

گاڑی پھر ایک ہوٹیل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ یہاں سوئمنگ پول کے چاروں کناروں پر میزیں لگی ہوئی تھیں جن کے اوپر بڑے بڑے سائبان تھے عمران نے دوکس ویگن کو بھی کمپاؤنڈ میں پارک ہوتے دیکھا۔ اس میں سے ایک طویل قامت نوجوان برآمد ہوا تھا۔

"میں ایک کال کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے یاسمن سے کہا۔

"یہاں کسے کال کرو گے۔ میرے علاوہ اور کسی کو جانتے ہو۔"

"ایئر پورٹ۔ میرا ایک سوٹ کیس رہ گیا تھا۔ معلوم کرنا ہے ملا یا نہیں.... مل گیا ہو گا تو شبستان کے لئے کہہ دوں گا۔"

"وہ سامنے بوتھ ہے۔ تم کال کرو۔ میں اندر منیجر کو کچھ ہدایات دوں گی۔" یاسمن نے کہا اور عمران کو وہیں چھوڑ کر چلی گئی۔

بوتھ میں پہنچ کر عمران نے دروازہ بند کیا اور جنرل کے نمبر ڈائیل کئے۔

"وائی تھری۔" جواب ملنے پر اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"اوہ.... تم کہاں ہو؟" دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

"تھوڑی دیر بعد آپ کو اطلاع مل جائے گی۔" عمران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "نیلی دوکس ویگن پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔"

"کیا مطلب!"

"دیکھئے جنرل صاحب! اگر نادانستگی میں آپ کا کوئی آدمی میرے ہاتھوں مارا گیا تو ذمہ داری مجھ پر نہ ہو گی۔"

"آخر تم نے وہ احمقانہ حرکت کیوں کی تھی۔"

"فون پر اس کے متعلق گفتگو نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو یہ طریقہ ترک کرنا پڑے گا۔ نیلی دوکس ویگن واپس منگوا لیجئے۔"

"خیر.... اچھا.... اچھا۔ مجھ سے جلد ملنے کی کوشش کرو۔"

"شکریہ! جلد ہی ملوں گا۔"

"سلسلہ منقطع کر کے وہ بوتھ سے باہر نکل آیا۔ نیلی دوکس ویگن والا بوتھ کے قریب ہی کھڑا نظر آیا تھا۔

عمران اس کی طرف توجہ دیئے بغیر بائیں جانب والے سائبان کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سوئمنگ پول میں نوجوان لوگ ڈائیو کر رہے تھے۔ ان میں خوشرنگ اور متناسب جسموں والی لڑکیاں بھی تھیں۔

وہ سائبان کے نیچے پہنچا ہی تھا کہ یاسمن واپس آتی دکھائی دی۔ اس کے پیچھے ایک آدمی مودبانہ چلا آرہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے عمران سے پوچھا۔ "کس طرف بیٹھنا چاہتے ہو!"

"جہاں دل چاہے بیٹھ جاؤ۔ میرے پاس سوئمنگ ڈریس ہوتا تو میں بھی غسل کا لطف اٹھا سکتا تھا۔"

"وہ بھی مہیا کر دیا جائے گا۔ تو پھر پہلے غسل ہی کر لو۔ پھر کھائیں گے۔ میں بھی تھوڑی سی ڈائیونگ کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ پھر چلی گئی تھی۔ شائد غسل کا لباس فراہم کرنے کے لئے۔ عمران سائبان کے نیچے ہی بیٹھا ہا۔ نیلی گاڑی والا پھر دکھائی دیا۔ وہ بھی اسی سائبان میں چلا آیا تھا۔ عمران کے قریب ہی کی ایک ز کے سامنے بیٹھ گیا۔

یاسمن واپس آئی تو عمران آہستہ سے بولا۔ "پہلے میری ایک بات سن لو۔"

"ہاں۔ کیا ہے۔" وہ رازدارانہ انداز میں اپنا کان اس کے منہ کے قریب لے گئی۔

"اگر میں نے تمہیں غسل کے لباس میں دیکھ لیا تو پھر میرا افرانس واپس جانے کو دل نہ چاہے گا۔"

وہ سیدھی کھڑی ہو کر ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں تمہیں غسل کے لباس میں دیکھ کر مجھے قے نہ ہو جائے۔ مرد اسی وقت تک اچھے لگتے ہیں جب تک وہ پورے کپڑے پہنے ہوں۔ بھلا ان کے جسموں میں خوبصورتی کی کون سی چیز ہوتی ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ بڑی عمدہ بات کہی تم نے.... مردوں سے زیادہ بے ہنگم جانور خدا نے پیدا

نہیں کئے۔ میں نے ایک بار پیرس میں ایک ایسا لمبا اور دبلا پتلا آدمی دیکھا تھا جو پانی میں تیرتے وقت بالکل بام مچھلی معلوم ہوتا تھا۔"

"اگر تم کہو تو یہاں بھی تمہیں ایک ایسا آدمی دکھا سکتی ہوں۔" وہ ایک بہت بڑا پامسٹ اور نجومی ہے، جو حکم لگا دیتا ہے وہی ہوتا ہے اور بڑی عجیب بات ہے کہ اس نے ایک بام مچھلی بھی پال رکھی ہے۔"

"تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں بھی اس سے کچھ پوچھا؟"

"نہیں۔ مجھے تو وہ بہت سور معلوم ہوتا ہے۔ ویسے میرے چچا اس کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہو۔"

"بام مچھلی کی کیا بات کہی تھی؟"

"میں نے چچا سے سنا تھا کہ اس کے یہاں ایک بہت بڑے ایکیوریم میں ایک چار فٹ لمبی بام مچھلی تیرتی رہتی ہے اور اس کا جسم بھی بام مچھلی ہی کی طرح لچکیلا ہے ایسا لگتا ہے جیسے جسم میں ہڈیاں ہی نہ ہوں.... خود چچا کا خیال ہے کہ وہ اس بام مچھلی سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔"

"اب تو اسے دیکھنے کو دل چاہنے لگا ہے۔ واقعی عجیب ہوگا۔ وہ کہاں رہتا ہے۔"

"یہ تو نہیں بتایا چچا نے۔"

"خیر ہوگا.... اب کیا پروگرام ہے۔"

"کھانا کھا کر یہیں آرام کریں گے۔"

"جہاں آرام کرنا ہے۔ وہیں کھانا کیوں نہ کھائیں۔" عمران نے کنکھیوں سے نیلی کار والے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اسے مایوس کر دینا چاہتا تھا۔

"چلو یہی سہی۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

◆

پروفیسر تلگاوا کی تجربہ گاہ شہر سے باہر تھی۔ دس گیارہ سال سے وہ یہاں مقیم تھا اور یہاں کی حکومت نے اس کے تحقیقی کاموں کے سلسلے میں آسانیاں فراہم کی تھیں۔

تلگاوا پرتگالی تھا۔ لیکن عام طور پر لوگ اسے فرانسیسی سمجھتے تھے کیونکہ وہ فرانسیسی بھی بڑی روانی سے بول سکتا تھا۔

اس کے ساتھ اس کی جوان العمر بیوی ماریانا بھی تھی۔ بچے نہیں تھے۔ خود پروفیسر پچاس سال سے کم کا نہ رہا ہوگا۔

پروفیسر اس وقت اپنی تجربہ گاہ میں وائی تھری کی تصویر پر کچھ مزید تجربات کر رہا تھا۔

مقامی پولیس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ کسی طرح اس تصویر کے صحیح خدوخال کی بھی نشاندہی کرنے کی کوشش کرے۔

دفعتاً تجربہ گاہ کا دروازہ کھلا اور ایک دبلا پتلا اور لمبا آدمی اندر داخل ہوا۔

پروفیسر چونک پڑا۔ نہ صرف چونک پڑا تھا بلکہ اس کے چہرے پر خوفزدگی کے آثار بھی نظر آئے تھے۔

"تت.... تم.... اندر کس طرح آئے۔"

"مسز تلگاوا کو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔"

"مجھے بیہودہ مذاق پسند نہیں ہے۔ بتاؤ اندر کیسے آئے۔ سارے دروازے مقفل تھے۔"

"میں ہوا بن کر دروازوں کے رخنوں سے بھی گذر سکتا ہوں۔ مگر ماریانا کہاں ہے۔"

"بکواس مت کرو نکل جاؤ یہاں سے۔" پروفیسر نے اسے للکارنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز میں خوف کی لرزش بدستور موجود تھی۔

"میں تمہارا باس ہوں تلگاوا۔ میرا احترام کرو۔"

"میں ٹی تھری بی کے علاوہ اور کسی کو جوابدہ نہیں۔"

"تم سنگ ہی کے غلام ہو تلگاوا۔ مجھے درمیان میں لائے بغیر تم ٹی تھری بی سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے۔"

"میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے گندے پیلے سور۔"

"میں تمہاری بدکلامی کا برا نہیں مانوں گا کیونکہ تم ایک بہت خوبصورت بیوی کے شوہر ہو۔" سنگ نے سفاک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

تلگاوا ایک بڑا سا ہتھوڑا اٹھا کر سنگ کی طرف جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ہتھوڑا تو اچھل کر دور جا گرا اور سنگ کسی آکٹوپس کی طرح اس سے چمٹتا ہوا بولا "گرفت بتدریج سخت ہوتی جائے گی اور بالآخر تمہاری پسلی کی ہڈیاں چٹاچٹ ٹوٹنے لگیں گی۔ میری گرفت میں بتدریج دباؤ محسوس کرنے کی کوشش کرو تلگاوا۔"

ذرا ہی سی دیر میں تلگاوا اس طرح چیخنے لگا تھا جیسے سچ مچ موت کے شکنجے سے بچ نکلنے کے لئے دیوانہ وار جدوجہد شروع کر دی ہو۔

"بتاؤ.... ماریانا کہاں ہے؟"

"بیڈروم.... بیڈروم کے نیچے والے تہہ خانے.... وہ تم.... سے ڈرتی ہے اس پر رحم کرو۔"

سنگ اسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔

تلگاوا کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کھڑا اس طرح جھوم رہا تھا جیسے بہت زیادہ پی گیا ہو سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ پھر وہ دفعتاً فرش پر آرہا سنگ خاموشی سے باہر نکل گیا پل بھر کے لئے مڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا کہ تلگاوا پر کیا گذری۔

تلگاوا چند لمحے آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ پھر کسی زخمی جانور کی طرح گھسٹتا ہوا ایک جانب بڑھنے لگا۔ کھڑے ہونے کی سکت شائد اب بھی نہیں تھی۔

بائیں جانب والی دیوار کے قریب پہنچ کر اس نے ایک ذیلی سوئچ بورڈ کا سرخ پش بٹن دبایا۔ ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی اور سوئچ بورڈ کے برابر ہی دیوار سے ایک خانہ بر آمد ہوا جس میں سیاہ رنگ کی چھوٹی سی مشین نصب تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ایک سوئچ آن کیا۔ ہلکی سی آواز جو ہواؤں کے مدہم سے شور سے مشابہ تھی کمرے میں گونجی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ایک چھوٹی سی چرخی کو گردش دینے لگا۔ ساتھ ہی کہتا جارہا تھا۔ ”ہلو مادام....! ٹی تھری بی ہلو.... مادام ٹی تھری بی....“

اچانک اس مشین سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سے کتے بھونک رہے ہوں۔

پھر اس نے پشت پر قہقہے کی آواز سنی اور کسی چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح پلٹ پڑا۔

سنگ ہی دروازے میں کھڑا ہنس رہا تھا۔ تلگاوا اسے متنفر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

”پروفیسر!“ سنگ مضحکانہ انداز میں بولا۔ ”میری ہر بات پر یقین کرنا سیکھو ورنہ غارت ہو جاؤ گے۔“

تلگاوا کچھ نہ بولا۔ سنگ نے آگے بڑھ کر اس انوکھی وضع کے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

اس کے بعد تلگاوا کو سہارا دے کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”بالکل خبطی ہو.... ماریانا جہاں تھی وہیں ہے۔ میں نے اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اب کوئی بھی براہ راست مادام سے گفتگو نہیں کر سکتا، جو کچھ کہنا ہے مجھ سے کہو۔ ماریانا مجھے اچھی لگتی ہے میں اسے تم سے جدا نہیں کرونگا۔ تم دراصل وہمی ہو۔ اس ڈر سے اس کو باہر نہیں نکلنے دیتے کہ کہیں وہ کسی جوان آدمی سے متاثر نہ ہو جائے۔“

”یہ جھوٹ ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“ سنگ اسے سہارا دیتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”میرے آدمیوں میں سے ایک اور مارا گیا اس کی لاش ہال میں موجود ہے اور اس لاش کے ساتھ بھی وہی تصویر پائی گئی ہے۔“

”آخر وہ کون ہے؟“

”تمہیں کسی نہ کسی طرح اس کے صحیح خدوخال واضح کرنے ہیں۔“

”کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔“

”سنگ اسے ہال میں لایا جہاں پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔

”یہ بھی مثلث ہی کی وجہ سے مارا گیا کیونکہ اس نامعلوم آدمی کے پاس ایک آئیڈنٹٹی فائر موجود ہے۔ لہٰذا اب تم گریڈ ٹو کے سارے آدمیوں سے مثلث واپس لے لو۔“

”ب.... بہت اچھا۔“ تلگاوا ہکلایا۔

”اور کبھی ماریانا کو ساتھ لے کر باہر بھی نکل جایا کرو۔ ورنہ مقامی حکام خواہ مخواہ تم سے متعلق شبہات میں مبتلا ہو جائیں گے۔“

”مجھے اس پر مجبور نہ کرو۔ میں درخواست کرتا ہوں۔“

”آخر کیوں؟“

”تم سے مطلب“ پروفیسر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ سنگ کی مسکراہٹ غصہ ہی دلانے والی تھی۔

”وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔ کتنی بار کہوں۔ اس گھٹے ہوئے ماحول میں وہ اپنی تازگی کھو بیٹھے گی۔“

”او.... خدا۔“ پروفیسر دانت پیس کر اپنا سر پیٹتا ہوا بولا۔ ”میں نے اس نطفہ نا تحقیق کو ہلاک کیوں نہیں کر دیا۔“

”اب کوشش کر دیکھو۔“ سنگ بالکل بچوں کے سے انداز میں اسے چھیڑ رہا تھا۔

پروفیسر پاگلوں کی طرح چیختا اور اپنے بال نوچتا رہا۔

* * *

رات کے دس بجے تھے۔ ڈائننگ ہال سے اٹھ کر عمران اپنے کمرے میں آیا۔ یاسمن گھر جا چکی تھی۔ رات کا کھانا بھی اس نے عمران ہی کے ساتھ کھایا تھا۔

سر شام ان کی واپسی ہوئی تھی اور عمران اسی کے ساتھ ڈائننگ ہال ہی میں بیٹھا رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے چاروں طرف متجسسانہ نظر ڈالی اور سوٹ کیس پر نظر پڑتے ہی اندازہ کر لیا کہ اس کی عدم موجودگی میں کسی نے کمرے میں داخل ہو کر سامان کی تلاشی لی تھی۔

صبح یاسمن کے ساتھ جانے سے پہلے اس نے اپنے سامان پر کچھ ایسی نشانیاں چھوڑی تھیں جن کے ایک آدھ انچ ادھر یا ادھر ہونے کی بناء پر وہ آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا کہ اس کی عدم موجودگی میں اسے ہاتھ لگایا گیا ہے۔

دروازہ بولٹ کر کے وہ سوٹ کیس کے قریب آیا اور اس کا ڈھکنا اٹھاتے ہی وہ چیز بھی نظر آ گئی جو نہ تو اس کی ملکیت تھی اور نہ پہلے سے سوٹ کیس میں موجود تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا وائر ریکارڈر تھا۔

“ہوں۔” وہ آہستہ سے بڑبڑایا “تو یہ بات ہے۔ کیوں حماقتیں کر رہے ہو پیارے۔ تم باز نہیں آؤ گے۔”

وائر ریکارڈر اٹھا کر اس نے اس کا ڈسپلے بٹن دبایا اور پھر اسے کان کے قریب لے جا کر سننے لگا۔ آواز آ رہی تھی۔ “ہیلو وائی تھری۔ تم اس پروفیسر تلگاوا کے متعلق ضرور کچھ جاننا چاہو گے لہٰذا سنو یہ دس سال قبل پرتگال کی ایک یونیورسٹی سے یہاں آیا تھا۔ ماہر برقیات ہے۔ ہماری حکومت سے بھی وظیفہ لے رہا ہے لیکن اس کا اس طرح اچانک سامنے آنا مجھے شبہے میں ڈال رہا ہے تمہیں آگاہ کیا جا رہا ہے اگر مناسب سمجھو تو اسے چیک کر لو۔ کوئی پیغام مجھے دینا چاہو تو اسے ریکارڈ کر کے اس ریکارڈر کو کسی ردی کاغذ میں لپیٹ کر کل صبح ٹھیک آٹھ بجے ہوٹل کے پورچ والے ڈسٹ بن میں ڈال دینا۔ اوور۔”

عمران نے جنرل کی آواز پہچان لی تھی اس نے وائر کو ریوائنڈ کیا اور ریکارڈر کو منہ کے قریب لا کر آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا۔ “توجہ کا شکریہ! پروفیسر نے جس لاش کے ساتھ پائی جانے والی تصویر کے بارے میں اظہار خیال کیا تھا وہ پولیس اسٹیشن کے قریب نہیں پھینکی گئی تھی۔ وہاں کس طرح پہنچی اخبار میں چھپی ہوئی تصویر سے میرے میک اپ کا سراغ پا لینا ناممکن ہے البتہ کیمرہ فوٹو کا الکٹرونک ٹسٹ میک اپ کی نشاندہی کر سکتا ہے لہٰذا وہ لاش تصویر کو ٹسٹ کر لینے کے بعد ہی پولیس اسٹیشن کے قریب پھینکوا دی گئی ہو گی جہاں میں نے اسے پھینکا تھا وہ جگہ پولیس اسٹیشن سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔ دراصل یہ حرکت اسی لئے کی گئی ہے کہ میں پروفیسر پر دھاوا بول کر ان لوگوں کے جال میں پھنس جاؤں۔ اس لئے فی الحال آپ لوگ بھی اس سے دور رہیئے میں مناسب وقت پر اسے بھی دیکھ لوں گا....”

وائر ریکارڈر کو اُس نے پھر سوٹ کیس میں ڈال دیا اور کپڑے اتارنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر بُرا سا منہ بنایا اور ماؤتھ پیس میں کراہا۔ “ہیلو....”

“ہائیں.... کیا تم بیمار ہو۔” دوسری طرف سے یاسمن کی آواز آئی۔

“اُوہو.... تم ہو.... نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں کیا تم گھر پہنچ گئیں۔”

“نہیں! چچا کے گھر سے بول رہی ہوں۔ وہ تم سے اسی وقت ملنا چاہتے ہیں۔”

“کیوں کیا بات ہے۔”

“بات دراصل یہ ہے کہ انہیں میری اور تمہاری دوستی پر حیرت ہے۔”

“ہائیں! کیوں.... کیا میں اس قابل نہیں ہوں۔”

“نہیں یہ بات نہیں! اور دراصل میں بہت ہی چڑچڑی اور بد دماغ مشہور ہوں۔ آج تک میں نے کسی مرد کو اس حد تک منہ نہیں لگایا تھا کہ اُس کے ساتھ گھومتی پھروں۔”

“اب تو مارے گئے۔” عمران ماؤتھ پیس کو ہتھیلی سے بند کر کے بڑبڑایا۔

“ہیلو....” دوسری طرف سے آواز آئی۔

“ہیلو...” عمران نے مردہ سی آواز میں کہا۔

“وہ اسی وقت ملنا چاہتے ہیں اس لئے تمہیں ملنا پڑے گا ورنہ وہ اپنی سخت توہین محسوس کریں گے۔”

“کیا وہ قریب ہی کہیں موجود ہیں۔ تم کہاں سے فون کر رہی ہو...؟”

“کافی دور سے.... وہ کسی دوسرے کمرے میں ہیں اور وہاں سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہو گی کہ تم اس بدہیئت آدمی کو بھی دیکھ سکو گے جو بام مچھلی سے مشابہ ہے۔ وہی نجومی اس وقت چچا کے ساتھ ہے۔”

“تو پھر میں کہاں آؤں۔”

“گاڑی بھیج دی گئی ہے۔ عنقریب کوئی تمہارے کمرے کے دروازے پر دستک دے گا۔”

“اچھا میں منتظر رہوں گا۔” عمران نے کہا اور ریسیور رکھ کر سوٹ کیس کی طرف جھپٹا اور اس میں سے وائر ریکارڈر نکال کر اسے بڑی پھرتی سے پلاسٹک کی تھیلی میں پیک کرتا ہوا راہداری میں آ گیا۔ دروازے کی بائیں جانب کاکٹس کا گملا رکھا ہوا تھا۔ فوراً ہی وائر ریکارڈر اس کی گیلی مٹی میں دفن کر دیا گیا۔ جنرل نے اُسے ڈسٹ بن میں ڈالنے کا وقت دوسری صبح آٹھ بجے معین کیا تھا۔ اس لئے اس کی عدم موجودگی میں وہ سوٹ کیس میں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا اور ساتھ رکھنا بھی خطرے سے خالی نہ ہوتا کیونکہ وہ ایک ایسی جگہ جانے والا تھا جہاں سنگ کی موجودگی کی اطلاع پہلے ہی اسے مل چکی تھی۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کیا اور آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے میک اپ کا جائزہ لینے لگا۔ عمران کو یقین تھا کہ سنگ ہی اسے پہچان نہ سکے گا کیونکہ ایک حیرت انگیز لوشن نے اس کی آنکھوں کی بناوٹ تک بدل دی تھی۔

وائی تھری کے میک اَپ میں بھی آنکھیں عمران کی آنکھوں کی حیثیت سے شناخت نہیں کی جا سکتی تھیں۔ تلگاوا بھی ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

پندرہ منٹ بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"اندر آجاؤ۔" عمران نے اونچی آواز میں کہا۔

ایک آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا لیکن وہ ڈرائیور نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"موسیو.... لیمی رولاں....؟" اس نے فرانسیسی ہی کے سے لہجے میں کہا۔ عمران نے کی قدر خم ہو کر اس کے خیال کی تصدیق کی۔

"آپ کو ماموزئیل یاسمن کا پیغام ملا ہوگا؟"

"یقیناً.... میں تیار ہوں۔" عمران خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔ "ذرا.... ایک منٹ تم بیٹھو.... میں باتھ روم تک...."

وہ تیزی سے باتھ روم میں داخل ہوا تھا اور کوئی چیز واش بیسن کے نیچے سے نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال لی تھی۔

واپسی پر اُس نے نووارد سے کہا کہ اسے اپنا طبّی معائنہ کرانا پڑے گا۔ کیونکہ آب و ہوا کی تبدیلی نے اس کے مثانے پر بُرا اثر ڈالا ہے۔

"ضرور جناب!" نووارد نے کہا اور اس کے لئے دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

"شکریہ...." عمران نے باہر نکل کر دروازے کو مقفّل کرتے ہوئے کہا۔ ڈائننگ ہال میں کنجی کاؤنٹر کلرک کے حوالے کر کے وہ پورچ میں آیا۔ یہاں ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ نووار نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور عمران اندر بیٹھ گیا۔ دروازہ بند کر کے نووارد ڈرائیور کے برابر بیٹھا تھا۔

گاڑی حرکت میں آگئی لیکن عمران محسوس کر رہا تھا کہ وہ جوآد حیدر کے محل کی طرف نہیں جا رہی۔ یاسمن اُسے پہلے ہی محل دور سے دکھا چکی تھی۔ عمران خاموش بیٹھا رہا۔ لیکن جب گاڑی شہری آبادی چھوڑ کر ویرانے میں نکل آئی تو اُسے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ اس کی خاموشی اور ماحول سے لاتعلقی کے مظاہرے میں فرق نہ آیا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ یاسمن پر اندھا اعتماد رکھتا ہو۔

اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ ہیڈ لائٹس کی زد میں آنے والے سڑک کے حصّے کے علاوہ اور کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر اچانک گاڑی بائیں جانب سے کسی کچے راستے پر مڑ گئی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کسی عمارت کی روشن کھڑکیاں اندھیرے میں عجیب سے پیٹرن بنا رہی تھیں۔

گاڑی کی رفتار کم ہو گئی تھی۔ عمارت کی روشنیاں آہستہ آہستہ قریب ہوتی رہیں۔ راستہ ناہموار تھا اس لئے گاڑی میں بیٹھنے والے بار بار جھکولے کھا رہے تھے۔ اسی دوران میں عمران کا

بایاں ہاتھ اجنبی کی گردن پر پڑا اور داہنا ہاتھ کنپٹی پر.. پھر جتنی دیر میں ڈرائیور کچھ سمجھنے کی کوشش کرتا اس کی گردن سے پستول کی نال جا لگی۔

"احتیاط..." عمران خونخوار لہجے میں بولا۔ "گاڑی عمارت کے قریب کھڑی کر کے انجن بند کرنا اور کنجی میرے حوالے کر دینا۔ پستول بے آواز ہے۔"

اسٹیرنگ پر ڈرائیور کے ہاتھ کانپ گئے۔

"ہوشیار... ورنہ اس سے پہلے مر جاؤ گے۔" عمران نے اس کی گردن پر پستول کا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

عمارت کے قریب پہنچ کر اس نے گاڑی روکی اور کنجی عمران کے حوالے کر دی۔ دوسرے ہی لمحے پستول کا دستہ اس کی کنپٹی پر پڑا اور وہ بھی بیہوش ساتھی پر ڈھیر ہو گیا پھر عمران گاڑی سے اترا تھا اور اندھیرے میں مدغم ہو گیا تھا۔

◆

اس وقت تجربہ گاہ میں تلگاوا کی کمسن اور خوبصورت بیوی ماریانا بھی موجود تھی اور تلگاوا مضطربانہ انداز میں چاروں طرف ٹہلتا پھر رہا تھا۔ ماریانا اُسے گھورے جا رہی تھی کبھی کبھی کچھ کہنے کے لئے ہونٹوں کو جنبش دیتی اور پھر رک جاتی۔

دفعتہً چار آدمی تجربہ گاہ میں داخل ہوئے یہ بھی اُسی کی طرح سفید فام غیر ملکی تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"پروفیسر! گاڑی میں دو آدمی بیہوش پڑے ہیں اور تیسرے کا پتا نہیں۔"

"کیا مطلب؟" پروفیسر چونک پڑا۔

"مطلب یہ کہ وہ آدمی گاڑی میں موجود نہیں جس کے بارے میں چھان بین کرنی ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں" تلگاوا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"م.... مطلب یہ کہ.... باس۔"

"خاموش رہو۔ اس ولد الحرام کا ذکر نہیں سننا چاہتا۔"

"پھر ہم کیا کریں۔"

"اپنے باس سے پوچھو"

"ہم نہیں جانتے کہ وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔"

"تم پھر جاؤ.... تم بھی کہیں جا کر سو رہو۔"

"کوئی..." دوسرا بولا۔ "پروفیسر ٹھیک تو کہہ رہے ہیں انہیں ان معاملات سے کیا سروکار۔"

”چلو... تو پھر تلاش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی بیہوشی کا باعث وہی ہو گا.. اور گاڑی کے بغیر یہاں سے واپس نہیں جا سکے گا لہذا گاڑی ہی کی نگرانی کرتے رہو۔“

وہ چاروں واپس چلے گئے اور پروفیسر قہر آلود نظروں سے دروازے کو گھورتا رہا۔

”کیا قصہ ہے۔“ ماریانا نے پروفیسر کے قریب آ کر پوچھا۔

”اس کتے نے کسی کو بھجوایا تھا جس کے بارے میں چھان بین کرنی تھی کہ فرانسیسی ہے نہیں... میک اَپ تو نہیں ہے۔“

”تو پھر کیا ہوا۔“

”جو کچھ ہوا ابھی سن چکی ہو۔“ پروفیسر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا او پھر یک بیک اچھل پڑا کیونکہ پے در پے دو چیخیں سنائی دی تھیں۔

”یہ.... یہ کیا ہوا..؟“ ماریانا خوفزدہ لہجے میں بولی۔

”ہو گا کچھ.... جہنم میں جائے۔ اس کُتے کے پلّے نے مجھے بے بس کر کے رکھ دیا ہے.... اس حد تک کہ میں اپنی آواز بھی مادام تک نہیں پہنچا سکتا۔“

دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ ان چاروں میں سے دو آدمی اندر داخل ہوئے جو کچھ دیر پہلے یہاں آئے تھے۔

”کیا بات ہے۔“ پروفیسر نے پوچھا۔

”کوٹی.... اور ڈیوک مارے گئے۔“

”کیا مطلب؟“

”فائر.... سائیلنسر لگے ہوئے پستول کے فائر۔ وہ اندھیرے میں بھیڑیوں کی طرح شکار رہا ہے۔“

”تلاش کرو۔“ پروفیسر غرایا۔

”ہر گز نہیں... باہر گہرا اندھیرا ہے۔ ہم اندھے کنوئیں میں چھلانگ نہیں لگا سکتے۔“

”اچھا تو.. یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اپنی تجربہ گاہ میں اس کتے کے حلیفوں کو دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔“

”کیا تم چاہتے ہو کہ ہم مار ڈالے جائیں۔“

”سنو ڈارلنگ۔“ ماریانا پروفیسر کو مخالب کر کے بولی۔ ”اگر وہ اس طرح مرنے مارنے پر گیا ہے تو پھر ہم بھی تو خطرے میں ہیں۔“

”نہیں۔“ دفعتاً دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ ”خطرے میں صرف وہی ہیں جنہوں

علم سے غداری کی ہے۔ مادام کے حکم پر اپنی شخصیت کو فوقیت دیتے ہیں۔“

”لل.... لیمی.... رولاں۔“ پروفیسر ہکلایا۔ ماریانا اس کے ہاتھ میں نظر آنے والے پستول کو گھورے جا رہی تھی اور چاروں کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے تھے۔

”تم دونوں اپنے ہاتھ نیچے گرا دو۔“ عمران نے پروفیسر سے کہا۔ ”مجھے علم ہے کہ تم دونوں غدار نہیں ہو۔“

”شکریہ!“ پروفیسر نے طویل سانس لی۔

”اور تم دونوں باہر چلو۔“ اُس نے پستول کو جنبش دی۔ ”چلو ورنہ سچ مچ یہیں ختم کر دوں گا۔“

”کک... کہاں جانا ہے...؟“

”اپنے باس کے پاس لے چلو۔“

”ہم نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ یقین کرو۔“

”اچھا تو وہیں لے چلو جہاں تم رہتے ہو۔“

”یہ ہو سکتا ہے.... چلو۔“

وہ دونوں دروازے کی طرف مڑ گئے۔

ان کے باہر نکل جانے پر ماریانا بڑبڑائی۔ ”مجھ پر غشی طاری ہو رہی ہے سہارا دو۔“

پھر وہ لڑکھڑائی بھی تھی۔ پروفیسر نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا ہی تھا کہ باہر سے پے در پے دو چیخیں ایک بار پھر سنائی دیں۔

”اوہ.... خدا....“ ماریانا خود بخود سنبھل گئی۔

”شش.... شائد وہ بھی مارے گئے۔“ پروفیسر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”لیمی.... رولاں.... مادام ہی کا نمائندہ معلوم ہوتا ہے یہ بہت اچھا ہوا... بہت ہی اچھا۔“

عمران پھر تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔

”تم اسے کس طرح مطلع کرو گے کہ لیمی رولاں چار کو قتل اور دو کو بیہوش کر کے نکل گیا۔“ عمران نے پروفیسر سے پوچھا۔

”شائد کچھ دیر بعد وہ خود ہی فون پر رابطہ قائم کرے۔ میں تو نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہو گا۔ موسیو رولاں....“

عمران نے ماریانا کی طرف دیکھ کو پوچھا۔ ”مادام تلگاوا....؟“

”ہاں....!“

”اچھا تو پروفیسر انہیں خوابگاہ میں چھوڑ آؤ۔ ہم کچھ ضروری باتیں کریں گے۔“

تلگاوا نے ماریانا کی طرف دیکھا۔

”نن.... نہیں.... میں تنہا نہیں رہوں گی۔“

”اچھی بات ہے تو یہیں کسی طرف بیٹھ جاؤ۔“ تلگاوا بولا اور عمران سے کہا۔

”ماریانا.... رازدار ہے۔ میں نے تنظیم سے باہر شادی نہیں کی تھی۔“

”ٹھیک ہے.... کوئی حرج نہیں... روشنی بجھاؤ۔ ہم آہستہ آہستہ گفتگو کریں گے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ مادام تلگاوا اسی خبیث سے خائف ہیں۔“

”تم ٹھیک سمجھے موسیو رولاں۔“ تلگاوا غضبناک ہو کر بولا۔ ”تنظیم ایسے گندے سوروں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ پتا نہیں مادام نے اس پر کیسے اعتماد کر لیا۔“

”تمہیں مادام پر نکتہ چینی کا حق نہیں پہنچتا۔“ دفعتہً عمران غرایا۔

”معافی چاہتا ہوں موسیو۔ دراصل حالات نے میری عقل چوپٹ کر دی ہے۔“

”ہر حال میں محتاط رہو۔ اچھا اب لائٹ آف کر دو۔ ہم سوئچ بورڈ کے قریب کھڑے ہو کر گفتگو کریں گے۔“

پھر تجربہ گاہ میں اندھیرا ہو گیا۔ اس سے قبل تلگاوا نے دروازے کو اندر سے مقفل کیا تھا۔

”کک.... کہیں وہ دونوں ہوش میں نہ آجائیں جن کا ذکر ان چاروں نے کیا تھا۔“ تلگاوا آہستہ سے بولا۔

”ان کی فکر نہ کرو۔ اب وہ گاڑی میں نہیں ہیں اور کئی گھنٹے تک گہری نیند سوتے رہیں گے۔“

”اور وہ چاروں سچ مچ مر گئے۔“ تلگاوا نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا ”بالکل“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔ ”وہ دونوں بھی مر جاتے اگر مقامی آدمی نہ ہوتے کیونکہ ان کے بارے میں مجھے یقین نہیں کہ وہ معمولی ملازم ہیں یا تنظیم ہی سے متعلق ہیں۔“

”میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

”اگر وہ تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو کہہ دینا کہ تم نے بمشکل اپنی اور اپنی بیوی کی جان بچائی ہے۔“

”تو کیا وہ تصویر والی لاشیں بھی....؟“

”وہ میرے لئے بھی حیرت کا باعث ہیں۔ نہیں میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ خیر سنو.... اُسے میری اصلیت نہ معلوم ہونے پائے۔ میں تم سے ملتا رہوں گا۔ تم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ وہ کن مقامات پر قیام کرتا ہے۔ میں اسے زندہ گرفتار کر کے مادام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے یہی حکم ملا ہے۔“

”اچھی بات ہے۔ میں مادام کا خادم ہوں۔ انہی کے لئے زندہ ہوں اور انہی کے لئے مروں گا۔“

”پھر ذہن نشین کر لو۔ اسے ہرگز نہ معلوم ہونے پائے کہ میں مادام کا فرستادہ ہوں۔“

”اطمینان رکھو موسیو رولاں۔“

”اچھا بس.... میں چلا۔“

تلگاوا نے سوئچ آن کر کے تجربہ گاہ میں روشنی کر دی۔ پھر اس نے دروازے کا قفل کھولا تھا اور عمران باہر نکلا چلا گیا تھا۔

”چلو۔“ اس نے ماریانا سے کہا ”ہم خوابگاہ والے تہہ خانے میں چلتے ہیں تاکہ اُسے ہماری بات پر یقین آسکے۔“

بمشکل تمام وہ ماریانا کو وہاں سے لے جانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ وہ تو اتنی خوفزدہ تھی کہ اپنی طاقت سے کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

خوابگاہ میں پہنچ کر اس نے مسہری کے نیچے کسی میکنزم کو حرکت دی تھی اور مسہری ایک طرف سے اٹھی تھی اور پچھتر ڈگری کے زاویہ پر رک گئی تھی۔

تہہ خانے کا راستہ ظاہر ہو گیا۔ گیارہ سیڑھیاں انہیں نیچے لے گئیں پھر جیسے ہی پروفیسر نے روشنی کا سوئچ آن کیا مسہری اپنی جگہ پر واپسی کے لئے آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگی۔

◆

سنگ ہی بار بار فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے جا رہا تھا۔ لیکن دوسری طرف سے جواب نہیں مل رہا تھا۔ بالآخر ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ خالی خالی نظروں سے خلا میں گھورنے لگا۔

کلاک نے رات کا ایک بجایا۔ ساتھ ہی فون کی گھنٹی بھی بجی۔ سنگ نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

”باس.... تھرٹی سکس میں پہنچیے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کوئی بُری خبر ہے۔“

”تم سب گولی مار دینے کے قابل ہو۔“ سنگ دہاڑا۔

”کک.... کیوں....؟“

”اس سے پہلے کبھی میں نے پے در پے اتنی بُری خبریں نہیں سنیں۔“ سنگ نے کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ پھر وہ بہت تیزی سے باہر نکلا تھا۔ گاڑی برآمدے ہی سے لگی کھڑی تھی۔ سڑک پر پہنچ کر گاڑی طوفانی رفتار سے مشرق کی طرف روانہ ہو گئی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ اندھیرا سائیں سائیں کر رہا تھا۔

دس منٹ کے اندر اندر شہری آبادی پیچھے رہ گئی۔

تھرٹی سکس... ویرانے میں دو کمروں کی ایک مختصر سی عمارت ثابت ہوئی جہاں کیروسین لیمپوں کی دھندلی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

اس کمرے میں ایک سفید فام غیر ملکی سوگوار سی شکل بنائے کھڑا تھا۔

"کیا خبر ہے شاٹو....؟" سنگ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"دوسرے کمرے میں چلئے باس۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

دوسرے کمرے میں چار لاشیں اور دو بیہوش آدمی پتا نہیں کب سے اس کے منتظر تھے۔

"اوہ...." سنگ شاٹو کی طرف مڑا۔

"ان دو مقامی آدمیوں کو میں نہیں جانتا۔" شاٹو بولا۔ "یہ صرف بے ہوش ہیں اور اپنے آدمیوں کے گولیاں لگی ہیں۔ ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ تلگاوا اور اس کی بیوی کا کہیں پتا نہیں۔ عمارت سنسان پڑی ہے۔"

"میں دیکھوں گا۔" سنگ نے سرد لہجے میں کہا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ "بیہوش آدمیوں کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال دو اور ان کی لاشوں کو اس طرح ٹھکانے لگاؤ کہ ان کا سراغ نہ مل سکے۔"

"او۔ کے باس۔" شاٹو گلوگیر آواز میں بولا۔ شائد وہ اپنے ساتھیوں کو پورے اعزاز کے ساتھ دفن کرنا چاہتا تھا۔

پانچ منٹ کے اندر ہی اندر گاڑی پھر علیا آباد کی طرف جا رہی تھی۔ سنگ کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور ایکسلیریٹر پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ گاڑی کے پچھلے حصے میں دونوں بیہوش آدمی پڑے تھے اور ان پر کمبل ڈال دیا گیا تھا۔ علیا آباد پہنچ کر گاڑی کا رخ جواد حیدر کے محل کی طرف ہو گیا۔ رفتار بھی اب معمولی ہی تھی۔

کچھ دیر بعد پھاٹک پر پہنچ کر گاڑی روکی ہی تھی کہ چوکیدار جھپٹ کر اس کی طرف آیا۔

"آقائے جواد حیدر کو جگاؤ.... میرے آنے کی اطلاع دو۔"

"بہت بہتر آقائی...!"

وہ پھاٹک سے ملحقہ کیبن میں واپس چلا گیا۔ شائد فون پر سنگ کی آمد کی اطلاع دینا چاہتا تھا۔ پھاٹک کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی اور سنگ گاڑی اندر لئے چلا گیا تھا۔

اتنی رات گئے جواد حیدر کا اٹھایا جانا آسان کام نہیں تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چوکیدار کی فون کال نے پورے محل کو جگا دیا ہو۔ سنگ نے گاڑی پورچ میں کھڑی کر دی اور قریب کھڑے

ے ملازم سے پورچ کی روشنی بجھا دینے کو کہتا ہوا نیچے اتر گیا۔

جواد حیدر شب خوابی کے لباس میں اس کے استقبال کو موجود تھا۔ آنکھیں نیند کے خمار سے پڑ رہی تھیں۔

ے میں پہنچ کر سنگ بولا۔ "تمہارے دونوں آدمی گاڑی میں بیہوش پڑے ہیں۔"

"کک۔ کیا.... ہوا...؟"

"جہاں اسے پہنچنا تھا وہیں اس نے انہیں بے بس کر دیا۔ پتا نہیں تمہاری گاڑی کا کیا ہوا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔ آخر وہ ہے کون...؟"

"یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے تم ہوٹل میں چیک کراؤ کہ وہ واپس آیا تھا یا نہیں۔"

جواد حیدر نے فون پر کسی سے اس کے متعلق گفتگو کی تھی اور ریسیور رکھ کر بوکھلائے ہوئے ہ میں بولا تھا۔ "ارے آپ تشریف رکھئے۔ ابھی تک کھڑے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" سنگ ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا خشک لہجے میں بولا۔

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی واپسی ہوئی تھی یا نہیں۔" جواد حیدر نے بھی اس صوفے ے ہتھے پر ٹکتے ہوئے کہا۔ "آپ اس وقت کیا پینا پسند کریں گے۔"

"ڈرائی جن.... نیٹ۔"

جواد حیدر نے گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا اور جواد حیدر سے ہدایات لے کر پس چلا گیا۔

"اپنی بھتیجی کو بھی بلاؤ۔" سنگ نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

"اس وقت بیحد مشکل ہے۔ وہ یہاں اس کی منتظر رہی تھی پھر ہوٹل جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن لانے اسے سختی سے منع کر کے گھر بھجوا دیا تھا۔"

"خیر جانے دو۔" سنگ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "صرف پندرہ دن تمہارے لے بہت کٹھن ہیں۔ اس کے بعد حالات سازگار ہو جائیں گے۔ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

جواد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ملازم سنگ کے لئے شراب اور اس کے لوازمات لے کر آ گیا۔ میز گا دی گئی۔ ملازم کے واپس ہو جانے پر جواد نے کہا۔

"تو پھر یہ سمجھا جائے کہ وہ خوفناک چہرے والا اور لیمی رولاں ایک ہی شخص کے دو روپ ہار۔"

"اوہ دیکھا جائے گا۔" سنگ نے گلاس خالی کر کے طویل سانس لی اور دوبارہ انڈیلنے لگا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ جواد حیدر نے جھپٹ کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سنتا رہا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور جھنجلاہٹ کے آثار تھے۔ ریسیور رکھ کر وہ سنگ کی طرف مڑا۔

"وہ نکل گیا جناب عالی۔"

"مجھے یقین تھا۔" سنگ مسکرا کر بولا۔ "اوّل درجے کا حرامی ہے۔"

"نہایت اطمینان سے رخصت ہوا ہے۔" جواد متاسفانہ لہجے میں بولا۔

"ہوٹیل کا حساب بے باق کیا۔ سامان سنبھالا اور یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ وہ بارہ تیس والی فلائٹ سے شہران جا رہا ہے۔"

"اور وہ کہیں نہیں گیا۔ صبح کسی دوسرے روپ میں دندناتا پھر رہا ہوگا۔ یقین کرو جواد حیدر.... اگر وہ عورت ہوتا تو میں اس سے شادی کرنے کے لئے اپنی گردن تک کٹا دیتا اور ہمارے بچے اتنے ذہین ہوتے کہ دنیا تہہ و بالا کر کے رکھ دیتے۔"

"تو آپ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"خوب اچھی طرح۔" سنگ نے طویل سانس لی۔ "لیکن تمہاری بھتیجی خطرے میں ہے۔ اوّل تو اس طرح اس کی جدائی اسے پاگل کر دے گی اور پھر وہ کسی نہ کسی روپ میں دوبارہ اس سے ملنے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا بھتیجی پر کڑی نظر رکھو۔ اگر وہ پکڑا جا سکا تو آنسہ یاسمن ہی کے توسط سے پکڑا جائے گا۔"

"اب وہ گھر سے باہر قدم نہ نکال سکے گی۔"

"یہ سب سے بڑی غلطی ہوگی جواد اسے پہلے سے بھی زیادہ آزادی دو۔ اسے باور کرانے کی کوشش کرنا کہ جو کچھ بھی ہوا اس کا علم تمہیں نہیں تھا۔ تم تو سچ مچ اس سے مل کر یہ بتانا چاہتے تھے کہ تم اُسے اس کے دوست کی حیثیت سے پسند کرتے ہو۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"شائد تم ابھی تک سمجھ نہیں سکے۔"

"کیا نہیں سمجھ سکا۔"

"اس نے تمہاری بھتیجی سے اسی لئے دوستی بڑھائی تھی کہ اسے تمہارے اور میرے تعلق کا علم تھا۔"

"اوہو۔" جواد حیدر کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آئے اور سنگ ہنس پڑا۔

"ڈرو مت۔ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔" اس نے کہا۔ "تم پر آنچ نہیں آنے پائے گی.... میں

اس سے نپٹ لوں گا۔"

"آپ ایسے ہی ہیں جناب۔ مجھے یقین ہے۔" جواد حیدر گھگھیایا۔

◆

صبح ہوتے ہی یاسمن تیر کی طرح ہوٹیل شبستان پہنچی تھی۔ لیمی کا کمرہ خالی تھا۔ ابھی تک اس کی صفائی بھی نہیں ہوئی تھی۔

پتا نہیں کیوں اس کے ذہن میں یہ خیال جم سا گیا تھا کہ لیمی نے اس کیلئے کوئی پیغام ضرور چھوڑا ہوگا لیکن اس طرح اچانک غائب کیوں ہو گیا۔ کیا کسی بڑی دشواری میں پڑ گیا تھا۔ وہ سوچتی اور کمرے میں چکراتی رہی۔ ٹیبل لیمپ اٹھا کر دیکھا شائد اس کے نیچے کوئی تحریر چھوڑ گیا ہو۔ لیکن اسے مایوسی ہی ہوئی۔ بڑی دیر تک کمرے کی چیزیں الٹتی پلٹتی رہی۔ پھر قالین بھی الٹنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ ایک پورٹر کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ کی فون کال ہے۔"

"اوہ.... اچھا...." وہ چونک پڑی۔

ڈائننگ ہال میں پہنچ کر اس نے ریسیور کان سے لگایا تھا اور دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "خاموشی سے سنتی رہو۔ خود کچھ نہ بولو۔ میں اس وقت وہیں ہوں جہاں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔ سیدھی چلی آؤ... وہیں بیٹھ جانا جہاں ہم بیٹھے تھے اور پھر میں پہنچ جاؤں گا۔ بس اب ریسیور رکھ دو... اور ہاں تمہاری گاڑی کی رفتار زیادہ تیز نہ ہو... ویٹس آل۔"

یاسمن کا دل بلیّوں اچھل رہا تھا۔ باہر نکل کر وہ اپنی اسپورٹ کار میں بیٹھ گئی اور اس کا رخ اسی سمت کر دیا، جہاں انہوں نے پچھلے دن دوپہر کا کھانا کھایا تھا۔

اس کے بعد ہی ایک اور اسپورٹ کار اسٹارٹ ہوئی تھی اور تھوڑے فاصلے سے اس کا تعاقب کرتی رہی تھی۔ اسے ایک خوشرو جوان ڈرائیو کر رہا تھا۔ شائد اسے علم نہیں تھا کہ اس کا بھی تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس کے پیچھے سبز رنگ کی ایک جیپ تھی جسے ایک بوڑھا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔ تینوں گاڑیاں آگے پیچھے اسی ہوٹیل کی طرف بڑھتی رہیں، جہاں ایک بہت بڑا سوئمنگ پول تھا۔ پارکنگ شیڈ میں پہلے یاسمن کی گاڑی داخل ہوئی تھی۔ تعاقب کرنے والے نے اس کے برابر ہی اپنی گاڑی پارک کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے دوسری طرف لیتا چلا گیا تھا۔ بڑی گاڑیوں کے درمیان اس کی چھوٹی سی اسپورٹ کار غائب ہو کر رہ گئی۔ وہ انجن بند ہی کر رہا تھا کہ برابر کی

جگہ پر سبز رنگ کی جیپ آر کی۔ بوڑھے نے اُسے کنکھیوں سے دیکھ کر چاروں طرف دیکھا۔ ادھر ان دونوں کے علاوہ آس پاس اور کوئی نہیں تھا۔

بوڑھا بڑی پھرتی سے جیپ سے اترا اور نوجوان کی بائیں کنپٹی پر ایک بھرپور ہاتھ رسید کر دیا۔ اس نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تھا اور پھر آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔ پھر وہ اسٹیرنگ پر ڈھلک گیا۔ اس کے بعد بوڑھے نے اس کی گردن پر بھی کسی قدر دباؤ ڈال کر جوں کا توں چھوڑ دیا تھا۔ پھر جیپ پر بیٹھ کر اسے دوبارہ اسٹارٹ کیا اور ہوٹیل کی حدود سے باہر نکلا چلا گیا کچھ دور چل کر سڑک کے کنارے ایک جگہ جہاں اور بھی گاڑیاں کھڑی تھیں اسے پارک کر کے انجن بند کیا اور نیچے اتر آیا۔

اب وہ پیدل ہی ہوٹیل کی طرف جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب اس نے ایک مخصوص کیبن کا پردہ ہٹایا تو اندر بیٹھی ہوئی یاسمن نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”کیا ہے؟“

”آپ کا دوست لیمی رولاں....“

”وہ کہاں ہے؟“ یاسمن بوکھلا کر کھڑی ہوگئی۔

”بیٹھ جایئے اور مجھے بھی بیٹھنے کی اجازت دیجئے۔ لمبی کہانی ہے۔“

”ب.... بیٹھ جاؤ۔“

بوڑھا بیٹھتے وقت اس طرح کراہ رہا تھا جیسے اس کے گھٹنوں پر تکلیف ہو۔ پھر اس نے اپنے گھنے سفید بالوں میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں چلا کر چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی تھی۔

”اوہ.... تم....“ یاسمن اچھل پڑی۔ ”کمال ہو گیا.... مگر کیوں؟“

”اب تمھیں سچی بات بتا دوں گا۔“

وہ اسے بتانے لگا کہ کس طرح دو آدمی اسے ایک ویران مقام لے گئے تھے اور وہ ان سے چھٹکارا پا کر بھاگ نکلا تھا۔ ان چار آدمیوں کا ذکر نہیں کیا جو اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

”حیرت انگیز۔“ وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”میں نہیں سمجھ سکتی کہ ایسا کیوں ہوا۔ کیا وہ تمھیں کسی عمارت میں لے گئے تھے۔“

”نہیں! بس شہر کے باہر ایک ویرانے میں لے گئے تھے۔“

”آخر مقصد کیا تھا...؟“

”مقصد میں جانتا تھا۔ اس لئے ان سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی تھی۔ خیر میں تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمھارے چچا ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔“

”مم.... میں نہیں سمجھی۔“

”وہ حرام خور.... بام مچھلی... انہیں کسی سازش میں ملوث کر کے خود صاف نکل جائے گا اور تمھاری پشت ہا پشت کی گردنیں قوم کے آگے شرم سے جھکی رہیں گی۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم....؟“

”وہ ایک بین الاقوامی مجرم ہے اور میری حکومت کئی سال سے اُسے ختم کر دینے کی جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔“

”تو تم....“

”میں کہہ چکا ہوں کہ تمھیں سب کچھ بتا دوں گا۔ ہاں! میں فرانس کے لئے اپنی گردن تک کٹا سکتا ہوں۔ پورے ایک سال سے اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔“

”تو تم فرانس کے سرکاری سراغرساں ہو؟“

”نہیں! میں ایک معمولی شہری کی حیثیت رکھتا ہوں۔ میرے خاندان کو بھی اسی شیطان کے ہاتھوں بڑے نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ میں انتقاماً بھی اس سے نپٹنا چاہتا ہوں۔ پچھلی رات تمھارے بیان کے مطابق وہ آقائے جوآد کے محل میں موجود تھا۔“

”ہاں.... وہ وہیں تھا۔“

”بس تو پھر اسی نے مشورہ دیا ہوگا۔ دراصل وہ انہیں کسی سازش میں ملوث کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کے کسی بھی عزیز کے قریب کسی اجنبی کو دیکھ کر ضرور چونکے گا اور تم یقین کرو کہ وہ سازش تمھارے ملک کے خلاف ہوگی۔“

”نہیں....! میرے چچا غدآر نہیں ہیں۔“

”میں بھی جانتا ہوں کہ وہ بہت اچھے آدمی ہیں، لیکن انہیں معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ وہ ان کے ملک کے مفاد کے خلاف کوئی کام کر رہا ہے۔ وہ تو آخر میں خود کو چاروں طرف سے گھرا ہوا پائیں گے اور وہ سور کسی دوسرے ملک کی راہ لے چکا ہوگا۔“

”تو پھر کیوں نہ ہم انہیں آگاہ کر دیں۔“

”بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ وہ کبھی یقین نہیں کریں گے۔ اس کے لئے ہمیں خاموشی سے کام کرنا پڑے گا اگر تم اپنے خاندان کو سرخرو دیکھنا چاہتی ہو تو بس میری مدد کرتی رہو اور ہاں! یہ بھی سن لو کہ میں نے دیدہ و دانستہ تم سے قریب ہونے کی کوشش کی تھی مجھے معلوم تھا کہ تم آقائے جوآد حیدر کی بھتیجی ہو اور فرصت کے اوقات میں شبستان کے کاؤنٹر پر بیٹھی رہتی ہو۔“

”ہونہہ....“ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ ”اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم سے پہلا سا خلوص برتوں یا صرف معاملے کی بات کروں۔“

"اوہ.... تب تو مجھ سے غلطی ہی سرزد ہوئی۔" وہ شکائت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں نے تو خلوص ہی کی بنا پر تمہیں سچی بات بتادی ہے۔"

"غلط نہ سمجھو۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ "ڈاڑھی دوبارہ لگالو... میں نہیں چاہتی کہ کسی خطرے میں پڑ جاؤ۔"

"شکریہ! میں تو سمجھا تھا شائد تم میرے چہرے پر ڈاڑھی کسی حال میں بھی پسند نہ کرو۔"

"تو پھر اب ہم کس طرح ملیں گے۔"

"بس اسی طرح... جب موقع دیکھوں گا تمہیں مطلع کردوں گا۔"

"ہوں.... اس لئے مجھے گھر ہی تک محدود رہنا پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اسی میں آسانی بھی ہوگی۔ بہر حال تمہارے تعاون کے بغیر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ مجھ پر اعتماد کرو۔ آہستہ آہستہ تمہیں سازش کی نوعیت سے بھی آگاہ کردوں گا۔"

"اچھا دوست ....! میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم پر اعتماد کروں گی۔ اس صورت حرام بام مچھلی کو خاندان کا کوئی فرد پسند نہیں کرتا۔ چچا ضعیف الاعتقاد ہیں۔ ستاروں کے چکر میں پڑ گئے۔"

◆

آج بھی پروفیسر تلگاواو کو علم نہ ہوسکا کہ سنگ کس طرح تجربہ گاہ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے اُسے خوفزدہ نظروں سے دیکھا پھر ماریانا کی طرف دیکھنے لگا۔ سنگ کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی اور اسی مسکراہٹ نے تلگاوا کو پھر غصہ دلا دیا۔

"میں کہتا ہوں اس طرح نہ آیا کرو۔"

"پروفیسر! وہ راستہ تلاش کرکے بند کردو جدھر سے آتا ہوں۔"

"میں نہیں جانتا تم شائد کوئی خبیث روح ہو۔ حالانکہ میں ایسی ارواح پر یقین نہیں رکھتا۔"

"صرف روح نہیں.... مجسم خبیث ہوں۔"

"پچھلی رات شائد ہم بھی مارے جاتے۔" تلگاوا نے پھر خوفزدگی اختیار کرلی۔

"یہی میں معلوم کرنے آیا ہوں کہ تم پر کیا گذری۔"

"بیڈ روم والے تہہ خانے میں چھپ کر جان بچائی تھی۔"

"تفصیل۔"

"تمہارے چاروں آدمی اسے پکڑ کر اندر لائے تھے۔ اچانک وہ تڑپ کر ان کی گرفت سے نکل گیا۔ خاصی ہاتھا پائی ہوئی۔ پھر وہ باہر بھاگا۔ چاروں اس کے پیچھے تھے۔ میں نے دو چیخیں سنیں اور

ان میں سے دو پھر اندر آگئے انہوں نے بتایا کہ ان کے دونوں ساتھی مارے گئے۔ اس کے بعد میں اور ماریانا بیڈ روم والے تہہ خانے میں جا چھپے۔ میں نہیں جانتا کہ پھر کیا ہوا۔"

"بکواس ہے! کوئی بھی نہیں مارا گیا۔ وہ چاروں محفوظ ہیں۔" سنگ ماریانا کو گھورتا ہوا بولا۔

"بہر حال تم نے اُسے جس مقصد کے تحت بھیجا تھا وہ حاصل نہ ہوسکا۔"

"مقصد حاصل ہوگیا۔" سنگ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ "میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے۔ سو میں نے معلوم کرلیا ہے۔"

"کون ہے...؟"

"وہی خوفناک چہرے والا.... تنظیم کا ایک بہت بڑا دشمن.... میں بہت جلد اسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

"اگر وہی تھا تو میک اَپ کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔" تلگاوا خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔

"اُوہ... چھوڑو ختم کرو۔" سنگ ہنس کر بولا۔ "میں بہت جلد اُسے ٹھکانے لگادوں گا۔"

پھر اس نے تلگاوا کی نظر بچا کر ماریانا کو آنکھ ماری تھی اور وہ بوکھلا کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔ سنگ فون کی جانب بڑھا کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں بول رہا ہوں۔"

"پھر بری خبر ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بے فکر ہو کر سناؤ۔"

"یاسمن کا تعاقب کرنے والا اپنی گاڑی میں بیہوش پایا گیا ہے ابھی تک اُسے ہوش نہیں آیا۔"

"کہاں بیہوش پایا گیا ہے؟"

"ہوٹیل اِرم کے پارکنگ شڈ میں۔"

"اچھا.... اب میں ہی اپنے آدمی لگاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

"میری بھتیجی کے تحفظ کا خیال رکھیے گا۔"

"بالکل.... بالکل۔" سنگ بائیں آنکھ دبا کر شیطنت سے مسکرایا اور سلسلہ منقطع کرکے پھر تلگاوا کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"پروفیسر آدمی بنو۔ کبھی کبھی تفریح بھی کرلیا کرو۔ خود نہیں کرتے اس بیچاری کو تو آسمان دیکھنے دو۔ آج میں اسے اپنے ساتھ باہر لے جاؤں گا۔ کیوں! چلو گی۔"

"نہیں....!" ماریانا نے اس کی طرف دیکھے بغیر ناگواری سے کہا۔

"پچھتاؤ گی۔ یہ راکھ کا ڈھیر تمہیں بھی راکھ بنادے گا۔"

”چلے جاؤ یہاں سے۔“ تلگاوا حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

”یہ کتنی بُری بات ہے۔“ سنگ نے ماریانا کو مخاطب کر کے کہا۔ ”کیا میں ایسے ہی بُرے سلوک کا مستحق ہوں۔“

ماریانا کچھ نہ بولی۔ تلگاوا چیختا رہا۔ ”میں کہتا ہوں یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ میں تمہیں ہاتھ لگائے بغیر مار ڈالوں گا۔“

پھر ایک جانب بڑھا ہی تھا کہ سنگ نے اس پر چھلانگ لگائی اور دبوچ کر بیٹھ گیا۔ پروفیسر کی گھٹی گھٹی سی چیخیں تجربہ گاہ میں گونجتی رہیں۔ ماریانا بوکھلاہٹ میں چاروں طرف ناچتی پھر رہی تھی اور اس کے منہ سے بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں۔

دفعتاً تلگاوا خاموش ہو گیا اور جیسے ہی سنگ نے اپنی گرفت ڈھیلی کی، بے جان سا ہو کر فرش پر ڈھ گیا۔

”مار ڈالا.... کیا تم نے اسے مار ڈالا۔“ ماریانا چیختی ہوئی اس کی طرف جھپٹی اور دو زانوں بیٹھ کر تلگاوا کو آوازیں دینے لگی۔

”صرف دو گھنٹے کے لئے بیہوش ہو گیا ہے۔ ہماری تفریح کیلئے اتنا وقت بہت ہے۔“

”تم درندے ہو.... چلے جاؤ یہاں سے....“ ماریانا نے اٹھتے ہوئے اس پر دوہتھڑ چلایا۔

”جتنا چاہو مار لو۔“ سنگ ہنس کر بولا ”مگر چلو میرے ساتھ۔“

”میں تمہیں مار ڈالوں گی۔“ وہ اسے بے تحاشہ پیٹتی ہوئی چیخی۔ سنگ ہنس ہنس کر اس کے ہاتھوں پٹتا رہا۔

تلگاوا فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔

* * *

جوآد حیدر بہت پریشان تھا.... وہ نہیں چاہتا تھا کہ اب یاسمن گھر سے باہر قدم نکالے۔ لیکن سنگ برابر یہی کہے جا رہا تھا کہ اس کے بغیر وہ اس انجانے دشمن پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ جوآد حیدر نے اس سلسلے میں یاسمن سے براہِ راست کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ آج شب اس نے یاسمن کو محل میں ہی روک لیا تھا۔ اور یہ بھی سنگ کی ہدایت ہی کے مطابق ہوا تھا۔ دس بجے کے قریب نگ بھی وہیں پہنچ گیا اور وہ دونوں محل کے ایک دور افتادہ حصے میں جا بیٹھے۔

”یاسمن کو کیوں رکوایا ہے؟“ جوآد نے اس سے پوچھا۔

”تمہارے ملازمین کو چیک کروں گا۔ کیا وہ سب تمہارے جانے پہچانے...؟“

”میں ان کی صحیح تعداد تک سے واقف نہیں۔“ جواد حیدر مُسکرایا۔

”کون نیا ملازم؟“

”اس کے بارے میں بھی کچھ نہ بتا سکوں گا۔“

”یہ بہت بُرا ہے۔“

”کہئے تو منتظم کو بلا کر معلومات فراہم کروں۔“

””نہیں.. اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود دیکھ لوں گا۔ ویسے تم نے یاسمن سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو تو نہیں کی۔“

”کوئی خاص نہیں۔ بس اسے بتایا تھا کہ اس کا دوست میرے پاس آنے کی بجائے شہران چلا گیا۔ اس نے بھی اس پر حیرت ظاہر کی تھی۔“

”اس شخص کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ جس نے آج یاسمن کا تعاقب کیا تھا۔“

جواد حیدر نے تعاقب کی کہانی دہرائی اور چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”وہ کوئی بوڑھا آدمی تھا۔ سبز رنگ کی جیپ میں، اس کی کنپٹی پر گھونسہ مار کر بیکار کر دیا تھا۔“

”تم نے یاسمن سے یہ تو نہیں پوچھا کہ وہ ہوٹیل ارم کیوں گئی تھی۔“

”اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔“

”بہت اچھا کیا۔ اب مجھے یاسمن کی تاریخ پیدائش بتاؤ تاکہ اس کا زائچہ تیار کر کے کچھ تدبیر کروں۔“

”تاریخ پیدائش تو مجھے نہیں معلوم۔ اس کی ماں سے معلوم کرنی پڑے گی۔“

”خیر چھوڑو تاریخ پیدائش کو۔ میں اس کا ہاتھ دیکھوں گا۔“

اس کمرے میں مختلف رنگوں کے چار فون تھے۔ اس نے نیلے رنگ کے انسٹرومنٹ کا ریسیور اٹھا کر ایک بار ڈائیل کیا۔ دوسری طرف سے جواب ملنے پر کہا۔ ”یاسمن کو شمالی بازو سے بھیج دو۔“

پھر وہ ریسیور رکھ کر سنگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو آنکھیں بند کئے بیٹھا اس طرح جھوم رہا تھا جیسے عالم بالا سے غیب کے اسرار و رموز وارد ہو کر اس پر منکشف ہو رہے ہوں۔ جوآد خاموش بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازے پر دستک دی اور سنگ چونک کر بولا تھا۔

”آگئی...!“

جوآد حیدر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ لیکن یاسمن کی بجائے غالباً وہی آدمی تھا جسے فون پر اس نے یاسمن سے متعلق ہدائت دی تھی۔

”کیا بات ہے؟“ جوآد حیدر نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

”آقائی... وہ گہری نیند سو رہی ہیں۔ کسی طرح بھی بیدار نہیں ہو سکیں۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے

سو گئی ہیں۔"

"ناممکن۔" جواد حیدر کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا ہوا۔" سنگ اٹھتا ہوا بولا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" جواد حیدر نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔ "وہ بیٹھے بیٹھے سو گئی اور کسی طرح بھی بیدار نہیں ہو رہی۔ حالانکہ اس کی نیند بڑی کچی ہے۔ کوئی دبے پاؤں بھی قریب سے گذرے تو نیند اچٹ جاتی ہے۔"

"پھر چوٹ دے گیا۔ خیر کہاں تک.... میں اسے دیکھوں گا۔"

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں۔ چلو اٹھو۔ میں دیکھوں گا کہ وہ کس طرح سوئی ہے۔"

""چلئے۔" جواد حیدر اٹھتا ہوا بولا۔

سنگ کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے اور وہ پوری قوت سے قدم رکھتا ہوا چل رہا تھا۔ اس کمرے میں پہنچ کر جہاں یاسمن کرسی پر بیٹھی گہری نیند سو رہی تھی۔ سنگ نے جھک کر اُسے دیکھا اور پیشانی پر تھپکی دی پھر پلکیں الٹ کر پتلیوں کا جائزہ لیا۔

"یہ نیند نہیں بیہوشی ہے۔" اس نے سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن.... کیسے.... کس طرح....؟"

"دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو خود ہی اس نے کوئی ایسی چیز استعمال کی ہے۔ یا کسی دوسرے کے ہاتھوں اس حال کو پہنچی ہے۔ مقصد بہر حال یہی ہے کہ اس سے پوچھ گچھ نہ کی جائے۔"

جواد حیدر پر تفکر انداز میں یاسمن کو گھورتے جا رہا تھا۔

"واپس چلو۔" سنگ اس کے شانے پر تھپکی دے کر بولا۔ "نوے فیصد اسی کا امکان ہے کہ اس نے خود ہی...."

"لل.... لیکن.... بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ اِسی طرح لڑکیوں کے ذہنوں پر قبضہ جماتا ہے۔ میں اُسے بہت دنوں سے جانتا ہوں۔"

"پھر بھی آپ نے اسے زندہ رہنے دیا۔ مجھے اس پر حیرت ہے۔"

"میری ہی طرح اس کے ستارے بھی بہت گریٹ ہیں۔ لیکن کسی دن میرے ہی ہاتھوں مارا جائے گا۔"

وہ کمرے سے باہر نکل آئے اور سنگ نے جواد سے کہا۔ "تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ لڑکی کو بالکل نہ چھیڑو۔ البتہ اس پر دھیان رکھو کہ کوئی نیا آدمی تمہارے محل

اخل نہ ہونے پائے اور اسی وقت سے چیکنگ شروع کردو کہ پچھلے پندرہ دنوں میں کسی نئے کو تو ملازمت نہیں دی گئی۔ ڈاڑھی والوں کی ڈارھیاں پکڑ کر ہلاؤ۔ کیونکہ وہ میک اَپ کا بھی ہے۔"

"میں دیکھ لوں گا۔ لیکن میرا اصل معاملہ...."

"کیا کروں جواد.... تمہارے ستارے فی الحال گڑ بڑ ہیں۔ ورنہ پڑوسی ملک سے تعلقات کرا دینے والی سازش تمہیں ہر حال میں بااقتدار بنا دیتی۔"

"ہاں وہ موقعہ ہاتھ سے نکل گیا.... لیکن پھر...."

"تم فکر نہ کرو.... جلد ہی ایک اور موقع نصیب ہوگا جس کا انتظام میں نے پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔"

"وہ کیا ہے؟" جواد مضطربانہ انداز میں بولا۔

"ابھی نہیں بتاؤں گا۔ بہر حال.... اس کے بعد تمہارا برسر اقتدار آنا لازمی ہے۔"

"میں آپ کی ہدایت پر سختی سے عمل کروں گا۔"

◆

پروفیسر تلگاوا بے حس و حرکت بیٹھا خلا میں گھورے جا رہا تھا۔ دوسرے کمرے سے ماریانا کے نے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

دفعتہً لیمی رولاں تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔ پروفیسر اس کی آہٹ ہی پر چونکا تھا۔ مڑ کر اس کی ف دیکھا اور کرسی سے اٹھ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ لیمی رونے کی آواز طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"وہ.... وہ.... کیوں رو رہی ہے۔" لیمی (عمران) نے آہستہ سے پوچھا۔

"اگر اس کی رگوں میں کسی شریف آدمی کا خون دوڑ رہا ہے تو زندگی بھر روتی رہے گی۔"

"اوہو.... تو کیا...."

"بس...." پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں! میرا اب تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ٹی تھری بی کا وفادار نہیں رہا کیونکہ وہ اب ایسے کتے پالنے لگی ہے جو اپنے پرائے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ لیکن تم اندر کیسے پہنچے؟"

"اسی طرح جیسے وہ پہنچتا ہے۔ میں نے راستہ دریافت کر لیا ہے۔"

"مجھے اب اس سے بھی دلچسپی نہیں۔"

"مگر یہ ہوا کیسے....؟"

"اس نے کسی طرح مجھے بیہوش کر دیا تھا۔ ہوش آنے پر معلوم ہوا کہ میری سب سے مسرت مجھ سے چھینی جا چکی ہے۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے پروفیسر۔ کاش میں تنہا نہ ہوتا۔ یہاں سب اسی کے آدمی ہیں۔ راست اسی کا حکم مانتے ہیں۔ گریڈون اور گریڈٹو کے لوگوں کو مادام کی شخصیت کا علم نہیں۔"

"میں کہتا ہوں کہ مجھے اب ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"مجھے تو ہے دلچسپی!" دروازے کے قریب سے ماریانا چیخی۔ "میں اس کی بوٹیاں نوچ چاہتی ہوں۔ لیمی رولاں! میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"پروفیسر کی مسرت تو اس سے چھن چکی حالانکہ میں نے اپنی مرضی سے پروفیسر کی مر اس کے حوالے نہیں کی۔ بہر حال اب میرا وجود پروفیسر کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

پروفیسر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپایا۔

"تم مجھے وہ راستہ دکھا دو.... جدھر سے وہ اس عمارت میں داخل ہوتا ہے۔" ماریانا نے ع سے کہا۔

"فی الحال میں پروفیسر سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"جاؤ.... اسی سے باتیں کرو۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"میرے ساتھ چلو۔" ماریانا نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

عمران نے پر تشویش انداز میں سر کو جنبش دی۔

وہ اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں آیا۔ ماریانا کہہ رہی تھی۔ "پروفیسر ہمیشہ کا بودا ہ کوئی نئی بات نہیں۔ شادی کے چھ ماہ بعد ہی سے وہ میرے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا ہ اس نے دُنیا نہیں دیکھی۔ برقیات کے مسائل میں الجھا رہا ہے۔ اپنے موضوع سے ہٹ کر صرف بائبل کا مطالعہ کرتا ہے۔ خیر میں کہہ رہی تھی کہ میں اس سُور کے سلسلے میں تمہاری کیا کر سکتی ہوں۔"

"میرے مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتی ہو تو بتاؤں۔"

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔"

"بس تو پھر معاملات جوں کے توں رہنے دو۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" ماریانا بپھر گئی۔ "اب وہ میرے قریب بھی آیا تو اسے گولی مار دوں گی۔"

"اتنا آسان نہیں۔ مکار آدمی ہے۔ مکاری ہی سے مار کھائے گا۔ تم اپنا پستول خالی کر دو گی

م سے دو گز کے فاصلے پر کھڑا مسکراتا رہے گا۔"

ھر بتاؤ کیا کروں۔ میرے سینے میں بھٹی سلگ رہی ہے.... پروفیسر جیسا بھی ہو میرے ب کچھ تھا۔ میں نے کبھی اس کی خواہشات کے خلاف زندگی نہیں بسر کی۔"

یں سمجھتا ہوں۔ تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں کہ تم ایماندار ہو۔"

لیکن اب تو میں کچھ بھی نہیں رہی۔"

ہم ہے تمہارا... تم درندگی کا شکار ہوئی ہو... اور بس مظلوم ہو۔ تمہاری معصومیت نہیں ہوئی۔"

ائد اس کا لہو....: اس کا جیتا جاگتا لہو میری آگ بجھا سکے۔"

یں کہتا ہوں بند کرو یہ بکواس۔" دروازے کی طرف سے پروفیسر کی دہاڑ سنائی دی۔ "چلے ..یہاں سے...."

تمہاری زندگی خطرے میں ہے۔" عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

کیوں؟"

ہ تمہیں اس لئے زندہ نہیں چھوڑے گا کہ تم اس کی شکایات مادام تک پہنچا سکو۔"

مجھے اب کسی سے کوئی سروکار نہیں۔"

محض کہہ دینے سے تو مطمئن نہیں ہو سکے گا۔ اُس نے ابھی حال ہی میں مادام کے ایک ے ڈان فاگان کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔"

تم اس سے بخوبی واقف ہو گے۔"

کیوں.... نہیں.... کیوں نہیں.... وہ یہاں تین سال تک مجھے اسسٹ کر چکا ہے۔"

وہ اب اس دنیا میں نہیں اور سنو.... پروفیسر تمہیں فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔ اس نا میرا کام ہے۔ صرف ماریانا کی مدد کافی ہو گی۔"

وفیسر نے اچٹتی سی نظر ماریانا پر ڈالی اور کمرے سے چلا گیا۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔" عمران نے آہستہ سے ماریانا کو مخاطب کیا۔ "اُسے اپنے قریب دینا لیکن اس بار وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

نہیں! قطعی نہیں۔ میں اس سے پہلے اُسے ختم کر دوں گی۔ مجھے وہ راستہ بتاؤ۔ جدھر سے ت میں داخل ہوتا ہے۔ میں اسے الکٹری فائی کر دوں گی۔ اس نے وہاں قدم رکھا اور ختم۔"

اگر مادام کا یہ حکم نہ ہوتا کہ اُسے زندہ پیش کیا جائے تو میں ہی اسے گولی مار دیتا۔"

مجھے مادام یا اس کے حکم سے کوئی سروکار نہیں۔"

”تب تو معاف کرنا میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ مادام کے حکم سے سر تابی کی جرأت نہ رکھتا۔“

”اچھی بات ہے تو میں خود ہی اس سے نپٹ لوں گی۔“

”تمہاری مرضی۔“ عمران نے خشک لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

پروفیسر تجربہ گاہ میں موجود تھا۔ جب عمران وہاں سے گذرنے لگا تو اُس نے ہاتھ اٹھا کہا۔ ”ٹھہرو! میں بھی چل رہا ہوں۔ مجھے وہ راستہ دکھاؤ۔“

”کیوں۔ اب تمہیں اس سے کیا سروکار۔؟“

”اگر میری زندگی خطرے میں ہے تو میں اپنا تحفظ بخوبی کر سکتا ہوں۔“

”میرے تعاون کے بغیر تم کچھ نہ کر سکو گے۔“

”میں.... سب کچھ....“

”اُس راستے کو الکڑی فائی کرنے کا خیال ماریانا بھی ظاہر کر چکی ہے۔“ عمران ہاتھ اٹھا بولا۔ ”لیکن ہر حال میں مادام کے حکم کو برتری حاصل رہے گی۔ مجھے اُسے مادام کی خدمت م زندہ پیش کرنا ہے۔“

”تو جہنم میں جاؤ۔“

”سنو تم.... تنہا اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں جا رہا ہوں اور اِس وقت اُس راستے سے وا نہیں ہوگی۔ علانیہ صدر دروازے سے گذرونگا۔“

”میں تمہیں اس پر مجبور کردوں گا۔“ پروفیسر نے کہتے ہوئے اچانک ریوالور نکال لیا۔

”کیوں حماقت کا شکار ہو رہے ہو۔“ عمران ہنس پڑا۔

”میں گولی مار دوں گا۔ ورنہ مجھے راستہ دکھاؤ....“

”یہ کیا کر رہے ہو۔؟“ ماریانا کی چیخ پھر سنائی دی۔ وہ پاگلوں کی طرح جھپٹی تھی اور ان درمیان آگئی تھی۔

”تم ہٹ جاؤ سامنے سے۔“ پروفیسر دہاڑا۔

دوسرے ہی لمحے میں عمران تجربہ گاہ سے نکل چکا تھا۔

”تم پاگل ہوگئے ہو۔“ ماریانا نے اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لینے کی کوشش کرتے ہو کہا اور پھر اچانک فائر ہوا۔ گولی پروفیسر کے بائیں جبڑے کو توڑتی ہوئی گدی سے نکل گئی۔ اس بعد پل بھر کا سناٹا بڑا بھیانک تھا۔

پھر ماریانا ہذیانی انداز میں چیخنے لگی تھی۔ باہر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور عمرا

پھر تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔

”یہ کیا ہوا.... کیا ہوا۔“ وہ اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

”فائر ہو گیا.... میں اس سے ریوالور چھین رہی تھی۔“

عمران نے جھک کر دیکھا۔ تلگاوا دم توڑ چکا تھا۔

”یہ بہت بُرا ہوا۔“ وہ سیدھا کھڑا ہو کر ماریانا کو گھورتا ہوا بولا۔

”مم.... میں بھی مر جاؤں گی۔“ وہ ریوالور اٹھانے کیلئے جھکی ہی تھی کہ عمران نے ٹھوکر مار کر اُسے دور پھینک دیا۔ پھر ماریانا کے شانے پر نرمی سے تھپکی دے کر بولا۔ ”ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ لیکن اب تمہیں مقامی پولیس کے چکر سے بچانا بھی میرے فرائض میں شامل ہو گیا ہے۔“

”مجھے.... مر جانے دو۔“ وہ کسی ننھی بچی کی طرح روتی ہوئی اس کے بازو پر جھول گئی۔

* * *

شاٹو، سنگ کے مقربین میں سے تھا۔ اُسے اس کے بارے میں پل پل کی خبر رہتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سنگ کس وقت کہاں ہوگا۔ لہذا وہ اُسے پھر ایک بری خبر سنانے کے لئے چل پڑا تھا۔

لیکن سنگ کو اس وقت اس کی دخل اندازی گراں گذری کیونکہ وہ ایک مقامی مالدار اور بہت خوبصورت عورت کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُسے ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر شاٹو کے ساتھ دوسرے کمرے میں آیا۔

”کوئی اچھی خبر نہ لائے ہوگے۔ تمہاری شکل بتا رہی ہے۔“ سنگ اسے گھورتا ہوا بولا۔

”تلگاوا مار ڈالا گیا اور اس کی لاش پر بھی وہی تصویر۔“

”بڑی اچھی خبر لائے ہو۔“ سنگ نے بیحد خوشی ظاہر کرتے ہوئے اُسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

”میں نہیں سمجھا باس۔“

”تم نہیں سمجھ سکو گے۔ ماریانا کہاں ہے۔“

”پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئی ہے۔ وہ خوابگاہ میں اونگھ رہی تھی۔ فائر کی آواز سن کر تجربہ گاہ میں پہنچی تو تلگاوا کی لاش پڑی دیکھی جس کے کوٹ کے کالر سے اسی خوفناک آدمی کی تصویر پن کی ہوئی تھی۔“

”ہوں۔“ سنگ کے چہرے پر دفعتہً تشویش کے آثار آنے لگے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے پوچھا۔ ”کیا خود ماریانا نے پولیس کو مطلع کیا تھا..؟“

”جی ہاں....“

"جاؤ.... اس پر نظر رکھو۔ ہو سکتا ہے اب وہ اس عمارت میں واپس نہ جائے۔"

"تو پھر کہاں جائے گی باس؟"

"جہاں بھی جائے تم سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے رہنا لیکن اگر اس کی منزل تجربہ گاہ ہی ہو تو واپس آکر مجھے مطلع کر دینا۔"

"او۔ کے باس۔"

شاٹو چلا گیا۔ سنگ پھر ڈرائنگ روم میں واپس آگیا۔ عورت کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار تھے لیکن سنگ کو دیکھ کر اس نے پھر اپنے چہرے پر خوش دلی کے آثار پیدا کرنے کی کوشش کی۔

"کل اسی وقت تم مجھ سے دوبارہ مل سکتی ہو۔ میں تمہارے مسائل حل کرنے کی کوشش کروں گا۔" سنگ بولا۔

"اوہ.... اچھا۔" عورت اٹھتی ہوئی بولی۔ "میں خود اجازت طلب کرنے والی تھی۔ بہر حال میں چاہتی ہوں کہ مجھ پر سے نجس اثرات جلد دور ہو جائیں۔"

"اسی کیلئے کوئی خاص تدبیر کروں گا۔" سنگ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

اس کے رخصت ہو جانے پر سنگ نے فون پر جواد حیدر کے نمبر ڈائیل کئے لیکن دوسری طرف سے کوئی لڑکی بولی تھی۔

"کون ہے۔" سنگ نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟" دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

"اوہ.... تو تم ہو.... میں لیمی ہوں.... مجھے توقع نہیں تھی کہ تم فون پر ہو گی۔" پھر وہ ماؤتھ پیس میں کھانسنے لگا تھا۔ "معاف کرنا۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "مجھے زکام ہو گیا ہے۔"

"اسی لئے میں تمہاری آواز نہیں پہچان سکی تھی۔ لیکن تم نے یہاں فون کرنے کی غلطی کیوں کی ہے۔"

"کوئی اور ریسیور اٹھاتا تو میں تمہاری سہیلی بن جاتا۔ لو سنو...." سنگ نے کسی شوخ لڑکی کی سی آواز میں کہا۔ "میں نیلو فر بول رہی ہوں۔ کیا یاسمن وہاں موجود ہے۔"

"کمال ہے۔" کھنکتی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ "تمہارا واقعی جواب نہیں ہے۔"

"اچھا تو ہوٹیل ارم کے کیبن نمبر سترہ میں پہنچ جاؤ۔ میرا ایک آدمی وہاں سے تمہیں مجھ تک پہنچا دے گا۔"

"بہت اچھا.... میں دس منٹ میں روانہ ہو جاؤں گی۔"

سنگ سلسلہ منقطع کر کے مسکرایا تھا۔

* * *

عمران دوہرے میک اپ میں ماریانا کا تعاقب کرتا رہا تھا لیکن وہ اس سے بے خبر تھی۔ پولیس ہیڈ کوارٹر سے اس کی چھوٹی سی اسٹیشن ویگن برآمد ہوئی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ عمران نے دیکھا کہ ایک اور گاڑی بھی اس کے پیچھے لپکی جس کا ڈرائیور کوئی سفید فام غیر ملکی تھا۔ اس نے پر معنی انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی اور اپنی گاڑی اس کے پیچھے لگا دی۔

عمران کی ہدایت کے مطابق ماریانا تجربہ گاہ کی طرف واپس جا رہی تھی۔ ماریانا کا تعاقب کرنے والے سفید فام غیر ملکی کی گاڑی تجربہ گاہ کے قریب سے گذر کر آگے بڑھتی چلی گئی اور یو ٹرن لے کر پھر شہری آبادی کی طرف رواں دواں نظر آئی۔ اب عمران صرف اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ ماریانا کی گاڑی تجربہ گاہ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی تھی۔ کسی قدر اندھیرا پھیل گیا تھا اور اس وقت اس سڑک پر صرف یہی دو گاڑیاں نہیں تھیں۔ اس لئے عمران اطمینان سے تعاقب کرتا رہا۔ شہر پہنچ کر اگلی گاڑی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ عمران نے کچھ اور آگے بڑھ کر اپنی گاڑی کمپاؤنڈ وال میں لگا دی۔ اس عمارت کا پائیں باغ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کہیں کہیں کھڑکیوں کے دھندلے شیشے روشن نظر آرہے تھے۔ اپنی گاڑی کی اوٹ میں رہ کر وہ دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر وہ کسی چھپکلی ہی کی طرح دیوار پر سرسراتا ہوا دوسری طرف اتر گیا۔ کچھ دیر اسی جگہ کھڑے رہ کر اندازہ کرنا پڑا تھا کہ عمارت میں کتے تو نہیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر دو گاڑیاں کھڑی نظر آئیں یہاں اتنا گہرا اندھیرا بھی نہیں تھا کہ وہ انہیں گاڑیوں کی حیثیت سے شناخت نہ کر سکتا۔ یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ عمارت میں کتے نہیں ہیں۔ اس نے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا۔ ٹھیک اسی وقت برآمدے سے کسی کے چلنے کی آواز آئی تھی۔ وہ پھر جہاں تھا وہیں دبک گیا۔ پھر ایک متحرک ہیولی گاڑی کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ عمران بڑی پھرتی سے ایک درخت کے تنے کی اوٹ میں ہو گیا۔ یہ بروقت احتیاط کام ہی آئی۔ کیونکہ گاڑی کے ہیڈ لیمپ روشن ہوتے ہی کمپاؤنڈ میں اتنا اجالا ہو گیا تھا جو عمران کے لئے دشواری پیدا کر دیتا۔ وہ گاڑی ریورس گیئر میں پھاٹک سے گذر کر باہر نکل گئی۔ اب پھر وہی پہلے کا سا سناٹا ماحول پر مسلط تھا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا اصل عمارت تک جا پہنچا۔ روشن کھڑکیوں کے نیچے سے گذرتے ہوئے ایک جگہ اسے رک جانا پڑا۔ وہ آواز ہی ایسی تھی جس نے اس کے قدم روک دیئے تھے۔ آواز یاسمن کی تھی اور زبان ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی.... وہ کسی سے کہہ رہی تھی۔ "تم لوگوں کی مصوری میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"اسے سمجھنے کے لئے ایک مخصوص انداز فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔" کسی مرد نے اہل زبان کی طرح فرانسیسی ہی میں جواب دیا تھا۔

"لیمی کہاں ہے؟ مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا۔" یاسمن کی آواز آئی۔

"بس آیا ہی چاہتا ہے۔" جواب ملا "تم کافی کیوں نہیں پیتیں.... ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

عمران نے اپنے روائتی احمقانہ انداز میں دیدے نچائے اور آہستہ آہستہ پیچھے کھسکنے لگا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور اس میں سے تیز قسم کی روشنی باہر آ رہی تھی۔

سیدھا کھڑا ہو کر کمرے کا جائزہ لینے کی کوشش کرتا تو دیکھ لیا جاتا۔ بہر حال یاسمن کی گفتگو سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہاں دھوکے سے لائی گئی ہے اور خود اس کی منتظر ہے۔

روشنی کی زد سے نکل جانے کے بعد وہ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب جس کھڑکی کے قریب تھا اسے ٹٹول کر دیکھا۔ اتفاق سے وہ بھی کھلی ہوئی تھی۔ لیکن روشن نہیں تھی۔ آہستہ سے دونوں پاٹ کھول کر اس نے جیب سے پنسل ٹارچ نکالی اور اُسے روشن کر کے اس اندھیرے کمرے کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ اچانک پشت سے کئی آدمی ٹوٹ پڑے۔ پنسل ٹارچ ہاتھ سے گر گئی اور وہ ان میں سے ایک کی کنپٹی سہلاتا ہوا ان کے نرغے سے نکل گیا۔ حملہ آور تین تھے۔ دوسرے ہی لمحے میں سائیلنسر لگا ہوا آٹومیٹک پستول بھی نکل آیا۔ ایک چیخ گونجی تھی۔ ایک پہلے ہی بیہوش ہو گیا تھا۔ دوسرے کو خاموش گولی چاٹ گئی۔ تیسرا اچھل کر بھاگا ہی تھا کہ اس کی کھوپڑی میں بھی سوراخ ہو گیا۔ دوسری چیخ پہلی سے بھی زیادہ کربناک تھی۔ عمران تیزی سے اسی کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ جس سے تاریک کمرے کا جائزہ لیتے وقت اس پر حملہ ہوا تھا۔ کھڑکی سے گذر کر کمرے میں پہنچا اور اسے بند کر کے بولٹ کر دیا۔ اور اب اندازے سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہینڈل گھماتے ہی دروازہ کھل گیا لیکن ہر طرف اندھیرا ہی نظر آ رہا تھا۔ اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز بھی سنی لیکن وہ کوئی ایک ہی آدمی تھا۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" یہ یاسمن کی آواز تھی۔ لیکن جواب میں کچھ بھی سنائی نہ دیا۔ وہ شائد اب بھی برابر ہی کے کمرے میں تھی۔

"لیمی! تم کہاں ہو۔ اندھیرا کیوں ہو گیا؟" یاسمن پھر چیخی تھی۔

اس بار بھی عمران نے دوسری کوئی آواز نہ سنی۔ بہر حال وہ جہاں تھا وہیں دم سادھے کھڑا رہا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے دروازہ بند کر کے پھر کھڑکی ہی کا رخ کیا۔ اندھیرے میں مکان میں گھس کر یاسمن والے کمرے تک پہنچنے سے زیادہ بہتر یہی تھا کہ وہ کھڑکی سے دوبارہ باہر نکل جاتا اور کمرے کی کھڑکی سے یاسمن کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ دوسری کھڑکی کے

ریب پہنچا ہی تھا کہ یاسمن کی آواز پھر آئی۔ "او آرٹسٹ....! تم کہاں ہو۔ روشنی کرو.... یہ کیا بہودگی ہے۔"

عمران کھڑکی کے ذریعے بہ آہستگی کمرے میں اتر گیا اور دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ وہ اندازہ کرنا اہتا تھا کہ یاسمن اس اندھیرے کمرے میں کس جگہ ہو گی۔ اس نے دیوار پر ہاتھ مارا اور تیزی سے ائیں جانب سرک گیا۔

"کون ہے؟" یاسمن خوفزدہ آواز میں چیخی اور عمران نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کس طرف ہے لکن ساتھ ہی کمرے میں روشنی بھی ہو گئی۔ سامنے ایک لمبا اور بدہیت آدمی نظر آیا۔ یہ بوہیمین سم کا کوئی فرانسیسی آرٹسٹ معلوم ہو رہا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بڑھے ہوئے بالوں سے صرف اک اور آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ لیکن اس کے چہرے سے بھی زیادہ خوفناک چیز اس کے ہاتھ یں تھی۔ اعشاریہ چار پانچ کے ریوالور کا رخ عمران ہی کی طرف تھا۔ آرٹسٹ نے بائیں ہاتھ کے اشارے سے یاسمن کو اپنے قریب بلایا۔ وہ بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے عمران کو گھورے جا رہی تھی۔ پہچان نہ سکی کیونکہ اس نے بھی لیمی رولاں والے میک اَپ پر گھنی ڈاڑھی اور دہانے کو چھپانے والی مونچھیں استعمال کی تھیں۔ لوشن کے اثر سے پلکوں نے متورم ہو کر آنکھوں کی ناوٹ پر اثر ڈالا تھا۔

"تم کون ہو۔؟" آرٹسٹ نے کڑک کر پوچھا۔

"یہی میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں۔" عمران نے کہا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔

"بتاؤ۔" وہ ریوالور کو جنبش دے کر دہاڑا۔

"بکواس بند کرو۔ باہر تین لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ تم میری جیب سے میرا شناخت نامہ نکال کر دیکھ سکتے ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ ریوالور زمین پر ڈال دو اور بتاؤ کہ لاشیں کس کی ہیں۔ دو چیخیں ن کر میں کمپاؤنڈ میں داخل ہوا تھا۔"

"میں نہیں جانتا کہ لاشیں کس کی ہیں چیخیں میں نے بھی سنی تھیں اور کسی خطرے کا احساس ہوتے ہی روشنی بجھا دی تھی۔" آرٹسٹ بولا اور ساتھ ہی اس کے ریوالور سے ایک فائر ہوا اور کمرہ ھر تاریک ہو گیا اس نے بلب پر فائر کیا تھا۔

"خبردار.... خبردار۔" عمران نے ہانک لگائی۔ پھر کوئی گرا تھا اور یاسمن کی چیخ اندھیرے میں گونجی تھی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز دور ہوتی گئی۔ یاسمن کی موجودگی میں عمران کوئی خطرہ

مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ورنہ سنگ اس طرح نکل جانے میں کامیاب نہ ہو سکتا۔

”یاسمن.... “اس کی تیز قسم کی سرگوشی اندھیرے میں گونجی۔

”کک.... کون ہے؟“خوفزدہ سی آواز سنائی دی تھی۔

عمران آواز کی سمت بڑھا۔ وہ فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ عمران نے ٹٹول کر اُسے اٹھانے کی کوشش کی۔

”لیمی.... “وہ آہستہ سے بولا۔ ”چپ چاپ نکل چلو۔“

”کیا تم نے مجھے یہاں نہیں بلایا تھا۔“

”ہرگز نہیں۔ جتنی جلد ممکن ہو۔ یہاں سے نکل چلو۔“

ایک گھنٹے بعد یاسمن عمران کی قیام گاہ پر اُسے اپنی کہانی سنا رہی تھی۔

”ہوٹیل اِرم سے ایک آدمی مجھے وہاں لے گیا تھا۔ لیکن تم نہ ملے وہ منحوس آرٹسٹ ایک تصویر بنا رہا تھا کہنے لگا لیمی کہہ گیا ہے وہ آدھے گھنٹے میں واپس آجائے گا۔ تم یہیں بیٹھ کر انتظار کرو۔ لیکن خبر دار مجھ سے گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں پینٹ کرتے وقت بولنا پسند نہیں کرتا۔“

”میں نے تمہیں فون نہیں کیا تھا۔ دراصل یہ تمہیں وہاں بُلا کر دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارا تعاقب کرتا ہوں یا نہیں۔“

”اور تم نے کیا۔“یاسمین ہنس پڑی۔

”ہرگز نہیں! یہ محض اتفاق تھا کہ کسی اور کا تعاقب کرتا ہوا اُدھر جا نکلا تھا۔“

”آخر وہ تھا کون؟“

”حیرت ہے کہ تم نہ پہچان سکیں۔ اتنے لمبے آدمی کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔“

”اوہ.... تو کیا.... وہ نجومی۔“

”سو فیصد! محض تمہاری وجہ سے اسے چھوٹ دینی پڑی ورنہ وہ اس طرح مجھ سے پیچھا نہ چھڑا سکتا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم زخمی نہ ہو جاؤ۔“

”میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی لیمی۔“

”شکریہ....“

”اور سنو! پچھلی رات میں خواب آور دوا کھا کر بیہوش ہو گئی تھی۔ اس ڈر سے کہ کہیں چچا اپنے اس آدمی کے سلسلے میں مجھ سے پوچھ گچھ نہ شروع کر دیں۔ جسے تم نے ہوتیل ارم کے پارکنگ شڈ میں بیہوش کر دیا تھا۔“

”لیکن انہوں نے تمہارے ہوش میں آنے کے بعد بھی اس کے بارے میں نہ پوچھا ہو گا۔“

”اسی پر تو مجھے حیرت ہے۔“

”بالکل حیرت نہ کرو۔ وہ دونوں ہی میرے خون کے پیاسے ہیں۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح تمہاری مدد کروں۔“یاسمن بولی۔

”تم میرے لئے بہت کچھ کر سکو گی۔ ابھی وقت نہیں آیا۔ اب میں تمہیں کہاں پہنچادوں اور ہاں! شائد وہ آج کے واقعے کا ذکر تمہارے چچا سے نہ کرے۔ لہذا تم بھی اپنی زبان بند رکھنا۔ ایسی بن جاؤ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔“

”جو تم کہو گے.... کروں گی۔“

”شکریہ! تمہارے ملک کی بہتری اسی میں ہے۔“

◆

جنرل نے اس شکستہ حال بھکاری کو گھور کر دیکھا جو اس کی گاڑی کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ ڈرائیور نے اسے ایک طرف ہٹا کر جنرل کے لئے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔

”ٹھہرو.. الگ ہٹ جاؤ۔“جنرل نے بھکاری کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر نظر جما کر ڈرائیور سے کہا۔ وہ اگلی نشست کے دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ بھکاری کی ہتھیلی پر قلم سے کچھ آڑی ترچھی لکیریں کھینچی گئی تھیں جن کے درمیان لکھا ہوا تھا۔ ”ٹھیک آٹھ بجے شب۔“ جنرل نے ایک سکہ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پھر جیسے ہی وہ گاڑی کے پاس سے ہٹا اس نے ڈرائیور کو دوبارہ گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”سمران کی طرف چلو اور مجھے وہیں چھوڑ کر واپس چلے آنا۔“

وہ اس طرف شاپنگ کے لئے آیا تھا لیکن فقیر کے ہاتھ پر تحریر دیکھتے ہی پروگرام میں تبدیلی کر دی تھی۔

شام کے پانچ بجے تھے اور اُسے ٹھیک آٹھ بجے مقررہ مقام پر پہنچنا تھا۔ سمران ایک وسیع عمارت تھی جہاں محکمے کے مہمان ٹھہرائے جاتے تھے اور اس کا ایک حصہ جنرل کی بعض مصروفیات کے لئے وقف تھا۔ گاڑی اسی حصّے کے سامنے رکی تھی اور جنرل کے اترتے ہی ڈرائیور اسے عمارت کی کمپاؤنڈ سے باہر نکال لے گیا تھا۔

جنرل ایک کمرے میں داخل ہوا۔ ملبوسات کی الماری کھولی اور لباس تبدیل کرنے لگا۔

دس پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر ایک فوجی ڈرائیور کی وردی میں ملبوس نظر آیا تھا۔ پھر سمران کی کمپاؤنڈ سے ایک جیپ نکلی تھی جسے جنرل ایک معمولی ڈرائیور کی وردی میں چلا رہا تھا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا اور جیپ ویرانے کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔ سنسان سڑک پر ہیڈ لیمپس کی روشنی

دور تک پھیل رہی تھی۔

آٹھ بجے سے پہلے ہی ویرانے کی اس تنہا عمارت میں پہنچ گیا تھا جہاں دائی تھری سے پہلی بار ملا تھا۔ قفل کھول کر عمارت میں داخل ہوا اور جہاں جہاں روشنی کی ضرورت تھی کیروسین لیمپ روشن کر دیئے۔

ٹھیک آٹھ بجے بند دروازے پر کسی نے دستک دی تھی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے بدلی ہوئی آواز میں پوچھا تھا کہ دستک دینے والا کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔

"دائی تھری۔" باہر سے آواز آئی اور جنزل نے دروازہ کھول دیا۔

"میرے آداب قبول فرمایئے۔" ڈراؤنے چہرے والے نے اندر داخل ہو کر کسی قدر خم ہوتے ہوئے کہا۔

"اندر چلو۔ اور بیس منٹ کے اندر اندر اس ملاقات کا مقصد بیان کر دو...."

"بہت بہتر.... میرے پاس بھی وقت بہت کم ہے۔"

وہ ایک جگہ آبیٹھے اور عمران نے کہا۔ "سب سے پہلے تو ان لوگوں کی لسٹ لیجئے جو آپ کے محکمے کی کالی بھیڑیں ہیں۔"

"کیا اور بھی ہیں؟" جنزل کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کئی عدد.... کرنل بہرام تو بالکل سامنے کی چیز تھا۔" عمران نے کہا اور اپنی ڈائری کا ایک ورق پھاڑ کر اس کے حوالے کر دیا۔

"میرے خدا۔" جنزل اس پر تیزی سے نظر ڈال کر بولا۔ "تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"اور اب سنئے کہ اصل کھیل کیا ہے۔ موجودہ وزیر اعظم عنقریب ہی معتوب ہو کر اپنے عہدے سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور پھر جواد حیدر کے لئے میدان صاف ہو جائے گا۔"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ جواد حیدر عرصہ سے اسی تگ و دو میں ہے۔" جنزل نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن اس سے لاعلم ہیں کہ یہ کیونکر ہوگا۔"

"بالکل.... بھلا اس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں.... تین سال پہلے کسی بڑی طاقت سے آپ کا کوئی خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ عنقریب اس طاقت کا ایک نمائندہ اس معاہدے کی تجدید کے لئے یہاں آنے والا ہے۔"

"اچھا تو پھر....؟"

"اس معاہدے کے کاغذات کا فائیل وزیر اعظم کی تحویل میں ہے۔"

"کہتے رہو۔" جنزل اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"فائیل کا نام بتاؤں؟"

"جلدی سے کہہ چکو۔" جنزل کے لہجے میں کس قدر جھنجھلاہٹ تھی۔

"تھری ایکس زیرو فور آبلیک ون۔ اسٹر کٹلی کو نفیڈ نشل۔"

"اوہ۔" جنزل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"آپ کو علم ہوگا کیونکہ معاہدہ فوجی نوعیت کا تھا۔ بہر حال اس دوران وہ فائیل اس طرح اڑایا جائے گا کہ وزیر اعظم کو خبر نہ ہو سکے گی۔ اب آپ خود سوچئے کہ اس نمائندے کی آمد پر جب اس فائیل کی ضرورت پیش آئے گی تو وزیر اعظم کا کیا حال ہوگا۔ کیا وہ دربار کے عتاب سے محفوظ رہ سکیں گے۔"

"اوہ.... میرے خدا۔ جلد کچھ کرنا چاہئے۔" جنزل مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"فکر نہ کیجئے۔ اس فائیل کی نقل آج رات بھر میں تیار ہونی چاہئے پھر اُسے اصل کی جگہ رکھوا دیجئے۔ اس کے بعد میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔ جواد حیدر اور زیرو لینڈ کا وہ نمائندہ رنگے ہاتھوں نہ پکڑے گئے تو مقصد حاصل نہ ہو سکے گا۔"

"تت.... تم.... ٹھیک کہتے ہو.... یہی ہوگا.... اور کچھ؟"

"نہیں بس.... اب آپ جلد از جلد روانہ ہو جایئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جواد حیدر کے آدمی ہاتھ صاف کر جائیں۔"

"دوست میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ تم حیرت انگیز ہو۔ اب میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ تم سے ان معلومات کا ذریعہ پوچھ سکوں۔" وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

عمران نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "سب کچھ بتا دوں گا۔ فی الحال خدا حافظ۔"

◆

ماریانا خاموش کھڑی تھی اور سنگ اسے مسلسل چھیڑے جا رہا تھا۔ آخر وہ جھلاّ کر بولی۔ "تم سے بڑا درندہ آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔"

"ٹھنڈے دل سے قبول کر لو تو مجھے فرشتہ پاؤ گی۔ میں تو بیحد بے ضرر آدمی ہوں۔"

"تم تلگاوا کو اپنی راہ کا پتھر سمجھتے تھے۔ میں اب آزاد ہوں۔ مجھ سے شادی کر لو۔"

"شادی کرنے کے بعد میں بھی تلگاوا ہی کی طرح بور ہو جاؤں گا۔"

"تو تم شادی نہیں کرو گے۔" وہ غضبناک ہو کر چیخی۔

"نہ میرے باپ نے میری ماں سے شادی کی تھی اور نہ میں کسی کا باپ کہلانا پسند کروں گا۔"

"میں تمہیں مار ڈالوں گی۔ ایک پادری کی بیٹی ہوں۔ خود بھی مر جاؤں گی۔ گناہ کا داغ لے کر زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"کسی پادری کا داماد بننے سے تو بہتر ہوگا کہ پھر سے رحم مادر میں لوٹ جاؤں۔"

"خاموش رہو اور یہاں سے چلے جاؤ!" وہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

"سنو۔ میں اب تمہیں یہاں اس ویرانے میں تنہا نہیں رہنے دوں گا۔"

"میں کہیں نہ جاؤں گی۔"

"میں کب کہہ رہا ہوں کہ کہیں جاؤ۔ میں یہیں رہوں گا۔ تمہارے ساتھ ایک پل کے لئے بھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ سارے کام یہیں بیٹھے بیٹھے کروں گا۔"

"تب تو اسی خوفناک چہرے والے کے ہاتھوں مارے جاؤ گے کیونکہ وہ یہاں آچکا ہے۔"

"اوہ۔ کوئی میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ چلو خواب گاہ میں چلیں.... گیارہ بج رہے ہیں۔"

"آخ تھو...." ماریانا نے جھلاہٹ میں اس کے منہ پر تھوک دیا۔

"شکریہ!" سنگ نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں۔ تنہا خواب گاہ میں جاؤ اور دروازہ اندر سے مقفل کر کے سو جاؤ۔ میں باہر رہ کر تمہاری حفاظت کرتا رہوں گا۔"

ماریانا نے لاپروائی ظاہر کرنے کیلئے شانوں کو جنبش دی اور تجربہ گاہ سے چلی گئی۔ کچھ دیر بعد سنگ نے وہ دروازہ بند کیا تھا جس سے گذر کر دوسری طرف گئی تھی۔ پھر وہ فون کی طرف بڑھا اور کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے جواد حیدر کی آواز سنائی دی تھی۔

"کیا رہا۔" سنگ نے پوچھا۔

"کام بن گیا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بہت اچھے.... جہاں کا پتہ بتایا تھا وہیں پہنچ جاؤ۔ اپنی بھتیجی کو بھی لانا کیونکہ اس شخص کا انتظام کرنا بھی بیحد ضروری ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔"

"بہت بہتر.... میں اُسے ضرور لاؤں گا۔" جواد حیدر کی آواز آئی۔

"روشن مستقبل تمہارا منتظر ہے۔ آج سے تمہارا ستارہ عروج پر ہوگا۔"

"بہت بہت شکریہ۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

ریسیور رکھ کر ماریانا کی خواب گاہ کی طرف آیا تھا اور یہ دیکھ کر دروازہ اندر سے مقفل کر لیا گیا ہے۔ چپ چاپ صدر دروازے کی جانب بڑھتا چلا گیا تھا۔

دروازہ کھول کر آہستہ سے آواز دی۔ "شاٹو.... شاٹو۔"

"یس باس۔" شاٹو کسی طرف سے برآمد ہوا۔

"تم سب چوکس ہو نا؟"

"یس باس۔"

"بس اس پر نظر رکھنا کہ کوئی اس کا تعاقب کرتا ہوا تو نہیں آیا۔ ایسے کسی آدمی کو زندہ نہ چھوڑنا۔"

"او کے باس.... مطمئن رہئے۔"

سنگ نے دروازہ بند کیا اور پھر تجربہ گاہ میں آبیٹھا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر تشویش کے آثار تھے۔ بوتل سے تھوڑی سی گلاس میں انڈیل کر چسکیاں لیتا رہا۔ دفعتہً فون کی گھنٹی بجی اور اس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا۔ "سب ٹھیک ہے باس، دور دور تک کسی کا پتا نہیں۔"

"پوری طرح جاگتے رہو، جو شخص میری آنکھوں میں دھول جھونک جائے اس کے لئے تمہاری کیا حقیقت ہے۔" سنگ بولا۔

"ہم ہوشیار ہیں باس۔"

سنگ ریسیور رکھ کر پھر صدر دروازے کی طرف آیا اور شاٹو کو آواز دی۔ اس بار اُسے اندر بلا لیا تھا۔

"کتنے آدمی ہیں۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"ستائیس.... باس۔ سڑک تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لمبی گاڑی کے پیچھے اگر کوئی دوسری گاڑی دکھائی دی تو اسے چھلنی کر دیا جائے گا۔"

"لمبی گاڑی کی ڈگی کھلوا کر بھی دیکھ لینا۔"

"او۔ کے باس۔"

"وہ بے حد حرامی ہے۔ اس رات میں اُسے کوئی سیکیورٹی آفیسر سمجھ کر وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ شائد اس نے مسز تلگاوا کا تعاقب کیا تھا اور پھر تمہارا تعاقب کرتا ہوا اس عمارت تک پہنچا تھا۔"

"لیکن باس یقین نہیں آتا کہ وہ تنہا ہے۔"

"تم اس فکر میں نہ پڑو۔ بس کام پر نظر رکھو، جو تمہارے ذمے ڈالا گیا ہے۔"

"وش یو گڈ لک باس۔" شاٹو نے کہا اور باہر چلا گیا۔

ایک گھنٹے بعد تجربہ گاہ میں بزر کی ہلکی سی آواز گونجی تھی اور سنگ دوڑتا ہوا صدر دروازے کی

طرف چلا گیا تھا۔ دروازہ کھولا۔ جواد حیدر اور یاسمن باہر کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے شاٹو تھا۔ جواد حیدر کے ہاتھ میں ایک بریف کیس تھا۔ سنگ انہیں اندر لایا۔ شاٹو باہر ہی رہ گیا تھا۔

تجربہ گاہ میں پہنچ کر سنگ نے بریف کیس جواد حیدر کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔ "ڈرائیور تو نہیں ہے تمہارے ساتھ؟"

"نہیں.... میں خود ہی ڈرائیو کرتا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے.... بیٹھ جاؤ۔ اب میں اس بچی کے ہاتھ دیکھوں گا۔ یہ اپنے وقت کی بہت بڑی عورت بننے والی ہے۔"

یاسمن اسے کینہ توز نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ سنگ نے اس سے پوچھا۔ "لیمی رولاں اس وقت کہاں ہوگا؟"

"اوہ.... وہ...." یاسمن ہنس پڑی۔ "میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت اسی عمارت میں ہے۔"

"کیا مطلب؟" جواد حیدر کرسی سے اٹھ گیا۔

یاسمن اور زور سے ہنسی اور جواد دہاڑا۔

"اسے کچھ نہیں کہتے جو مجھ سے ایسے احمقانہ سوال کر رہا ہے۔" یاسمن نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "کیا اس کی روشن ضمیری لیمی کے معاملے میں سو گئی ہے۔ میں کیا جانوں وہ کہاں ہوگا۔"

"بہت حاضر جواب ہو۔ میں خوش ہوا۔" سنگ بولا۔ "سچ مچ سوال احمقانہ تھا لیکن میں تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہوں۔ آؤ.... میرے قریب آؤ۔"

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے۔" یاسمن نے چچا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"چپ رہو! بدتہذیبی کا مظاہرہ مناسب نہیں۔ یہ دنیا کے بہت بڑے آدمی ہیں۔"

"آدمی۔؟" یاسمن پھر ہنس پڑی۔ "یا دو ٹانگوں والی بام مچھلی۔"

"میں کہتا ہوں خاموش رہو۔" جواد آپے سے باہر ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت بائیں جانب والا دروازہ کھلا اور کئی مسلح آدمی اندر گھس آئے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔

لیمی رولاں پیش پیش تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ خالی تھے۔

جنرل نے سنگ کو للکارا۔ "بریف کیس فرش پر ڈال دو۔"

سنگ نے چپ چاپ تعمیل کی۔ لیکن وہ صرف لیمی رولاں کو گھورے جا رہا تھا۔ نہ اپنی طرف اٹھی ہوئی اسٹین گنوں سے متاثر نظر آتا تھا اور نہ اس اچانک بدلتے ہوئے نقشے سے.... ایک مسلح آدمی نے جنرل کے اشارے پر بریف کیس اٹھا لیا تھا۔

"لیمی کے بارے میں غلط تو نہیں کہا تھا میں نے گندی بام مچھلی...." یاسمن پھر ہنس پڑی۔

"جواد حیدر اپنے ہاتھ ہتھکڑیوں کے لئے پیش کرو۔ کھیل ختم ہو گیا۔" جنرل غرایا۔ "اور تم بھی۔" اشارہ سنگ کی طرف تھا۔

سنگ نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ لیکن اس کی نظر اب بھی لیمی ہی پر تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر اُسے گھورے جا رہا تھا۔ اچانک اس دروازے کی طرف سے وحشیانہ قہقہہ سنائی دیا جو ماریانا کی خواب گاہ کی جانب تھا۔ ماریانا کھڑی بے تحاشہ ہنس رہی تھی اور پھر اس وقت تو قہقہے اور زیادہ بلند آہنگ ہو گئے تھے جب سنگ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی جا رہی تھیں۔ "دیکھا" وہ یک بیک ہنسی روک کر بولی۔ "میں جانتی تھی۔ کہ لیمی رولاں اس راستے سے واقف ہو گیا ہے جس سے تو اچانک آ جایا کرتا تھا۔"

"تو اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے۔ گندی کتیا۔" سنگ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

جواد حیدر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ جیسے ہی اس کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں پڑیں چکرا کر گرا اور بیہوش ہو گیا۔

سنگ لیمی رولاں سے کہہ رہا تھا۔ "میں فی الحال تم سے پیچھا چھڑانے کے لئے گرفتار ہو رہا ہوں اُسے ہمیشہ یاد رکھنا...."

عمران خاموش کھڑا رہا۔ اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔

یاسمن کے چہرے پر اب ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ دیدہ و دانستہ اپنے چچا کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی تھی۔ عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کر لیا اور آہستہ سے بولا۔ "تم اپنے ملک کی عظیم ترین خاتون ہو۔"

اچانک یاسمن نے اُس کے شانے پر سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"لڑکی خاموش رہو۔" جنرل غرایا۔

"جنرل.....! پلیز۔" عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"اسے یہاں سے ہٹا لے جاؤ۔" جنرل نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔

"نہیں۔! یہ میرے ساتھ رہے گی۔" یک بیک عمران کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"اسی کی مدد سے میں تمہارے ملک کو ایک بڑے نقصان سے بچا سکا ہوں اور میں اس عظیم لڑکی کو سلام کرتا ہوں۔"

جنرل کا منہ حیرت سے کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بیہوش جواد حیدر سے متعلق کچھ ہدایات دیں اور وہاں سے روانگی کی تیاری کرنے لگا۔

"واپسی اُدھر ہی سے ہوگی جدھر سے آئے تھے۔" عمران بولا۔

"کیوں؟" جنرل چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"عمارت کے سامنے اس کے آدمی سڑک تک بکھرے ہوئے ہیں۔"

عمران نے اس کی طرف توجہ دیئے بغیر جنرل سے کہا۔ "اس کے ہاتھوں میں پڑی ہوئی ہتھکڑیوں پر اعتماد نہ کیجئے گا.... ذرا ہوشیاری سے۔"

"یہ میرے محکمے کی ہتھکڑیاں ہیں۔" جنرل کے لہجے میں سختی تھی۔ "ہر معاملے میں دخل اندازی مت کرو۔"

اس پر سنگ عمران کو آنکھ مار کر مسکرایا۔ عمران نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور یاسمن کا بازو پکڑ کر اُسے دروازے کی طرف لے چلا جہاں ماریانا کھڑی تھی۔ اُس نے آہستہ سے کچھ کہا تھا اور ماریانا اُسے اپنے ساتھ لئے ہوئے دروازے سے گذر گئی تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟ لڑکی بھی ساتھ ہی جائے گی۔" جنرل نے کہا۔

"نہیں۔ وہ اپنے سینے پر کوئی تمغہ نہیں سجانا چاہتی۔ اس کارنامے کو اپنی ہی کارکردگی تک محدود رکھئے۔" عمران کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اُس کی اس وطن دوستی کی پبلسٹی نہیں کی جائے گی اور یہ میں نے اس اعتماد کی بنا پر کیا تھا کہ آپ مجھ سے متفق ہو جائینگے۔"

جنرل نے تفکر آمیز انداز میں سر کو تفہیمی جنبش دی اور اپنے آدمیوں کو قیدیوں سمیت روانگی کا حکم دیا۔ پھر یک بیک انہیں رُکنے کا اشارہ کر کے عمران کے قریب آیا اور آہستہ سے بولا۔ "تو اب تم سے ملاقات نہیں ہو سکے گی۔"

"میرا کام ختم ہو گیا جنرل، مجھے صرف اس سازش کی جڑوں کا پتا لگانا تھا جس کے تحت میرے اور آپ کے ملک کے تعلقات خراب ہو سکتے تھے۔ جواد حیدر ثبوت سمیت آپ کے قبضے میں ہے، رہا سنگ کا معاملہ تو وہ ایک عالمی مسئلہ ہے۔ اگر میں کہوں کہ آپ اُسے میرے حوالے کر دیں تو۔"

"یہ ناممکن ہے کیونکہ یہ ہماری مملکت میں پکڑا گیا ہے۔"

"میں جانتا تھا کہ آپ کا یہی جواب ہوگا لہذا میں اپنی حکومت کی طرف سے کوئی ایسی درخواست نہیں کر سکتا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ ایک دن بھی اُسے اپنی قید میں نہ رکھ سکیں گے۔" دونوں گفتگو میں محو تھے کہ اچانک انہوں نے کئی حیرت زدہ سی آوازیں سنیں۔ چونک کر پلٹے تو سنگ غائب تھا اور جنرل کے آدمی بائیں جانب والے دروازے پر پلے پڑ رہے تھے۔ ہتھکڑیوں کا جوڑا بیہوش جواد حیدر کے قریب پڑا انہیں منہ چڑا رہا تھا۔ "ہٹو ایک طرف!"

ران نے کہتے ہوئے دروازے میں چھلانگ لگائی۔

* * *

اس پوشیدہ سرنگ کے دہانے کے قریب پہنچ کر عمران رک گیا جس کا علم تلگاوا کو بھی نہیں ا۔ شائد یہ سنگ کے مخصوص کارپردازوں کی محنت کا نتیجہ تھی۔ عمارت کی پشت پر بکھری ہوئی ہانوں کے درمیان اس کا دہانہ عمران کو اتفاقاً مل گیا تھا۔ ایک رات تلگاوا کی تجربہ گاہ کے آس پاس ے چھپنے کے لئے کسی معقول سی جگہ کی تلاش میں بھٹکتا پھر رہا تھا کہ یہ جگہ دریافت ہو گئی تھی۔ ے وہ قدرتی غار کا دہانہ سمجھا تھا لیکن یہ راستہ اُسے عمارت کے ایک اندرونی حصے تک لے گیا۔

بہر حال سنگ اس وقت اسی راستے سے فرار ہوا تھا اور یہاں ان چٹانوں میں اسے اس وقت اک پوری بٹالین بھی تلاش کر لینے میں ناکام رہتی کیونکہ مطلع ابر آلود ہونے کی بنا پر تاروں کی چھاؤں تک میسر نہیں تھی۔ جنرل اور اس کے تین آدمی عمران کے پیچھے کھڑے تھے۔ دو آدمیوں کو وہ بیہوش جواد حیدر کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ بریف کیس اس کے ہاتھ میں تھا۔

"یہ کیسے ہوا تھا کرنل فہیم؟" دفعتہً جنرل نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے کسی آدمی کو مخاطب کیا۔

"کچھ پتا ہی نہیں چل سکا۔ میں نے ہتھکڑیوں کے فرش پر گرنے کی آواز سنی تھی جتنی دیر لمہ ہم سنبھلتے وہ نکل چکا تھا۔ بس ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اُڑتا ہوا دروازے سے گذر گیا ہو۔"

"یہ بہت بُرا ہوا بہت بُرا۔" جنرل عمران کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"اُوں.... ہاں۔" عمران چونک پڑا۔ "لیکن اب خود کو بچائے رکھنے کی کوشش میں وہ دوبارہ ای طرف ہلہ بول سکتا ہے۔ اس کے متعدد مسلح آدمی عمارت کے سامنے موجود ہیں۔ خدایا! کہیں ا دروازہ نہ توڑ دیں.... وہ عورتیں۔"

عمران تیزی سے پلٹا اور سرنگ میں دوڑتا چلا گیا۔ وہ پلٹا ہی تھا کہ مخالف سمت سے کئی فائر ہوئے۔ جنرل دو آدمیوں کو سرنگ کے دہانے پر چھوڑ کر ایک آدمی کے ساتھ عمران کے پیچھے چل پڑا تھا۔ عمران نے جیسے ہی عمارت میں قدم رکھا آنچ سی محسوس کی۔ "اوہ! میرے خدا۔" وہ مڑ کر جنرل سے بولا۔ "شائد انہوں نے عمارت میں آگ لگا دی۔"

چ مچ یہاں چاروں طرف شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس نے عورتوں کی چیخیں سنیں اور بے تحاشا ماریانا کی خوابگاہ کی طرف جھپٹا۔ پٹرول کی بُو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری طرف جنرل کے آدمی جواد حیدر کو تجربہ گاہ سے نکال لے جانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اسی ہنگامے کے دوران میں فائروں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ عمران ان سب سے بے پروا ماریانا کی خوابگاہ میں جا گھسا۔ یاسمن دہشت کے مارے بے ہوش ہو چکی تھی۔ اُس نے اسے اٹھا کر کاندھے

پر ڈالا۔ اور ماریانا کا ہاتھ پکڑ کر پوشیدہ راستے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اب اسے نہ جنزل کی فکر تھی اور نہ جواد حیدر کی۔ وہ ان دونوں کو ہر حال میں بچالے جانا چاہتا تھا۔ سرنگ سے گذرتے وقت اس نے عقب میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنی اور ایک طرف ہٹ کر داہنے ہاتھ سے ریوالور نکال لیا۔ دوڑنے والے اُن کے قریب سے گذر گئے۔ ماریانا دم بخود تھی اور یاسمن عمران کے کاندھے پر بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ وہ پھر سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھنے لگے اور وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کچھ دیر پہلے آنے والے جنزل اور اس کے بقیہ ساتھی تھے۔

"جواد حیدر کا جسم انہوں نے چھلنی کر دیا۔ میرا بھی ایک آدمی مارا گیا۔" جنزل کہہ رہا تھا۔ "ان کی تعداد زیادہ ہے۔ اب شائد وہ ادھر بھی آ نکلیں۔"

"میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کے ساتھ صرف یہی پانچ آدمی ہونگے۔" عمران خشک لہجے میں بولا۔ "مجھے تو کسی طرح ان دونوں کا تحفظ کرنا ہے۔ اس طرف سے فائرنگ بند ہو گئی۔ لہذا اب نکلنا چاہیئے۔" اس نے ایک پتھر کو ٹھوکر لگائی اور وہ کچھ دور پھسلنے کے بعد جیسے ہی نشیب میں لڑھکنے لگا.... دوسری طرف سے پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔ ٹھیک اسی وقت سرنگ کے اندرونی دہانے کی طرف دھماکہ ہوا تھا اور ان پر دھوئیں اور تپش کی یلغار ہو گئی تھی۔

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔" عمران دہانے سے باہر نکلتا ہوا بولا۔ "میں یہاں کے چپے چپے سے واقف ہوں۔"

باہر سے اب بھی فائر ہو رہے تھے۔ عمران آوازوں کی سمت کا تعین کر کے ایک طرف بڑھنے لگا تھا۔

* * *

صبح ہوتے ہوتے عمران اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا۔ ماریانا اور یاسمن اس کے ساتھ تھیں۔ یاسمن کو اب ہوش آچکا تھا لیکن وہ بالکل خاموش تھی۔ عمران نے اُسے ابھی تک نہیں بتایا تھا کہ جواد حیدر ہمدرد ہی کے ہاتھوں مارا گیا۔

"اس کا کیا ہوا.... وہ کہاں ہے۔" ماریانا نے سنگ سے متعلق پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بھی وہیں جل کر بھسم ہو گیا۔" عمران نے کہا لیکن اُسے یقین نہیں تھا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔ بہر حال کسی طرح اُسے بھی مطمئن کرنا ہی تھا۔ وہ جو سنگ کے خون کی پیاسی تھی۔ یاسمن ایک ٹک عمران کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور وہ اس سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔ "میں گھر جانا چاہتی ہوں۔"

"ضرور۔ ضرور۔ میں ابھی پہنچا دوں گا۔"

"میں تنہا جاؤں گی۔ ہوش و حواس میں ہوں پچھلی رات میں اور چچا ایک پوشیدہ راستے سے ل سے باہر نکلے تھے۔ میرے گھر والے سمجھ رہے ہوں گے کہ میں محل ہی میں ہوں گی۔"

"اوہ۔ تب تو ٹھیک ہے۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماریانا نے اس سے پوچھا تھا۔ "میں چلوں تمہارے ساتھ۔"

"نہیں شکریہ!"

دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رکی۔ مڑ کر عمران کی طرف دیکھا۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ من کی آنکھوں سے دو قطرے ڈھلکے تھے اور وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ عمران سر جھکائے کڑا رہا۔ ماریانا اُسے حیرت سے دیکھے جا رہی تھی۔

اسی سہ پہر کو سفید چٹان والی پہاڑی کے قریب مختلف سمتوں سے دو جیپیں آکر رکی تھیں۔ ایک جیپ سے عمران اترا تھا اور دوسری جیپ سے جنزل۔

"تجربہ گاہ کے ملبے سے چار لاشیں برآمد ہوئی ہیں لیکن ایسی حالت میں کہ شناخت کرنا ممکن ہیں۔" جنزل اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "ہو سکتا ہے سنگ بھی...."

"اس وہم کو دل سے نکال دیجئے وہ چوہوں کی طرح نہیں مر سکتا۔" عمران نے طویل سانس لے کر کہا "لیکن وہ عورت ماریانا اس کے بعض ساتھیوں کی نشاندہی کر سکے گی۔ وہ بحیثیت انسان اچھے برتاؤ کی مستحق ہے۔ سختی کئے بغیر اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کیجئے گا اور میری صوصی درخواست یاسمن کے سلسلے میں ہے۔"

"بتاؤ۔! اس کے سلسلے میں کیا چاہتے ہو...؟"

"آپ کی رپورٹ میں اس کا نام نہ آنے پائے۔ جواد حیدر اُسے بہت چاہتا تھا۔ اس کے باوجود انے ملک قوم کے سلسلے میں اپنا فرض ادا کیا۔ اگر وہ میرے لئے ان دونوں کی گفتگو ٹیپ نہ کرتی ہی تو میں اس فائیل والی سازش سے کبھی آگاہ نہ ہو پاتا اور وہ فائیل ایک دشمن ملک کے ہاتھ لگتا۔"

"تم مطمئن رہو۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔ یہی نہیں بلکہ دوسرے طریقوں سے ان کو ملک میں اس کا صحیح مقام دلانے کی کوشش کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ! اچھا خدا حافظ۔" عمران نے پھر مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں ہیلی کوپٹر کی آواز سن رہا ہوں اور ہاں! کبھی نہ کبھی آپ کی یہ خواہش بھی پوری کر دوں اگر آپ میری اصل شکل دیکھ سکیں۔"

ختم شد

عمران سیریز نمبر 67

تصویر کی موت

(مکمل ناول)

پیشرس

تصویر کی موت بھی ناممکن ہے اور موت کی تصویر بھی نہیں کھینچی جاسکتی لیکن جس طرح بہتیرے مصور موت کی تصویر کشی کی کوشش کر چکے ہیں اسی طرح میں نے بھی تصویر کی موت پیش کرنے کی کوشش کر ڈالی ہے۔

بہتیرے دوستوں کی خواہش تھی کہ کسی کہانی میں پھر باپ بیٹے کا سامنا ہو جائے لہٰذا عمران کے ساتھ رحمان صاحب سے بھی ملئے۔ سلیمان اور جوزف کی جھلکیاں بھی نظر آئیں گی۔ بعض کہانیوں کا پھیلاؤ عمران کی پوری ٹیم کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

دیگر احوال یہ ہیں کہ خواہ آپ کتنے ہی بور کیوں نہ ہوں کاغذ کی بات ضرور کروں گا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے پہلے اس کتاب میں بتیس روپے رم کاغذ لگتا تھا اور اب ۴۰×۳۰ سائز کے ایک رم کاغذ کی قیمت ۱۰۰ اروپے سے بھی زیادہ ہے اس کے باوجود کتاب کی قیمت میں اضافہ نہیں کر رہا۔ میری اس "قومی خدمت" کو یاد رکھئے گا اور آئندہ انتخابات کے موقع پر مجھے زیادہ سے زیادہ ووٹ دے کر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

مزید خدمت کے مواقع فراہم کیجئے گا۔ کیونکہ میرے سیاست میں آئے بغیر کاغذ سستا نہیں ہو سکتا اگر آپ نے مجھ پر یہ نوازش نہ فرمائی تو پھر مٹکا بجانے کی مشق بہم پہنچاؤں گا۔ یہ بھی ہماری ثقافت کا اہم جزو ہے۔ بج سکا تو واہ واہ—نہ بج سکا تو کم از کم ٹھنڈا پانی ہی مہیا کرتا رہے گا۔ مٹکا پھر مٹکا ہے (اس کا چکنے گھڑے سے کوئی تعلق نہیں)۔

بہتیرے دوست مجھے اپنے مسائل لکھ کر بھیجتے ہیں اور حل بھی طلب کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ جو شخص اپنے ہی مسائل حل نہ کرپاتا ہو وہ کسی دوسرے کی رہنمائی کیا کر سکے گا۔ ایک صاحب کو یہی لکھ بھیجا تھا ناراض ہو کر جواب الجواب پر اتر آئے اور یہ سوال ٹھونک بھیجا کہ آپ کیسے دانشور ہیں کہ میری اتنی ذرا سی مشکل کا حل آپ کے پاس نہیں۔

لاحول ولا قوۃ—کیا میری شکل ایسی ہی ہے کہ آپ مجھے دانشور کہہ بیٹھیں بھائی! کسی "دانشور" سے رجوع فرمائیے۔ "دانشور" تو مسائل پر مسائل کھڑا کرتا چلا جاتا ہے کہ دانشوری ذہنی بٹیر بازی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ بہتر صورت یہ ہوگی کہ آپ خود ہی اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کیجئے۔ نہ حل ہو سکیں تو انہیں ایک طرف رکھ کر مٹکا بجائیے، بجاتے رہیے۔ بجاتے رہیے۔ یا تو اس دوران میں آپ کو حل نصیب ہو جائے گا۔ یا پھر— آپ مٹکا ہی بجاتے رہ جائیں گے۔ دونوں ہی صورتیں عافیت کی ہیں۔

والسلام

ابن صفی

۳۰/اپریل ۱۹۷۳ء

* * *

جزیرہ موبار کے مشرقی ساحل پر وہ بڑی سی دُخانی کشتی کئی دن سے لنگر انداز تھی۔ ایک معمولی سی دخانی کشتی.... ایسی لاتعداد کشتیاں مُوبار کے دوسرے ساحلوں پر لنگر انداز ہی ہوں گی .... لیکن اس کشتی کی طرف توجہ مبذول کرانے والا وہ بھاری بھر کم اور خوف ناک کتا تھا جو ہر وقت عرشے پر بیٹھا اپنی لال لال زبان نکالے ہانپتا رہتا تھا۔ اگر کوئی بحری پرندہ بھی اس کشتی کے قریب سے پرواز کرتا تو وہ یک لخت اپنی زبان جبڑوں میں سمیٹ کر اس طرح غرانے لگتا جیسے اس نے اس کی توہین کی ہو۔

ان اطراف میں فی الوقت یہی ایک کشتی لنگر انداز تھی۔ یوں بھی مشرقی ساحل زیادہ تر ویران ہی رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ حصہ آبادی سے دور تھا اور اس طرف ماہی گیری بھی نہیں ہوتی تھی لیکن یہ کوئی غیر ممنوعہ علاقہ تو تھا نہیں کہ اس کشتی کو مقامی لوگ شبہے کی نظر سے دیکھتے۔ اکثر تنہائی پسند سیاح بھی اپنی کشتیاں اسی ساحل سے لگادیا کرتے تھے۔

اس کشتی پر اس خوف ناک کتے کے علاوہ تین آدمی بھی تھے۔ ان میں سے جب بھی کوئی کتے کے قریب سے گزرتا تو اسے بھی اس کی غراہٹ سننی پڑتی اور وہ آواز دے کر گویا اس کی اور اپنی شناسائی کے حوالے سے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور سمندر کی طرف سے چلنے والی نم آلود نمکین ہوائیں اپنے ساتھ کسی لانچ کے انجن کی آواز بھی منتشر کر رہی تھیں۔

دیکھتے، دیکھتے ایک چھوٹی سی لانچ دُخانی کشتی کے قریب آکر رکی اور اس پر سے ایک آدمی دخانی کشتی پر جا چڑھا۔

کتے کی غراہٹ پھر سنائی دی تھی۔ لیکن ان تینوں میں سے کسی نے اُسے آواز دے کر چپ کرادیا تھا۔

لانچ سے اترنے والا دخانی کشتی کے کیبن میں داخل ہوا۔ یہ ایک سفید فام غیر ملکی تھا۔

کشتی کے تینوں آدمی معمولی خادموں کے سے انداز میں ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑے نظر آئے۔ یہ تینوں دیسی ہی تھے لیکن روانی سے انگریزی بول سکتے تھے۔

”سب سامان تیار ہے....؟“ غیر ملکی نے سوال کیا۔

”یس باس....!“ ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تم کچھ سُست نظر آرہے ہو....!“ غیر ملکی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”نہیں تو باس.... میں بالکل ٹھیک ہوں۔!“

”آس پاس کوئی اجنبی تو نہیں دکھائی دیا تھا۔!“

”نہیں باس....!“

”ٹھیک ہے.... گوشت لاؤ۔!“

وہ آدمی کیبن کے کسی گوشے سے ایک بڑا سا طشت اٹھا لایا جس میں کچے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔

غیر ملکی نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک چپٹی سی شیشی نکالی، جو سرخ رنگ کے کسی سیال سے لبریز تھی۔

شیشی کا ڈھکنا الگ کر کے اس نے سارا سیال گوشت کے طشت میں الٹ دیا۔ پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے گوشت کے ٹکڑوں کو مسلنا شروع کر دیا۔

”کتے کو لاؤ....!“ غیر ملکی نے دوسرے آدمی سے کہا اور تیسرے سے بولا۔ ”تم لنگر اٹھا دو اور کشتی کو بلیک پوائنٹ کی طرف لے چلو....!“

اس دوران میں کتے کی ہلکی ہلکی غراہٹ مسلسل سنائی دیتی رہی تھی۔

”اب تم ہاتھ صاف کر کے اسکرین لگا دو....!“ غیر ملکی نے اس آدمی سے کہا جو گوشت کے ٹکڑوں کو مسل رہا تھا۔

کتا اندر لایا گیا.... وہ اب بھی غرائے جا رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس کی نظر گوشت کے طشت پر پڑی غراہٹ کا سلسلہ یک لخت ختم ہو گیا۔ پھر وہ گوشت کے ٹکڑوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔

غیر ملکی اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا جو سامنے والی دیوار پر سفید سکرین فکس کر رہا تھا۔

کتا بڑے انہماک سے گوشت چٹ کرتا رہا۔

”اب تم پروجیکٹر پر ریل چڑھا دو....!“ غیر ملکی نے اس آدمی سے کہا جو کتے کو کیبن میں لایا تھا۔

اتنے میں کشتی بھی حرکت میں آئی وہ ساحل چھوڑ رہی تھی اور اب اس کا رخ شمال کی طرف ہو گیا تھا۔

سامنے والی دیوار پر سکرین فکس ہو جانے کے بعد غیر ملکی اس آدمی کی طرف مڑا جو پروجیکٹر پر فلم کی ریل چڑھا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کیبن میں بیٹھ کر کوئی فلم دیکھیں گے۔

کتے نے جلد ہی گوشت کے ٹکڑوں کا صفایا کر دیا۔ اس کی غراہٹ قطعی طور پر معدوم ہو چکی تھی۔

”اب فلم چلاؤ۔!“ غیر ملکی نے کتے کو پُر تفکر نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

کیبن میں اندھیرا ہو گیا اور پروجیکٹر کی روشنی اسکرین پر پڑنے لگی۔ یہ جزیرہ موبار کا لانگ شارٹ تھا اور آہستہ آہستہ بلیک پوائنٹ نامی ساحل قریب آتا جا رہا تھا۔

اب بلیک پوائنٹ سے بستی کی طرف جانے والی سڑک کا منظر تھا۔ پھر سڑک سے کیمرہ ایک گلی میں مڑ گیا۔ دو رویہ عمارات کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک بڑی سی عمارت کا کلوز اَپ قریباً ایک منٹ تک اسکرین پر رہا تھا پھر ایک آدمی کی غیر متحرک تصویر کا کلوز اَپ اتنی ہی دیر تک نظر آتا رہا اس کے بعد فلم ختم ہو گئی مزید تین بار یہی فلم دکھائی گئی تھی پھر کیبن میں روشنی ہوتے ہی کشتی بھی بلیک پوائنٹ نامی ساحل سے جا لگی۔

کتا بالکل خاموش تھا۔ اس دوران میں ہلکی سی غراہٹ بھی نہیں سنی گئی تھی بلیک پوائنٹ کا یہ حصہ جہاں کشتی لنگر انداز ہوئی تھی بالکل تاریک تھا اور آس پاس کوئی دوسری کشتی بھی موجود نہیں تھی۔

غیر ملکی نے کتے کا پٹا پکڑ کر اٹھایا۔ وہ خاموشی سے اٹھ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کبھی کسی پر غرایا ہی نہ ہو۔ پٹا پکڑے ہوئے وہ اسے عرشے پر لایا اور ”گو“ کہہ کر پٹا چھوڑ دیا۔ کتے نے کشتی سے خشکی پر چھلانگ لگا دی اور اندھیرے میں دوڑتا چلا گیا۔

◆

دوسری صبح پورے جزیرے میں سنسنی پھیل گئی تھی اور راجرس اسٹریٹ میں تو کوئی قدم ہی نہیں رکھ سکتا تھا۔ پولیس نے چاروں طرف سے اس کی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ خصوصیت سے بروجن لاج کے سامنے پورے جزیرے میں پائی جانے والی پولیس کی گاڑیاں موجود تھیں۔

بروجن لاج میں پچھلی رات ایک غیر ملکی سفیر کا مہمان پروفیسر میکس مار ڈالا گیا تھا۔

اس کے ساتھ اس عمارت میں اس کی بیٹی روزا میکس بھی مقیم تھی دونوں حال ہی میں بغرض سیاحت یہاں آئے تھے اور غیر ملکی سفیر نے ان کے قیام کا انتظام جزیرہ موبار میں کیا تھا۔

پروفیسر عمارت سے بہت کم نکلتا تھا لیکن روزا میکس ایک سیلانی لڑکی تھی وہ زیادہ تر باہر ہی رہتی۔

پچھلی شام گھر سے باہر نکلتے وقت اس نے پروفیسر کو بخیر و عافیت چھوڑا تھا۔ موبار کے ایک خاندان میں رات کے کھانے پر مدعو تھی۔ بہت تھوڑے عرصے میں اس نے موبار میں کئی دوست بنا لئے تھے۔ ان میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ ان سے یہاں کے رسم و رواج سے متعلق معلومات حاصل کر کے اپنی ڈائری میں یادداشتیں تحریر کرتی رہتی۔

واپسی دس بجے سے پہلے نہ ہو سکی۔ عمارت میں سناٹا تھا۔

پروفیسر میکس آٹھ بجے تک کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ملازمین کو چھٹی دے دیتا تھا اور وہ اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ روزا کو پھاٹک کھلا ہوا ملا تھا اور اس کی دانست میں پروفیسر نے صدر دروازہ بھی کھلا ہی رہنے دیا تھا۔

اس سے قبل بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ وہ آٹھ بجے کے بعد گھر واپس ہوتی تھی اور اس نے ہمیشہ دروازہ کھلا ہوا پایا تھا۔

بہر حال پچھلی شب کچھ بھی معمول سے ہٹ کر محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے کمپاؤنڈ کا پھاٹک بند کیا تھا اور پھر عمارت میں داخل ہو کر صدر دروازہ بھی مقفل کیا تھا اور اپنے بیڈ روم کی طرف چل پڑی تھی۔ پھر جب وہ پروفیسر کی خواب گاہ کے قریب پہنچی تو وہ جانکاہ منظر دیکھا پروفیسر فرش پر چت پڑا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف خون ہی خون تھا۔

ٹھوڑی کے نیچے نرخرہ گردن سے باہر نکلا پڑا تھا۔

مقامی پولیس کو وہ اپنا بیان دے چکی تھی اور اسے قریب ہی کی ایک دوسری عمارت میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

پروفیسر کی لاش جہاں تھی وہیں پڑی رہی۔ مرکزی محکمہ سراغ رسانی کے بعض شعبوں کے ماہرین ابھی تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔ یہ کیس ایک غیر ملکی سفارت خانے سے تعلق رکھتا تھا اس لئے مختلف قسم کی کاروائیوں میں بہت زیادہ احتیاط برتی جا رہی تھی۔

روزا کو پڑوسیوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کا غم بٹانے کی کوشش کرنے لگے لیکن وہ مغموم تو نہیں معلوم ہوتی تھی۔

پھر کسی کی زبان سے نکل ہی گیا تھا۔ "بڑے دل گردے کی لڑکی ہے۔ باپ اس طرح مارا گیا اور اس کی پیشانی پر شکن تک نہیں۔!" غالباً اس کے اسی رویئے کی بناء پر کیپٹن فیاض ان لوگوں تک جا پہنچا تھا جن کے یہاں اس نے پچھلی رات کھانا کھایا تھا۔

"وہ چھ بجے شام سے پونے دس بجے رات تک ہمارے ساتھ رہی تھی۔" صاحب خانہ نے فیاض کو بتایا۔

"اس کے رویئے میں کوئی خاص بات آپ لوگوں نے محسوس کی تھی۔!" فیاض نے سوال کیا۔

"جی نہیں.... قطعی نہیں.... وہ معمول کے مطابق خوش و خرم تھی....!" جواب ملا۔

بہر حال لڑکی کے بارے میں پوچھ گچھ کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ ایک خاصی سوشل قسم کی لڑکی تھی۔

فیاض نے فی الحال لڑکی سے براہِ راست کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ متعلقہ سفارت خانے کے ذمہ دار لوگ نہیں چاہتے کہ لڑکی سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کی جائے۔

شام تک اُسے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ مل گئی جس کے مطابق پروفیسر کی موت آٹھ اور دس بجے کے درمیان واقع ہوئی تھی اور وہ کسی درندے کا شکار ہوا تھا۔ درندے نے اس کی گردن دبوچی تھی اور نرخرہ کھینچ لیا تھا۔

فیاض نے ایک بار پھر سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا اور جیسے ہی گفتگو کے دوران میں اُس نے فرسٹ سیکریٹری کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے مطلع کیا دوسری طرف سے عجیب طرح کی گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی۔

"ہیلو....!" فیاض نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "کیا لائن ڈیڈ ہو گئی.... ہیلو.... ہیلو....!"

لیکن دوسری طرف اب سناٹا تھا۔ لائن ڈیڈ نہیں ہوئی تھی اور نہ ریسیور کریڈل پر رکھا گیا تھا۔

فیاض نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور گھر جانے کے لئے اٹھ گیا۔ صبح سے جزیرہ موبار میں جھک مارتا رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا تک نصیب نہیں ہوا تھا۔

گھر کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک جگہ رک کر اس نے انسپکٹر سومرو کو فون کیا تھا اور اسے ہدایت دی تھی کہ وہ جزیرے ہی میں ٹھہر کر لڑکی کی نگرانی کرے۔

لیکن انسپکٹر سومرو نے بتایا کہ سفارت خانے والے لڑکی کو وہاں سے لے گئے۔

"تم بھی واپس آ جاؤ....!" اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس نے ایک ڈرگ اسٹور کا فون استعمال کیا تھا۔ ریسیور رکھ کر وہ واپسی کے لئے مڑا ہی تھا

کہ ایک غیر متوقع ذہنی جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا سامنے عمران کھڑا احمقانہ انداز میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔

"تمہیں قرار نہیں ہے....!" فیاض دانت پیس کر بولا۔

"میں صرف یہ پوچھنے کے لئے رک گیا تھا کہ تم یہ کال اپنے دفتر ہی سے نہیں کر سکتے تھے؟"

"تم سے مطلب....؟ اور تم میرا پیچھا کیوں کر رہے تھے۔!"

"ذرا آہستہ....!" عمران بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"دوکان دار کو یہ نہ معلوم ہونا چاہئے کہ آج کل مردوں کا پیچھا مرد ہی کر رہے ہیں۔!"

"ہٹو سامنے سے....!" فیاض اسے ایک طرف ہٹا کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔

دوکان سے اتر کر جھلاہٹ کے عالم میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اچانک کسی خیال کے تحت پھر رک جانا پڑا۔

عمران آہستہ آہستہ چلتا ہوا قریب آیا۔

"مجھ سے کچھ بھی معلوم نہ کر سکو گے....!" فیاض نے سرد لہجے میں کہا۔

"غالباً تمہارا اشارہ پوسٹ مارٹم رپورٹ کی طرف ہے۔!"

"ظاہر ہے....!"

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جزیرہ موبار میں چیتے اور بھیڑیئے نہیں پائے جاتے۔!"

"کیا مطلب....؟"

"اس لئے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سرے سے بکواس ہے....!"

"ہوں.... تو تمہیں رپورٹ کا علم ہو چکا ہے۔!"

"تم سے پہلے ہی.... اپنے محکمے کی کارکردگی پر ناز کرنے والے آفیسر اُلو کہلاتے ہیں۔!"

"بدتمیزی نہیں۔!"

"اوہو.... کیا عنقریب ترقی ہونے والی ہے۔!"

"بور مت کرو.... دن بھر تھکنے کے بعد گھر واپس جا رہا ہوں اور میں دیکھوں گا تمہیں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا علم کیوں کر ہوا۔!"

"گھر پہنچتے ہی تمہیں پھر بھاگنا پڑے گا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ رات کا کھانا میرے ساتھ کسی ہوٹل میں کھا لو....!"

"کیا مطلب....؟"

"یار فیاض تم آخر ہر بات کا مطلب کیوں پوچھنے لگتے ہو جبکہ مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔!"

"جہنم میں جاؤ....!" فیاض نے کہا اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد عقب نما آئینے پر نظر ڈالی.... پیچھے بے شمار گاڑیاں تھیں۔

"اونہہ....!" فیاض نے بُرا سامنہ بنا کر سر کو جنبش دی اور گھر کی جانب رواں دواں رہا۔

ویسے وہ الجھن میں ضرور پڑ گیا تھا کیونکہ عمران کی پیش گوئیاں کبھی غلط ثابت نہیں ہوئیں تھیں۔ اس نے اس وقت یہی تو کہا تھا کہ گھر پہنچ کر تمہیں پھر بھاگنا پڑے گا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے متعلق اُسے سفارت خانے ہی سے معلوم ہوا ہوگا۔ خود اس کے محکمے سے کسی قسم کی معلومات حاصل کرنا آسان کام نہیں۔

گھر پہنچ کر عمران کے قول کی تصدیق ہو گئی جب یہ معلوم ہوا کہ کوئی اہم اطلاع آئی تھی لیکن فیاض کی عدم موجودگی کی بناء پر فون کے نمبر بتا کر ہدایت کر دی گئی تھی کہ جیسے ہی وہ گھر پہنچے اس نمبر پر رنگ کرے۔

اور یہ نمبر اسی محکمے کے ایک ڈائریکٹر کے تھے۔

اس نے میز پر کھانا لگانے کو کہا تھا۔ کھانے سے پہلے ڈائریکٹر کو فون نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کھانا کھاتے وقت ایک بار پھر عمران پر شدت سے غصہ آیا۔ اگر مردود کے پاس کوئی اہم اطلاع تھی تو اُسے سسپنس میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

جیسے تیسے کھانا ختم کر کے اُس نے فون پر ڈائریکٹر کے نمبر ڈائیل کئے۔ ڈائریکٹر موجود نہیں تھا البتہ فون پر ہی اسے اُس کا ریکارڈ کیا ہوا پیغام سنا دیا گیا جس کے مطابق سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری کو بھی کچھ دیر قبل اسی طرح ہلاک کر دیا گیا تھا جس طرح پچھلی رات جزیرہ موبار میں پروفیسر ہاورڈ میکس مارا گیا تھا پیغام کے آخر میں کہا گیا تھا کہ کیپٹن فیاض فرسٹ سیکرٹری کی رہائش گاہ پر پہنچ جائے۔ ریسیور کریڈل پر پٹخ کر فیاض نے بُرا سامنہ بنایا تھا۔

فرسٹ سیکرٹری کی لاش دیکھ کر پروفیسر میکس کی لاش کیوں نہ یاد آ جاتی جب کہ اس کا نرخرہ بھی گردن سے باہر نکلا پڑا تھا۔

دفعتاً فیاض چونک پڑا۔ ٹھیک اسی وقت اس کے شعبے کے ڈائریکٹر نے بھی اُسی چیز کی طرف توجہ دلائی جسے فیاض دیکھ کر چونکا تھا۔

"شائد وہ حادثے سے پہلے کسی کو فون کر رہا تھا۔!"

"جی ہاں.... ریسیور میز سے نیچے لٹک رہا تھا۔" فیاض بولا۔ لیکن وہ ڈائریکٹر سے یہ نہ کہہ سکا

کہ شاید فون پر آخری گفتگو اُس نے خود اُسی سے کی تھی اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب اس نے فرسٹ سیکریٹری کو فون پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے متعلق اطلاع دی تھی تو دوسری طرف سے چند گھٹی گھٹی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سن سکا تھا۔

"اور سب سے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ دونوں کیس بڑی مماثلت رکھتے ہیں۔" ڈائریکٹر نے پر تفکر لہجے میں کہا۔

"جی ہاں....!" فیاض نے ایک بار پھر لاش کو غور سے دیکھتے ہوئے سر کو جنبش دی۔

"تم نہیں سمجھے....!"

"جی....؟" فیاض ہمہ تن گوش ہو گیا۔

یہ بھی آٹھ بجے اس عمارت میں تنہا تھے۔ سات بجکر پینتالیس منٹ پر سارے گھریلو ملازموں کو چھٹی دے دی تھی۔

وہ دونوں لاش والے کمرے سے باہر آ گئے۔ اُس وقت فنگر پرنٹ سیکشن کا عملہ وہاں مصروف کار تھا۔

"پروفیسر کی لڑکی کہاں ہے....؟" فیاض نے پوچھا۔

"شاید سفیر کی قیام گاہ پر۔!"

"اس سلسلے میں بھی سفارت خانے والوں کا رویہ مشتبہ ہے۔!"

"کیوں....؟"

"وہ لوگ نہیں چاہتے کہ اس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کی جائے۔!"

"تو پھر تم نے اس سلسلے میں کیا کیا....؟"

"کچھ بھی نہیں جناب....وہ میری پہنچ سے باہر ہے۔!"

"قطعی نہیں....میں ابھی دیکھتا ہوں۔!"

"میرا خیال ہے کہ آپ نہیں دیکھ سکیں گے..!" پشت سے آواز آئی۔ دونوں چونک کر مڑے۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔

ڈائریکٹر تو خاموش ہی رہا لیکن فیاض نے ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو۔!"

"بہت دیر سے صبر کر رہا ہوں۔!"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ کس استحقاق کی بناء پر یہاں موجود ہو....؟"

"کیا اس کے لئے ڈائریکٹر جنرل کی اولاد ہونا کافی نہیں ہے۔!"

ڈائریکٹر کے ہونٹوں پر بے اختیار قسم کی مسکراہٹ نمودار ہوتے ہوتے رہ گئی۔ شاید وہ بڑی ٹکل سے سنجیدگی برقرار رکھنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اپنی زبان اس نے ابھی تک روکے رکھی تھی۔

"یہاں سے چلے جاؤ....!" فیاض نے سخت لہجے میں کہا۔

عمران نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک کارڈ نکال کر فیاض کے چہرے کے قریب لے اتے ہوئے کہا۔ "مائی آئیڈنٹٹی سر....!"

فیاض نے کارڈ اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

"کیا ہے....؟ میں بھی دیکھوں....!" ڈائریکٹر بولا اور فیاض نے عمران کو گھورتے ہوئے رڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ڈائریکٹر کارڈ پر نظر دوڑاتا ہوا بولا۔

"اوہ تو.... آپ وزارتِ خارجہ کے نمائندے کی حیثیت سے....!"

"جی ہاں....!" گھر سے اخراج کے بعد سارے معاملات خارجہ ہی خارجہ ہو کر رہ جاتے ں۔" عمران نے بے حد مغموم لہجے میں کہا۔

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں....؟"

"روزامیکس کو فی الحال نظر انداز کر دیا جائے۔!"

"آپ کی اپنی رائے کے مطابق....!"

"جی نہیں.... سر سلطان چاہتے ہیں۔!"

"تمہارے یہ سرپرست عنقریب ریٹائر جائیں گے۔!" فیاض بول پڑا۔

"کیا بکواس ہے....!" ڈائریکٹر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اپنے کام سے کام رکھو....!" پھر وہ نہیں وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

"افسروں کی ڈانٹ کھائے بغیر تمہارا کھانا ہی نہیں ہضم ہوتا....!" عمران ہنس کر بولا۔

"چلے جاؤ....ورنہ سر توڑ دوں گا۔!"

"زیادہ اکڑو گے تو گالیاں بھی کھلا دوں گا۔!"

"تم نے سر سلطان کا پیغام پہنچا دیا اب دفع ہو جاؤ۔!"

"ایک بات کا خیال رکھنا جو پروفیسر کی لاش کے سلسلے میں نظر انداز کر دی گئی تھی۔!"

"کیا مطلب....؟"

"اگر وہ کوئی جانور تھا تو اپنے دو چار بال اس لاش پر ضرور چھوڑ گیا ہو گا۔!"

فیاض نے اُسے غور سے دیکھا تھا اور سر کو تفہیمی جنبش دے کر تیزی سے لاش والے کمرے

کی طرف مڑ گیا تھا۔

* * *

پُر اسرار دخانی کشتی اب فش ہاربر کے ایک الگ تھلگ حصے میں لنگر انداز تھی۔ رات کے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ اس وقت کشتی پر سفید فام غیر ملکی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور غیر ملکی بھی اپنے حلیے سے نہ تو سفید فام ہی معلوم ہوتا تھا اور نہ غیر ملکی۔ اس نے گھیر دار شلوار پہن رکھی تھی لمبی سی قمیض اور اونی ٹوپی میں شمال مغربی علاقے کا کوئی باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ چہرے کی رنگت بھی اصل کے مقابلے میں کچھ دبی دبی سی لگتی تھی۔ وہ کشتی کے عرشے پر کھڑا اس طرف اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے کسی کا منتظر ہو کبھی کبھی ریڈیم ڈائیل والی رسٹ واچ پر بھی نظر ڈالتا۔

ٹھیک پونے نو بجے ایک کتے نے خشکی سے کشتی پر چھلانگ لگائی اور غیر ملکی اوہ بوائے.... اوہ بوائے....!" کہتا ہوا اس کی طرف جھپٹا۔ پھر وہ کتے کا پٹا پکڑے ہوئے اُسے کیبن میں لایا تھا۔ کتا پانی کی بالٹی پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اس طرح پانی پی رہا تھا جیسے کئی دن سے پیاسا ہو۔ غیر ملکی نے پروجیکٹر سے فلم کی ریل نکالی اور انجن روم کی طرف چل پڑا۔ بوائلر کی بھٹی کھول کر فلم کو آگ میں جھونکتا ہوا وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔

کیبن میں واپسی پر اس نے کتے کو بالٹی کے قریب بے خبر سوتے ہوئے پایا۔

کپ بورڈ سے ایک بوتل اور گلاس نکال کر وہ وسطی میز کے قریب آ بیٹھا تھا۔ شراب نوشی آدھے گھنٹے تک جاری رہی۔

پھر ایک چھوٹی سی لانچ کشتی کے قریب آ کر رکی اور اس پر سے تین دیسی آدمی کشتی پر منتقل ہوئے۔ جیسے ہی وہ کیبن میں داخل ہوئے غیر ملکی اٹھ گیا۔ وہ تینوں مودبانہ کھڑے رہے۔

"میری روانگی کے بعد یہاں سے لنگر اٹھا دینا۔!" اس نے اُن سے کہا۔

"بہت بہتر جناب....!" ایک نے جواب دیا۔

کشتی کے عرشے پر پہنچ کر وہ لانچ میں اُتر گیا اور فوراً ہی لانچ فراٹے بھرتی ہوئی ایک طرف نکلی چلی گئی۔

وہ تینوں کیبن میں سوئے ہوئے کتے کو بغور دیکھے جا رہے تھے۔ دفعتاً ایک آدمی چونک کر بولا۔ "لنگر اٹھا دو....!"

"اب کہاں جائیں گے....؟" دوسرے نے پوچھا۔

"راشد جانے۔!" تیسرے نے کہا۔

راشد انہیں گھورتا ہوا بولا۔ "اپنے کام سے کام رکھو....!"

"یار خفا کیوں ہوتے ہو۔!"

"نہیں خواہ مخواہ سوال نہ کیا کرو.... جہاں بھی جانا ہو گا تمہیں جانا ہی پڑے گا۔!"

"بڑا جان جوکھم کام ہے۔!"

"کیا مطلب....؟" راشد کی بھنویں تن گئیں۔

"اب میں بچہ بھی نہیں ہوں کہ ان باتوں کا مطلب نہ سمجھ سکوں۔!" اس نے سوئے ہوئے تے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اختر اسے سمجھاؤ....!" راشد نے دوسرے آدمی سے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے کام کرنے پڑیں گے۔!"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو راجو....!" اختر اس کا شانہ جھنجھوڑ کر بولا۔

"میں نے آج کے اخبار میں اس شخص کی تصویر دیکھی تھی جسے کسی درندے نے مار الا.... اور شاید کل صبح پھر کوئی تصویر دیکھوں....!"

"راجو....!" راشد حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر سرد لہجے میں بولا۔ "شاید دٹیاں لگ گئی ہیں۔ وہ دن یاد کرو جب تمہارے بچے فاقے کر رہے تھے اور میں نے تمہاری مدد کی تی۔ اب ہر ماہ تمہارے گھر پانچ سو روپے پہنچ جاتے ہیں۔!"

راجو نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ اختر نے اس کو آنکھ ماری اور وہ نچلا ہونٹ انتوں میں دبائے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"آئندہ میں اس قسم کے حوالے نہیں سننا چاہتا۔" راشد نے کہا اور انجن روم کی طرف چلا گیا۔

"بیوقوفی کی باتوں میں کیا رکھا ہے۔!" اختر آہستہ سے بولا۔ "اب تو پھنس ہی چکے ہیں۔ چلو نگر اٹھاؤ....!"

کچھ دیر بعد کشتی حرکت میں آ گئی۔ اس وقت وہ تینوں ہی انجن روم میں تھے۔ دفعتاً راشد نے ناہی لے کر کہا۔ "میں سونا چاہتا ہوں۔ تم کشتی موبار کی طرف لے چلو....!"

"ہاں.... ہاں جاؤ....!" اختر بولا۔ "شدت سے غصہ آ جائے تو بعد میں تھکن ہی معلوم وتی ہے۔!"

راشد نے اُسے تیز نظروں سے دیکھا تھا لیکن کچھ کہے بغیر انجن روم سے چلا گیا۔

"دروازہ بولٹ کر دو.....!" اختر نے راجو سے کہا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مزید کچھ کہنے کے لئے بے چین ہو۔ اختر دروازہ بولٹ کر کے پھر اس کے پاس لوٹ آیا۔

"تمہارے بھلے ہی کو کہہ رہا تھا۔" اختر بولا۔ "یہ کتا کوئی خبیث روح معلوم ہوتا ہے۔ پچھلی رات تم نے فلم میں جس آدمی کی تصویر دیکھی تھی۔ اُسی کی تصویر آج کے اخبار میں بھی چھپی تھی۔!"

راجو کچھ نہ بولا۔ اختر کہتا رہا۔ "آج بھی شاید یہ کوئی کارنامہ انجام دے کر آیا ہے۔ تبھی تو اس طرح بے ہوش پڑا ہے۔"

"میں کیا بتاؤں.....؟" راجو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اتنا جانتا ہوں کہ اگر دھرے گئے تو پھانسی کے تختے ہی کی سیر کرنی پڑے گی۔"

"میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ بھلا ہم کیا جانیں کہ کتا کیا کرتا پھر رہا ہے۔ ہم تو ایک مال بردار کشتی پر ملازم ہیں اور بس زیادہ سے زیادہ سال دو سال کے لئے جائیں گے۔!"

سوال تو یہ ہے کہ راشد نے ہم سے جھوٹ کیوں بولا تھا۔ ہم تو اسے کسی بڑے سمگلر کا آدمی سمجھ کر اس کے جھانسے میں آگئے تھے لیکن یہ انگریز.....؟ تم نے دیکھا سالے نے کیسا پٹھانوں جیسا بھیس بدل رکھا تھا۔ کتنی روانی سے پشتو بولتا ہے۔!"

دفعتاً اختر چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

ٹھیک اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ راجو نے دروازہ کھول دیا۔ راشد سامنے کھڑا انہیں گھورے جا رہا تھا۔ پھر وہ انجن روم میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"کیوں.....؟ کیا نیند نہیں آئی۔" اختر نے اس کی طرف مڑتے ہوئے پوچھا۔

"نیند.....! راجو نے میری نیند اڑا دی ہے۔!"

"میں معافی چاہتا ہوں راشد بھائی۔" راجو مسمسی سی شکل بنا کر بولا۔

راشد ایک اسٹول پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بھائی تم نے میرا کیا بگاڑا ہے کہ مجھ سے معافی مانگ رہے ہو۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ تم اب یہ ملازمت ترک بھی نہیں کر سکتے۔ اگر باس کو تم پر ہلکا سا شبہ بھی ہو گیا تو تمہاری لاش کا پتہ بھی نہیں چلے گا اور ساتھ ہی ہم دونوں خطرے میں پڑ جائیں گے۔!"

راجو کچھ نہ بولا۔ اختر نے ہنس کر کہا۔ "میں اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ اگر ہم دھرے بھی گئے تو

زیادہ سے زیادہ تین سال کے لئے جائیں گے کیوں کہ ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ مال بردار کشتی پر ملازم ہیں۔!"

"پکڑے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!" راشد پیر پٹخ کر بولا اس کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"چلو مان لیا بابا.....!" اختر نے سر ہلا کر کہا۔ "جاؤ سو جاؤ۔ آدمی کا ذہن ہے ہر طرح کی باتیں سوچ سکتا ہے۔!"

"جتنا جی چاہے سوچتے چلے جاؤ..... لیکن زبان بند ہی رہنی چاہئے۔!" راشد اٹھتا ہوا بولا۔

* * *

عمران نے ابھی تک ناشتے کی میز نہیں چھوڑی تھی۔ خود نہیں کھا رہا تھا بلکہ دوسروں کو کھاتے دیکھ کر اس طرح خوش ہو رہا تھا جیسے ان کا کھایا پیا ہوا اُسی کے پیٹ میں پہنچ رہا ہو اور یہ "دوسرے" جوزف اور سلیمان تھے۔ وہ دونوں ناشتہ کر رہے تھے اور عمران بڑے ادب سے ہاتھ باندھے میز کے قریب کھڑا تھا۔

ان دنوں ہفتے میں ایک باریوں بھی ہوتا تھا..... عمران ناشتہ تیار کرتا دوپہر کا کھانا پکاتا..... شام کی چائے بناتا..... اور..... رات کا کھانا بھی انہیں کھلائے بغیر فلیٹ کے باہر قدم نہ نکالتا۔ اس دن کا نام اُس نے "یومِ خدمت" رکھا تھا۔

جوزف کو اس کی یہ حرکت قطعی پسند نہیں تھی۔ لیکن مجبوری..... عمران گردن پکڑ کر اسے میز کے قریب بٹھا دیتا تھا اور سلیمان تو ٹھہرا ہی حکم کا غلام۔ بڑی سعادت مندی سے میز پر جم جاتا اور نظام سقے کی طرح حکمرانی شروع کر دیتا۔

"دلیا اور.....!" اُس نے دلیے کی قاب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بہت بہتر جناب.....!" عمران جھک کر قاب اٹھاتا ہوا بولا اور کچن کی طرف چلا گیا۔

"ٹم سالا بے شرم ہے.....!" جوزف نے سلیمان کو آنکھ دکھائی۔

"اور تو..... مادر زاد اندھا ہے..... تجھے صاحب کی خوشی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔!"

"باس پر خدا رحم کرے۔!" جوزف ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ہفتے کو اس پر نگوڈا کا سایہ ہو جاتا ہے۔!"

"کیا یہ تیرے ملک کی کوئی فلم اسٹار ہے.....؟"

"زبان بند کرو..... نگوڈا تین سروں والا سانپ ہے۔!"

سلیمان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عمران واپس آگیا۔

"دنیا تو ختم ہو گیا جناب عالی۔!"

"خیر کوئی بات نہیں۔!" سلیمان نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے جوزف سے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "تین سروں والے سانپ کا کیا مطلب ہے....؟"

"بس کرو.....!" جوزف پیر پٹخ کر بولا۔ پھر وہ اٹھ ہی گیا تھا۔

"کافی اور اندیلوں جناب....!" عمران نے بڑے ادب سے پوچھا۔

"مجھے معاف کردو باس ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔!"

اس کے بعد وہ وہاں نہیں ٹھہرا۔

"بدنصیب ہے.....!" سلیمان ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"وہ کس طرح جناب عالی....!"

"آپ جیسے بڑے آدمی کا آقا بننا پسند نہیں کرتا۔ کہہ رہا تھا کہ ہفتے کو باس پر نکوڈا کا سایہ ہو جاتا ہے۔!"

"نکوڈا....؟"

"جی ہاں..... میں سمجھا تھا شاید ہالی وڈ کی کسی اداکارہ کا نام ہے۔!"

"تو پھر.....!"

"کہنے لگا تین سروں والے سانپ کو کہتے ہیں۔!"

"وہ تو میں خود ہی ہوں جناب عالی۔!" عمران شرمیلے لہجے میں بولا "آپ کو پتہ ہونا چاہئے؟"

"گہرے رنگ والا سوٹ چاہئے۔ آج میٹنی شو دیکھنے جاؤں گا۔!"

"بہت بہتر جناب.....! میں ابھی پریس کئے دیتا ہوں۔!"

"کوٹ کی جیب میں دس کا ایک نوٹ بھی رکھ دیجئے گا۔!"

"لیکن میری جیب میں تو اس وقت صرف ساٹھ پیسے پڑے ہوئے ہیں جناب....!"

"مجھ سے ادھار لے لیجئے....!" سلیمان نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔

"بہت بہت شکریہ جناب.... کیا اب میں میز صاف کردوں۔!"

ٹھیک اسی وقت کسی نے باہر سے کال بیل کا بٹن دبایا۔

"ذرا دیکھئے تو کون ہے....!" سلیمان نے برا منہ بنا کر کہا۔

"بہت بہتر جناب....!" عمران دروازے کی طرف بڑھ کر بولا۔

تھوڑا سا دروازہ کھولا اور پھر جلدی سے بند کر کے سلیمان سے کہا "کیپٹن فیاض ہیں جناب!"

"ارے باپ رے باپ سلیمان اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر وہ کچن کی طرف بھاگ نکلا تھا۔

عمران نے دوبارہ دروازہ کھول کر کیپٹن فیاض کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ کمرے میں داخل ہو کر فیاض نے گھورتی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کون تھا....؟"

"کوئی بھی نہیں۔!"

"تم نے بڑے ادب سے کسی کو میرے آنے کی اطلاع دی تھی۔!"

"ارے.... وہ.... وہ تو میرے آج کے صاحب تھے۔!"

"کیا مطلب....؟"

"سلیمان صاحب....؟"

"بکواس مت کرو.... میں دیکھوں گا۔!"

"گھر حاضر ہے سوپر فیاض۔ تلاشی کے وارنٹ کے بغیر بھی تم تلاشی لے سکتے ہو....!"

فیاض نے اس پیشکش پر تکلف سے کام نہیں لیا تھا۔ فلیٹ کا کونا کونا چھان کر پھر نشست کے کمرے میں آ بیٹھا۔

"تمہیں خواہ مخواہ وہم ہو گیا ہے۔ دراصل میں ہفتے میں ایک بار عوام کا خادم بننے کی پریکٹس کرتا ہوں۔ کیوں کہ بڑھاپے میں لیڈری کرنے کا ارادہ ہے۔ فی الحال میرے قبضے میں دو عدد عوام ہیں۔ جوزف اور سلیمان۔!"

خلاف معمول فیاض کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عمران کی باتوں میں بڑے خلوص سے دلچسپی لے رہا ہو۔

"دو طرح کی عوام سمجھ لو....!" عمران نے فیاض کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ساری دنیا میں صرف دو قسم کے عوام پائے جاتے ہیں۔ سعادت مند عوام.... اور احتجاج کرنے والے عوام.... جوزف سعادت مند عوام کا نمائندہ ہے اور سلیمان احتجاج کرنے والوں کا۔ لہٰذا ابھی میں اس کے لئے ایک سوٹ پریس کروں گا۔ کیونکہ وہ آج میٹنی شو دیکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ رہا جوزف تو اس کی چمڑی ادھیڑ کر بھی تمہیں دکھا سکتا ہوں۔!"

"میں منتظر ہوں کہ تم اپنی بات ختم کرنے کا اعلان کب کرتے ہو....!" فیاض مسکرا کر بولا۔

"سوال بات کا نہیں.... کام کا ہے.... اس کے منتظر رہو کہ کام کب ختم ہوتا ہے۔!"

"کیا مطلب....؟"

"اب دوپہر کا کھانا تیار کروں گا۔ تم چاہو تو تم بھی دوپہر کا کھانا عوام ہی کے ساتھ کھا

سکتے ہو۔!"

"میں نہیں سمجھا....!"

"ہفتے کو صبح سے رات تک عوام کی خدمت کرتا رہتا ہوں۔ وہ تو کہو تم آ گئے ورنہ اس وقت سلیمان مجھ سے ایک بار پھر کافی کے لئے پانی گرم کراتا۔ دوپہر کے کھانے پر اُس کی تنقیدیں سنی ہوں تو میری دعوت قبول کرلو۔"

"میں سمجھ گیا.... تم کیا کر رہے ہو گے....!" فیاض ہنس پڑا۔

"مجبوری ہے....!" عمران مسمسی صورت بنا کر بولا۔ "لیڈری بہر حال کرنی ہے۔!"

"آدمی کب بنو گے۔!"

"یہی سب سے مشکل کام ہے۔ اسی لئے تو لیڈری کی سوجھی ہے۔!"

"خیر ختم کرو.... میں یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہارا خیال درست نکلا۔ لاش کے آس پاس کچھ بال ملے ہیں۔ اسپیشلسٹ کی رپورٹ کے مطابق وہ کسی کتے کے بال ہیں۔!"

"اُس عمارت میں پائے جانے والے کسی کتے کے بھی ہو سکتے ہیں۔!"

"نہیں.... وہاں کتے نہیں تھے۔!"

"اور موبار کی اس عمارت میں بھی کتے نہیں تھے جہاں پروفیسر کی لاش ملی تھی۔!"

"ہاں وہاں بھی نہیں تھے۔!"

"جزیرہ موبار کی اس عمارت اور یہاں شہر میں فرسٹ سیکریٹری کی قیام گاہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہو گا۔!"

"میں نہیں سمجھا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو....!" فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"بس سمجھ جاؤ.... یہ کوئی آوارہ کتا نہیں معلوم ہوتا اگر اتنا ہی خطرناک ہے تو اس کی نگرانی کے لئے بھی دو چار آدمی ساتھ رہے ہوں گے۔!"

"ہاں اس کے امکانات پر غور کرتا رہا ہوں۔!"

"کئے جاؤ غور.... اچھا اب مجھے اجازت دو.... ابھی کوفتوں کے لئے مسالا پیسنا ہے۔!"

"تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔!"

"ناممکن.... عوام کی اجازت حاصل کئے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکوں گا۔!"

"مذاق کسی اور وقت پر اٹھا رکھو.... یہ بہت ضروری ہے۔!"

"میرے عوام....!"

"پلیز.... عمران....!" فیاض ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"ان دونوں سے اجازت دلوا دو۔!"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔!"

"یقین کرو.... اپنے بنائے ہوئے دستور کا پابند ہوں۔ ہفتے میں ایک دن ان دونوں کی خدمت میں نے اپنے اوپر فرض کرلی ہے۔!"

"میری طرف سے اجازت ہے صاحب....!" دفعتاً سلیمان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ غالباً وہ چھپ کر ان دونوں کی بات چیت سنتا رہا تھا۔

"واقعی....!" عمران نے دیدے نچائے۔

"ایک شرط کے ساتھ....!"

"شرط بھی ہے....!" عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

"جی ہاں.... دس روپے آپ مجھ سے ضرور قرض لیں گے۔!"

"منظور.... اچھا اب مسٹر جوزف کو بھی بلاؤ۔!"

"وہ اپنے کمرے میں بیٹھا رو رہا ہے۔!"

"کیوں....؟"

"اُسے کچھ کچھ یقین ہو چلا ہے کہ آپ....!" سلیمان نے کہتے ہوئے اپنی کنپٹی کے قریب انگلی نچائی۔

"بے چارے سعادت مند عوام....!" عمران کا لہجہ دردناک تھا۔

چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ "اگر وہ میرے بارے میں ایسے خیالات رکھتا ہے تو پھر اس نالائق کی اجازت درکار نہیں۔ میں چل رہا ہوں کیپٹن فیاض۔!"

اس دوران میں کیپٹن فیاض کے چہرے پر بیزاری کے آثار نظر آتے رہے تھے۔

کچھ دیر بعد فیاض کی گاڑی کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑ رہی تھی۔ وہ خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا اور عمران اس کے برابر ہی خاموش بیٹھا ہونقوں کی طرح چاروں طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

"آخر سر سلطان کی طرف سے براہِ راست اس قسم کی کوئی تجویز کیوں آئی۔!" فیاض کچھ دیر بعد بولا۔

"میرا خیال ہے کہ سر سلطان سنکی ہیں۔ روزا میکس زیادہ سے زیادہ چوبیس سال کی ہو گی۔" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ہائیں تم مجھے کہاں لئے جا رہے ہو....؟"

”سر سلطان کی ہدایت کے مطابق میں نے لڑکی سے براہِ راست پوچھ گچھ نہیں کی۔ لیکن اس نے سفیر کو کچھ بتایا ہے۔!“

”سوپر فیاض.... میں نے تم سے صرف یہ پوچھا تھا کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔!“

”تمہارا کیا خیال ہے....!“

”چلو کہیں بیٹھ کر تمبولا کھیلیں۔!“ عمران نے تجویز پیش کی۔

فیاض نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ عمران اسے کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ ”اگر تم مجھے کسی کارروائی شناخت کے لئے کہیں لے جا رہے ہو تو اس خیال سے باز آجاؤ۔!“

”اوہو.... تو تم سمجھ گئے....!“

”فیاض....!“

”ہوں.... ہوں سن رہا ہوں۔!“

”گاڑی یہیں روک دو....!“

”خوب.... تو تمہیں یقین ہے کہ روزا میکس تمہیں پہچان لے گی۔!“

”کیپٹن فیاض....! سر سلطان کی اس ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ تم محض ضابطہ کی کاروائی کرتے رہو۔!“

”یہ بھی ضابطے کی کارروائی ہے۔ روزا میکس کا بیان ہے کہ صرف ایک مقامی آدمی پروفیسر میکس سے ملنے آتا رہا تھا جس کا حلیہ پورے شہر میں صرف تم پر فٹ ہوتا ہے۔!“

”سفیر نے تمہیں اس کا حلیہ بتایا ہے۔!“

”ہاں۔!“

”اور جب میں وہاں پہنچوں گا تو روزا کارروائی شناخت کے لئے پہلے سے موجود ہو گی۔!“

”واقعی تم ٹھیک سمجھے۔!“

”تو تم سفیر کو مطلع کر کے میرے پاس آئے ہو گے کہ کسی کو کارروائی شناخت کے لئے لا رہے ہو۔!“

”نہیں میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ بس تم میرے ساتھ ہو گے۔!“

”تب پھر مجھے تو بالکل مزہ نہیں آئے گا۔!“ عمران چہکا۔

”کیا مطلب....؟“

”یار....! احمقوں کی باتوں کا بھی کوئی مطلب ہوا کرتا ہے۔ چلو.... جہاں جی چاہے لے چلو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔!“

فیاض نے اُسے کنکھیوں سے دیکھا تھا پھر اس کی آنکھوں میں تشویش کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ گاڑی سفیر کی قیام گاہ کے پھاٹک پر پہنچی ہی تھی کہ خود سفیر پھاٹک کی طرف آتا نظر آیا۔ بدحواسی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی اور سانس پھولا ہوا تھا۔

”آفیسر....! وہ غائب ہو گئی۔!“ سفیر ہانپتا ہوا بولا۔

اسے دیکھ کر یہ دونوں گاڑی سے نیچے اتر آئے تھے۔

”کب کی بات ہے....؟“ فیاض نے پوچھا۔

”ابھی میں نے اُسے بلوایا تھا جہاں مقیم تھی وہاں نہیں ملی۔!“

”کوئی اور بھی تھا اس کے ساتھ....؟“ فیاض نے پوچھا۔

”دو ملازم.... دونوں اسی عمارت میں بیہوش پڑے ملے ہیں۔!“

”اگر آپ اسے ہماری تحویل میں دے دیتے تو شاید ایسا نہ ہوتا۔!“

”کچھ کرو آفیسر.... میں بڑی دشواریوں میں پڑ گیا ہوں۔!“

”وہ دونوں ملازم کہاں ہیں....؟“

”اسی عمارت میں....!“

”پتہ بتایئے.... ہم دیکھ لیں گے....!“ فیاض بولا۔

سفیر نے اسے پتہ لکھوایا اور وہ دونوں پھر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

”یہ سفیر ہے یا فلمی والد....!“ عمران پر تشویش لہجے میں بولا۔

”کیا مطلب....!“

”کچھ نہیں.... میرا وقت برباد کراتے پھرو....!“

”ذرا اس عمارت تک اور....!“

”چلو.... چلو اب ان دونوں نوکروں سے بھیرویں بھی سنواؤ گے۔“

کچھ دیر بعد گاڑی ماڈل ٹاؤن کی ایک عمارت کے قریب رکی۔

”سوپر فیاض....! عمارت میں داخل ہونے سے پہلے اپنے کسی ماتحت کو فون کر دو....!“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا مطلب....؟“

"قاعدے کی بات بتائی ہے۔!"

"اونہہ.... یہاں فون کہاں سے کروں گا۔!"

"اچھی بات ہے.... تم مجھے یہیں چھوڑ جاؤ۔!"

"کہنا کیا چاہتے ہو....؟"

"یہی کہ عمارت میں داخل ہونا یا نہ ہونا تمہارا مسئلہ ہے میرا نہیں۔!"

"اچھی بات ہے۔ میں خود ہی دیکھتا ہوں۔!" فیاض جھنجھلا کر بولا۔

"میں تمہیں اتنا احمق نہیں سمجھتا تھا۔!"

"کیا مطلب....؟"

"کچھ نہیں....! سفیر صاحب نے ازراہِ عنایت اپنا آدمی تمہارے ساتھ نہیں بھیجا۔ وہ دونوں ملازمین بھی یہاں بیہوش پائے گئے تھے کم از کم سفیر ہی کے کسی آدمی کے زیرِ نگرانی ہونے چاہئے تھے۔!"

"ہو سکتا ہے کوئی اندر موجود ہو....!"

"سفیر صاحب نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔!"

"آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو....؟"

"تمہاری خیریت....!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اس لئے ناچیز کا مشورہ یہ ہے کہ سیدھے اپنے دفتر جاؤ اور وہاں سے سفیر کو فون کر کے کہو کہ ان دونوں ملازمین کو تمہارے دفتر بھجوا دے۔!"

فیاض سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سر ہلا کر بولا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔!"

گاڑی دوبارہ اسٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔

"آخر سر سلطان....!" فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"سر سلطان کی بات نہ کرو....!" عمران بولا۔

"کیوں....؟"

"میں نہیں جانتا کہ انہوں نے تم تک وہ پیغام کیوں بھجوایا تھا۔!"

"ہوں.... اچھا....!" فیاض پر تفکر لہجے میں بولا۔ "تو پھر میں ان دونوں ملازمین کا بیان لے کر خاموشی سے بیٹھ رہوں۔!"

"ذہین بچے معاملات کی تہہ تک فوراً پہنچ جاتے ہیں۔!"

"لیکن تمہارے والد نامدار میری زندگی تلخ کر دیں گے۔!"

"سر سلطان کا پیغام ان کے گوش گزار کیا جا سکتا ہے۔!"

"جہنم میں جائیے۔!" فیاض بھنا کر بولا۔ "دو راتوں سے پوری نیند کو ترس رہا ہوں۔"

عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر بار بار عقب نما آئینے کی طرف اٹھ رہی تھی۔

"فیاض.... اگلے موڑ سے نکالو گاڑی۔!"

"کک.... کیوں....؟"

"موڑو.... موڑو....!"

فیاض نے حیل و حجت کے بغیر اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ "آج ہی سارے بدلے گن گن کر لینا۔!"

"اب اگلی گلی میں مڑ کر دوسری طرف نکل چلو....!"

"اوہ....!" فیاض عقب نما آئینے پر نظر ڈالتا ہوا بڑبڑایا۔ "تعاقب....!"

"فکر نہ کرو.... چلے چلو....!"

گلی سے نکل کر وہ دوسری سڑک پر آ نکلے۔ عقب نما آئینے میں نیلے رنگ کی دو کس ویگن اب بھی نظر آ رہی تھی۔

"اب کیا خیال ہے....؟" فیاض نے پوچھا۔

تعاقب کا سلسلہ سفیر کی کوٹھی سے شروع ہوا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم گل فام ہو یا میں رشکِ قمر ہوں۔ لہٰذا مجھے ٹپ ٹاپ کے قریب اتار دینا۔!"

"اس سے کیا ہو گا۔!"

یار عقل استعمال کرو.... تمہارا تعاقب مقصود ہوتا تو سفیر کی کوٹھی تک پہنچنے سے پہلے گاڑی دکھائی دیتی۔

"اچھا.... اچھا.... سمجھ گیا۔!"

عمران کچھ نہیں بولا تھا۔ نیلی گاڑی تعاقب کرتی رہی۔

ٹپ ٹاپ کے قریب فیاض نے گاڑی روک دی۔

دو کس ویگن آگے بڑھتی چلی گئی۔ کچھ دور جا کر وہ بھی رکی تھی۔

عمران گاڑی سے اتر کر فٹ پاتھ پر کھڑا ہو گیا اور فیاض نے گاڑی آگے بڑھا دی لیکن دو کس ویگن جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

عمران نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ لیکن اس کا رخ عمارت کی بجائے پارکنگ شیڈ کی طرف تھا۔ ایک ستون کی اوٹ میں رک کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد نیلی گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل ہوتی نظر آئی۔

عمران اس پوزیشن میں تھا کہ عمارت کے صدر دروازے والی سمت کے علاوہ اور کسی طرف سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

گاڑی سے اترنے والا غیر ملکی ہپی صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

عمران اُسے دیکھ کر چونکا تھا پھر ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا وہ صدر دروازے کے قریب پہنچا۔ ہپی تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا شاید ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

عمران نے طویل سانس لی اور آگے بڑھ کر ایسی حرکت کر بیٹھا جسے معمولی عقل رکھنے والا کوئی سراغ رساں بھی حکمت عملی تسلیم کر لینے پر تیار نہ ہوتا۔

اس نے ہپی سے مودبانہ پوچھا۔ "کیا آپ کو گائیڈ کی ضرورت ہے۔!"

ہپی نے اُسے غور سے دیکھا اور پر مسرت آمیز انداز میں اچھل پڑا۔

"تم گائیڈ ہو....!" اس کی چہکتی ہوئی سی آواز پر ہال کے دوسرے لوگ بھی متوجہ ہو گئے۔

"جی ہاں.... جناب....!" عمران آہستہ سے بولا۔

"میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تم خود ہی مجھ سے مل بیٹھو گے۔!" وہ عمران کا بازو پکڑ کر گرم جوشی کا مظاہرہ کرتا ہوا بولا۔ "آؤ....! پہلے کچھ کھا پی لیں میرے دوست تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔!"

وہ اُسے کھینچتا ہوا ایک خالی میز کے قریب لایا۔

"بیٹھو.... بیٹھ جاؤ.... ایسا معصوم چہرہ میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

عمران کسی سعادت مند بچے کی طرح اس کے کہنے پر عمل کر رہا تھا۔

ہپی نے ویٹر کو بلا کر کافی اور سینڈوچ کا آرڈر دیا۔

"مین صرف چائے پیتا ہوں۔!" عمران شرمیلے لہجے میں بولا۔

"اچھا.... اچھا.... ان کے لئے چائے لاؤ....!"

ویٹر کے چلے جانے کے بعد وہ عمران کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "بہت دور سے تمہارا تعاقب کرتا چلا آرہا تھا۔!"

"مم.... میرا تعاقب....؟" عمران نے احمقانہ انداز میں مزید کچھ کہنے کی کوشش کی تھی کہ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ پہلے میری پوری بات سن لو۔ "مجھے ایک ایسے چہرے کی تلاش تھی۔!"

"ایسے چہرے کی۔!" عمران نے اپنے چہرے کی طرف انگلی اٹھا کر سوال کیا۔

"ہاں.... اتنی معصومیت میں نے کسی مرد کے چہرے پر نہیں دیکھی۔ دنیا کی بہتیری اقوام سے میرا رابطہ رہا ہے۔ لیکن تم....!"

عمران کسی ناتجربہ کار لڑکی کی طرح شرما رہا ہے۔

"اوہ.... اوہ....!" ہپی کا جوش اور اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ کچھ کہتے کہتے رک کر اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا اور عمران کو شوخ نظروں سے دیکھتا رہا۔

عمران سر جھکائے بیٹھا تھا۔ آخر ہپی نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ "اب میں تمہارے فائدے کی بات کہوں گا۔!"

"مم.... میرے فائدے کی....!" عمران ہونقوں کی طرح سر اٹھا کر بولا۔

"ہاں.... ہاں.... پہلے یہ بتاؤ کہ کیا کرتے ہو....؟"

"آج کل تو بیکار ہوں اس سے پہلے کمیشن ایجنٹ تھا۔!"

"کس چیز کی ایجنسی تھی....؟"

"یہ نہ پوچھو.... بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔!"

"شرم کی بات ہے.... بتاؤ.... شاید اس سے بہتر کوئی کام تمہارے لئے تلاش کر سکوں۔!"

"دراصل میں پولیس انفارمر ہوں۔!"

"ہوں.... آوں....!" وہ پُر تفکر لہجے میں بولا۔ "عام لوگ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے، ایسے لوگوں کو....!"

"اسی لئے تو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔!"

"خیر.... خیر.... تم میری تجویز سنو گے تو اچھل پڑو گے۔!"

اتنے میں ویٹر طلب کی ہوئی اشیاء لے آیا۔

عمران چائے دانی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس سے قبل کی ساری گفتگو اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی ہو۔ جلد سے جلد پیالی میں چائے انڈیل لینا چاہتا تھا۔

"اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔" ہپی نے سینڈوچ پر ساس لگاتے ہوئے کہا۔

"ضرور... ضرور....!"

"میں ہالی ووڈ کے ایک بہت بڑے فلمی ادارے کا نمائندہ ہوں۔!"

"اوہ... تب تو تم نے صوفیہ لورین کو بھی قریب سے دیکھا ہو گا۔" دفعتاً عمران چہک کر بولا

"کیوں نہیں.... کیوں نہیں۔!"

"کیسی لگتی ہے....؟" عمران نے شرم آلود ندیدے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اب اس میں کیا رکھا ہے....!" ہپی نے بیزاری سے کہا۔

"نہیں ایسا نہ کہو.... وہ ہمیشہ اچھی لگتی رہے گی۔!"

"کیا تم اُسے قریب سے دیکھنا چاہتے ہو....؟"

"میرا ایسا مقدر کہاں....!"

"تب تو تم سچ مچ میری تجویز سن کر اچھل پڑو گے۔!"

"ارے تو بتاؤ نا....!"

"ہمارا ادارہ امن کے موضوع پر ایک فلم بنانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس کے نمائندے معصو چہروں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔!"

"سچ مچ....!" عمران بے حد خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"ہاں اور اب تم مجھے بتاؤ کیا یہ پیشہ اپنے لئے مناسب سمجھتے ہو۔!"

"ہائے....! میں تو بچپن ہی سے فلمی ہیرو بننے کے خواب دیکھتا رہا ہوں۔!"

"بس تو میں تمہاری متحرک تصویروں کی ایک ریل تیار کر کے پہلی فلائٹ سے ہالی وڈ بھجو دوں گا۔!"

"مجھے یقین نہیں آرہا۔ کہیں تم نشے میں تو نہیں ہو میرے دوست....!"

ہپی نے قہقہہ لگایا۔ چند لمحے ہنستا رہا پھر بولا۔ "ابھی تمہیں یقین آجائے گا۔!"

تھوڑی دیر بعد ہپی نے ویٹر کو طلب کر کے بل کی قیمت ادا کی اور وہ دونوں اٹھ کر باہر آئے۔

گاڑی کے قریب پہنچ کر ہپی نے عمران کے لئے اگلی نشست کا دروازہ کھولا۔ پھر دوسری طرف سے خود بھی بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔

"مجھے اپنے گھر لے چلو....!" اس نے پھاٹک سے گاڑی نکالتے ہوئے کہا۔

"ضرور.... ضرور.... لیکن آج کل میرے حالات بہت خراب ہیں۔ دو ماہ سے اپۓ ملازموں کو تنخواہ نہیں دے سکا۔ اس لئے اب مجھے ان کی خدمت کرنی پڑتی ہے۔!"

"کیا مطلب....!"

"ان کیلئے کھانا اور ناشتہ تیار کرنا پڑتا ہے جب تک تنخواہ ادا نہ کروں اس طرح زندگی بسر ہو گی۔!"

"کیا یہ تمہارے ملک کا قانون ہے....؟"

"نہیں یہ.... یہ آپس میں سمجھوتے کی بات ہے....!"

"فطرتاً بھی معصوم ہی لگتے ہو....!" ہپی ہنس کر بولا۔ "بہر حال اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یں تمہارے گھر ضرور چلوں گا۔ ریل تیار کرنی ہے نا کچھ تصویریں وہاں بھی لوں گا۔!"

کسی قدر ہچکچاہٹ ظاہر کرنے کے بعد عمران اس پر تیار ہو گیا تھا۔

فلیٹ مقفل ملا۔ شاید سلیمان جوزف کو بھی بہکا کر اپنے ساتھ کہیں لے گیا تھا۔

ایک کنجی عمران کی جیب میں بھی موجود تھی لیکن وہ مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ "مجھے بے حد افسوس ہے مسٹر.... وہ دونوں کسی طرف نکل گئے۔!"

"کوئی بات نہیں۔ اور کہیں چلتے ہیں۔" ہپی نے کہا ویسے اس نے عمران کو فلیٹ کے دروازے کے قریب کھڑا کر کے ایک بار کیمرہ چلایا تھا۔

پھر وہ دوبارہ نیچے آئے اور ہپی نے سڑک کی دوسری جانب سے بلڈنگ کی تصاویر بھی لیں۔

"بڑی عجیب بات ہے۔!" دفعتاً عمران بڑبڑایا۔

"کیا مطلب....!"

"اتنا کچھ ہو گیا لیکن ابھی تک نہ تم نے اپنا نام بتایا اور نہ میرا نام جاننے کی کوشش کی۔!"

"ناموں میں کیا رکھا ہے میرے دوست....!" ہپی بولا۔ "نام ہی تو ہمیں ایک دوسرے ے بہت دور کر دیتے ہیں۔ تم میں ہو.... اور.... میں تم ہوں۔!"

"کیا اب ہم فلم سے فلسفے کے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔" عمران نے چونک کر پوچھا۔

"ختم کرو.... چلو بیٹھو گاڑی میں.... تم مجھے ولیم کہہ سکتے ہو....!"

"میں عمران ہوں....!"

دونوں نے احمقوں کی طرح ہنستے ہوئے ہاتھ ملائے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ "اب تم مجھے اپنی رل فرینڈ کے پاس لے چلو۔" ہپی نے عمران سے کہا۔

"اگر ضمانت چاہتے ہو تو کسی بینکر کے پاس لے چلوں۔!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر ہا۔ "گرل فرینڈ بے چاری اس سلسلے میں کیا کر سکے گی۔!"

"ضمانت کی ضرورت نہیں۔ لڑکیوں کے ساتھ تمہارا ریہ بھی فلمانا چاہتا ہوں۔!"

"میرا سرے سے کوئی رویہ ہی نہیں ہوتا۔ البتہ لڑکیوں کا رویہ ساؤنڈ ٹریک کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا۔!"

"میں نہیں سمجھا۔!"

"گالیاں دیتی ہیں اگر قریب سے بھی گزر جاؤں۔!"

"پھر بھی میں دیکھنا چاہتا ہوں۔!"

"مجھے آج تک کسی لڑکی نے لفٹ ہی نہیں دی۔!"

"حالانکہ بڑی سکس اپیل رکھتے ہو۔!"

"شکریہ۔۔۔۔!" عمران شرما کر بولا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔۔! چلو میں تمہیں ایک لڑکی کے پاس لے چلتا ہوں۔!"

"کتنی دیر میں دوست بن جائے گی۔۔۔۔؟" عمران نے سوال کیا۔

"یہ تمہاری اپنی صلاحیت پر منحصر ہے۔!"

"اگر اس کا انحصار مجھ پر ہوگا تو پھر تم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔!"

"کیوں۔۔۔۔؟"

"لڑکیوں کے قریب پہنچتے ہی میری گرامر بہت کمزور ہو جاتی ہے۔!"

"لڑکیوں سے ڈرتے ہو۔۔۔۔!" وہ ہنس پڑا۔

عمران نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"میں نے سنا تھا کہ تمہارے ملک میں اب بھی شرمیلی عورتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن تم۔۔۔۔! تم شاید ان سے بھی زیادہ شرمیلے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ پہلی ہی فلم میں اسٹار بن جاؤ گے۔ مغرب کی لڑکیاں تم جیسے پر جان دیتی ہیں۔!"

"تب تو مشکل ہے۔۔۔۔!"

"کیا مشکل ہے۔۔۔۔!"

"لڑکیوں کی بات نہ کرو۔!"

"کمال ہے۔!"

گاڑی تیز رفتاری سے ساحلی علاقے کی طرف چلی جا رہی تھی۔ بالآخر ایک عمارت کے سامنے رکی۔

"اترو۔۔۔۔!" ہپی بولا۔ عمران خوشی سے اتر گیا۔ ہپی اسے عمارت کی طرف دھکیلتا ہوا

بولا۔ "چلو یہاں ایک ایسی لڑکی رہتی ہے جو تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوگی۔!"

"دو۔۔۔۔ دیکھو۔۔۔۔ دوست۔۔۔۔!" عمران ہانپ کر رہ گیا۔

"ہپی نے قہقہہ لگایا۔!" اور اسے دھکیلتا ہوا عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔

کال بل کا بٹن دبانے پر کسی نے اندر سے دروازہ کھولا تھا۔ وہ دونوں طویل راہداری سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہوئے۔

دروازہ کھولنے والا بھی ہپی ہی کی طرح سفید فام تھا اور اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے ہپی کے مقابلے میں کمتر حیثیت رکھتا ہو۔ ہپی نے اس سے کہا۔ "لڑکی کو لاؤ۔!"

وہ چلا گیا اور ہپی نے عمران سے پوچھا۔ "کون سی پیتے ہو۔۔۔۔؟"

"ابھی میری شادی نہیں ہوئی۔!" عمران شرما کر بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔!"

"ہمارے یہاں کنوارے شاذ و نادر ہی پیتے ہیں۔ شادی کے بعد البتہ غم غلط کرنے کے لئے پینی پڑتی ہے۔!"

"بکواس مت کرو۔۔۔۔!" دفعتاً ہپی کا لہجہ بدل گیا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔۔!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

"کیا تم مجھے احمق سمجھتے ہو۔۔۔۔!" ہپی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"میرے علاوہ اس بھری پری دنیا میں تمہیں ایک بھی احمق نہیں ملے گا۔!" عمران نے غمناک لہجے میں کہا۔

دفعتاً ایک لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ لیکن عمران پر نظر پڑتے ہی اس طرح ٹھٹھک گئی جیسے غیر متوقع حالات کا سامنا کرنا پڑا ہو۔

ہپی اُسے دیکھ کر اٹھا نہیں تھا۔ وہ کبھی عمران کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔ دفعتاً کسی کٹکھنے کتے کی طرح غرایا۔ "کیا یہی آدمی پروفیسر سے ملتا تھا۔۔۔۔؟"

"نہیں تو۔۔۔۔!" وہ برجستہ بولی۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔!"

"ہٹ دھرمی کا کوئی علاج ہی نہیں۔!" لڑکی نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم نے یہی حلیہ بتایا تھا۔!"

"میں نے کہا تھا کہ ایک خوب صورت سا نوجوان تھا لیکن یہ تو بالکل بے وقوف لگتا تھا۔!"

"یہ ایک پولیس انفارمر ہے....!"

"تو پھر میں کیا کروں....!"

عمران حیرت سے منہ پھاڑے کبھی روزا میکس کی شکل دیکھتا تھا اور کبھی ہپی کی۔

"تم بولو....!" دفعتاً ہپی ریوالور نکال کر اس کا رخ عمران کی طرف کرتا ہوا بولا۔ "کیا تم اس لڑکی کو پہچانتے ہو....؟"

"میرا خیال ہے کہ میں کسی پاگل کے چکر میں پڑ گیا ہوں۔" عمران نے خوف زدگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"میرے سوال کا جواب دو۔!"

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ لڑکیاں مجھے منہ لگانا پسند نہیں کرتیں میری کسی لڑکی سے دوستی نہیں لیکن تم یہ قصہ نکال بیٹھے۔!"

"تم پولیس انفارمر ہو....!"

"یہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں اور اُس وقت بھی ایک پولیس آفیسر ہی کی گاڑی سے اُتر کر ٹپ ٹاپ میں داخل ہوا تھا۔!"

"تو اسی آفیسر کے لئے تم پروفیسر میکس سے ملتے رہے تھے۔!"

"پروفیسر میکس....؟" عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کہیں یہ نام سنا تو ہے۔ میرے خدا تو یہ وہ لڑکی ہے۔!"

"کیا مطلب....؟"

"آہا.... تم نے ابھی اس کا نام روزا میکس ہی تو لیا تھا۔!"

"ہاں.... تو پھر....؟"

"اُس آفیسر کو اسی لڑکی کی تلاش تھی۔!"

"تم اتنے اطمینان سے گفتگو کر رہے ہو جیسے یہاں سے زندہ واپس جا سکو گے۔!"

"کک.... کیا مطلب....!" عمران کی آواز کی کپکپاہٹ فطری معلوم ہو رہی تھی۔

"تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکتے علی عمران....! اور نہ مجھے بے وقوف بنا سکتے ہو۔!"

"تت.... تو.... وہ فلم کمپنی والی بات....!"

"بکواس بند کرو....!"

"اچھا.. اچھا.. یہ ریوالور وہیں رکھ لو جہاں سے نکالا تھا۔ مجھ پر اس کا رعب نہیں پڑ سکتا۔

یں نے ابھی ابھی اپنا موجودہ پیشہ ترک نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ صوفیہ لورین جائے جہنم میں۔!"

"گیلارڈ....!" ہپی نے ریوالور کا رخ بدستور عمران کی طرف کئے ہوئے کسی کو آواز دی۔

روزا میکس بُرا سا منہ بنائے چھت کی طرف دیکھے جا رہی تھی لیکن ہپی کی آواز پر دروازے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ وہی آدمی کمرے کے اندر داخل ہوا جس نے کچھ دیر قبل روزا میکس کو کمرے میں پہنچایا تھا۔!

"اس آدمی کے ہاتھ پیر باندھ دو....!" ہپی نے عمران کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔!" عمران نے ہپی سے کہا۔

"پروفیسر کس کا مہمان تھا....؟" ہپی نے کہا اور ہاتھ اٹھا کر آدمی کو روک دیا جو عمران کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"سنو دوست....! میں کسی پروفیسر سے واقف نہیں ہوں اور اس لڑکی کو بھی میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔!"

"کیا یہ بھی غلط ہے کہ تم سی آئی ڈی کے ڈائریکٹر جنرل کے بیٹے ہو۔!"

"یہ بالکل درست ہے۔!"

"اور تم ایک خطرناک آدمی ہو۔!"

"یہ بالکل غلط ہے۔ البتہ آوارہ ضرور ہوں۔ اسی لئے باپ سے تعلقات خراب ہو گئے ہیں۔!"

"میں جانتا ہوں....!"

"بس تو پھر یہ کھیل ختم کرو....!"

"پولیس نے روزا میکس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کیوں نہیں کی تھی۔!"

"پولیس انفارمر صرف ان لوگوں کو اطلاعات فراہم کرتا ہے ان کے رازوں سے واقف ہیں ہوتا۔ اتنی عقل تو تم بھی رکھتے ہو۔!"

"تو پھر اب میں تمہارا کیا کروں....؟" ہپی جھنجھلا کر بولا۔

"بہت دیر بعد کوئی عقل مندی کی بات کی ہے۔!" عمران سر ہلا کر بولا۔ "بسا اوقات میں روں کے لئے بھی کام کرتا ہوں۔ لیکن معاوضہ معمولی نہیں ہوتا۔!"

"اگر تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ پولیس نے روزا میکس سے کسی قسم کی پوچھ گچھ کیوں نہیں کی تو میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکوں گا۔ اب مجھے یاد آ گیا شاید یہ اسی غیر ملکی کا قصہ ہے جسے بار کی ایک عمارت میں کسی درندے نے ختم کر دیا تھا۔!"

روزا اور ہپی دونوں عمران کو گھورے جا رہے تھے کچھ دیر خاموشی رہی پھر ہپی دوسرے آد
سے بولا۔ "لڑکی کو لے جاؤ۔!"

روزا برا سا منہ بنائے ہوئے خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"ہاں اب بات کرو.....!" ہپی ان کے چلے جانے کے بعد بولا۔

"میں کیا کروں..... بات تو تمہیں کرنی ہے۔!"

"نہیں تم ہی بتاؤ کہ مجھے اس سلسلے میں تم سے کیا کہنا چاہئے۔!" ہپی اس کی آنکھوں میں دیکھ
ہوا بولا۔

"تم نے میری ساری خوشیاں خاک میں ملا دیں۔" عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ا
کے چہرے پر گہرے غم کا تاثر تھا۔

"دیکھو.....! مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو..... میں تمہارے بارے میں سب ک
جانتا ہوں۔!"

"تم جو کچھ بھی جانتے ہو میں اس کی تردید نہیں کروں گا۔!" عمران بدستور غم ناک لہجے م
بولا۔ "لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اپنی موجودہ زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ تبدیلی چاہتا ہو
لیکن تم نے بھی دھوکہ دیا۔ مجھے پھانسنے کے لئے اس قسم کا جال پھیلا بیٹھے۔!"

"فضول باتیں ختم کرو.....!" ہپی چیخ کر بولا۔

"اب نہیں بولوں گا..... جو جی چاہے کر لو.....!"

"تم مجھے بتاؤ کہ پروفیسر میکس حقیقتاً کس کا مہمان تھا۔!"

"دو ہزار روپے لوں گا اور دو دن بعد بتاؤں گا کہ کس کا مہمان تھا۔!"

"بکواس مت کرو.....!"

"تم آدمی ہو یا زبان چلانے کی مشین۔!"

"میں دوسروں کو مار دینے کی بھی مشین ہوں۔!"

"اچھی بات ہے تو پھر کرو فائر.....!" عمران اٹھتا ہوا بولا۔

"بیٹھ جاؤ.....! ورنہ سچ مچ.....!"

"کرو فائر.....!" عمران دہاڑا۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔!"

"تم اول درجے کے گدھے ہو۔ تمہیں دھمکانا بھی نہیں آتا۔!"

"بکواس بند کرو.....!"

"فائر کرو.....!" عمران پھر چیخا۔

"بیٹھ جاؤ.....!"

"نہیں بیٹھوں گا..... تم فائر کرو.....!"

"میری بات سنو.....!" ہپی آنکھیں نکال کر غرایا۔

"ہرگز نہیں..... اب دو لاکھ میں بھی تمہارا کام نہیں کروں گا۔!"

ٹھیک اسی وقت کمرے میں ایک اور آدمی داخل ہوا۔ جسے دیکھتے ہی ہپی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا حرکت ہے..... ریوالور جیب میں رکھ لو.....!" آنے والے نے سرد لہجے میں کہا۔

ہپی نے خوف زدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

عمران نووارد کو توجہ اور دلچسپی سے دیکھے جا رہا تھا کچھ عجیب حلیہ تھا اس کا..... تھا تو غیر ملکی لیکن سر اور چہرے پر نام کو بھی بال نہیں تھے۔ بھنویں تک صاف تھیں۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر علی عمران۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔!"

عمران متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا ہوا بیٹھ گیا۔

"اور تم باہر جاؤ۔!" نووارد نے ہپی کو مخاطب کر کے سخت لہجے میں کہا۔ وہ چپ چاپ کمرے سے چلا گیا۔

"میرا نام ہکسر ہے..... ڈیوڈ ہکسر.....!"

"بڑی خوشی ہوئی مل کر.....!" عمران نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ وہ کس طرح تمہیں یہاں تک لایا تھا۔!"

"کیوں نہیں.....!" عمران سر ہلا کر بولا۔ پھر اس نے پوری کہانی دہرا دی۔

"میں تم سے ملنا چاہتا تھا.....!" ہکسر نے طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن اس طرح نہیں۔ اس بدتمیز نے گھٹیا طریقہ اختیار کیا جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں.....!"

"کوئی بات نہیں..... سب چلتا ہے.....!" عمران ہنس کر بولا۔

"میں تم دونوں کی گفتگو سنتا رہا ہوں۔ تم واقعی بہت دلیر آدمی ہو۔!"

"کوئی خاص دلیر بھی نہیں بس اس کی ہٹ دھرمی پر غصہ آ گیا تھا۔!"

"خیر..... میں کوشش کروں گا کہ اس کا ازالہ ہو جائے۔!"

"سوال تو یہ ہے کہ میں.....!"

”ایک منٹ....!“ ہکسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”پہلے میری پوری بات سن لو۔!“

”اچھی بات ہے۔!“

”سگریٹ........!“ ہکسر نے سگریٹ کیس عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں شکریہ.....! میں سگریٹ نہیں پیتا۔!“

”خیر.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلو کہ پروفیسر میکس یا سفارت خانے کے فرسٹ سیکریٹری کی اموات کا تعلق ہماری ذات سے نہیں۔!“

”چلو تسلیم کرلیا۔!“

”روزا میکس سے بھی ہم صرف اتنا معلوم کرنا چاہتے تھے کہ پروفیسر حقیقتاً کس کا مہمان تھا لیکن وہ نہیں بتا سکی۔!“

”میں نے کہا تھا کہ اگر میں کوشش کروں تو معلوم کرسکتا ہوں۔ صرف دو ہزار۔!“

”میری طرف سے چار ہزار کی پیش کش ہے مسٹر علی عمران۔!“

”اور دو دن کی مہلت....!“

”منظور.....! دوسری بات.....! روزا میکس کو متعلقہ لوگوں تک پہنچانا بھی تمہاری ہی ذمہ داری ہوگی۔ اس کے لئے مزید ایک ہزار دوں گا۔

”یعنی مجموعی طور پر پانچ ہزار۔!“ عمران بے حد مسرور ہوتا ہوا بولا۔

”پانچ ہزار... اور ڈھائی ہزار میں تمہیں ابھی دے سکتا ہوں۔ لیکن روزا کو تم کہاں پہنچاؤ گے۔!“

”سفارت خانے۔!“

”نہیں۔!“

”کیپٹن فیاض.... یعنی کہ وہ آفیسر جو اس کیس کی تفتیش کررہا ہے۔!“

”وہ بھی نہیں....!“

”تو پھر....؟“

تم اسے اپنے باپ رحمان کے پاس لے جاؤ گے اور ان سے کہو گے کہ ڈیوڈ ہکسر کی طرف سے معذرت کے ساتھ۔!“

”کیا وہ تمہیں جانتے ہیں....؟“

”یہاں مسٹر رحمان کے علاوہ مجھے اور کوئی نہیں جانتا۔!“

”اچھی بات ہے.... تو نکالو جلدی سے ڈھائی ہزار۔!“

”تم یہیں ٹھہرو.... میں ابھی آیا۔!“ ہکسر اٹھتا ہوا بولا۔

عمران کمرے میں تنہا رہ گیا۔ چھت کی طرف دیکھ کر اس نے آنکھ ماری اور آہستہ آہستہ سر کھجانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ہکسر واپس آیا۔ روزا میکس اس کے ساتھ تھی۔

”ڈھائی ہزار....!“ نوٹوں کی گڈی عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”اور وہ گاڑی بھی استعمال کرسکتے ہو جو باہر کھڑی ہے۔!“

نوٹ لے کر عمران نے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھے اور چہرے پر گہرے تفکر کے آثار پیدا کرکے بولا۔ ”پھر وہ گاڑی کہاں واپس کی جائے۔!“

”گاڑی بھی تم ہی رکھو....!“

”بہت بہت شکریہ....! دو دن بعد تم سے کس طرح رابطہ قائم کیا جاسکے گا۔ ظاہر ہے کہ مجھ پر اس حد تک اعتماد نہ کرسکو گے کہ اسی عمارت میں بیٹھے رہو۔!“

”تم بہت سمجھ دار ہو علی عمران....!“ وہ عمران کے شانے پر ہاتھ مار کر ہنس پڑا۔

”چلو....!“ عمران روزا سے بولا۔

”اب مجھے کہاں جانا ہوگا....؟“ روزا نے لاپرواہی سے پوچھا۔

”میں بتاؤں گا....!“

وہ باہر نکلے...! نیلی ووکس ویگن اب بھی وہیں موجود تھی جہاں پہلے کھڑی تھی۔ اگنیشن میں کنجی بھی لگی ہوئی تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ عمران نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

روزا نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ عمران نے اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کی نظر عقب نما آئینے کی طرف تھی جب اچھی طرح وہ اطمینان کرچکا کہ تعاقب نہیں کیا جارہا تو اس نے گاڑی ایک جگہ روک دی اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ایک بار پھر روزا کو خاموش رہنے کی تاکید کرتا ہوا نیچے اترا اور گاڑی کا دروازہ اتنی احتیاط سے بند کیا کہ آواز نہ ہونے پائے۔ انجن بند نہیں کیا تھا۔ روزا کی جانب کا دروازہ کھول کر اسے بھی نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ اُسے گھورتی ہوئی گاڑی سے اتر آئی۔ پھر گاڑی وہیں چھوڑ کر عمران اسے پیدل ہی ایک جانب لے چلا تھا۔

”تم نے گاڑی کا انجن بند نہیں کیا تھا۔!“ روزا کچھ دور چلنے کے بعد سخت لہجے میں بولی۔

”فکر نہ کرو.... چلتی رہو.... ورنہ پھر کسی دوسری مصیبت میں پڑو گی۔!“

”میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ کیا میں نے تمہیں اس سے رقم وصول کرتے نہیں دیکھا تھا۔!“

"اطمینان سے بتاؤں گا۔ فی الحال مجھ سے کسی مسئلے پر الجھنے کی کوشش نہ کرو۔!"

"مجھے کسی مسئلہ کی پرواہ نہیں ہے۔ چلو کہاں چلتے ہو۔!"

"ابھی بتاتا ہوں....!"

وہ دوسری سڑک پر آنکلے تھے۔ یہاں جلد ہی ان کو ایک خالی ٹیکسی مل گئی تھی۔

"بس چلتے رہو....!" عمران نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔

"بہت اچھا صاحب....!" وہ پر معنی انداز میں مسکرایا تھا۔

"اگر تم مجھے پہچان لیتیں تو پتہ کیا ہوتا۔!" عمران نے روزا سے کہا۔

"مجھے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں....! ویسے مجھے احساس تھا کہ اگر اس نے میری آنکھوں میں شناسائی کی ہلکی سی جھلک دیکھ لی تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ لیکن میں تم سے یہ ضرور پوچھوں گی کہ تم میرے باپ سے کیوں ملتے رہے تھے۔!"

"پروفیسر سے میری بہت پرانی جان پہچان تھی۔ یہاں آنے سے قبل انہوں نے جبرالٹر سے مجھے خط لکھا تھا۔!"

"لیکن ڈیڈی نے کبھی مجھے تمہارے متعلق نہیں بتایا تھا۔!"

"مجھے افسوس ہے کہ پروفیسر کی بیٹی ہونے کے باوجود بھی تم پروفیسر کو نہیں جانتی تھیں۔!"

"کیا مطلب....؟"

"پروفیسر غیر ضروری باتیں نہیں کرتے تھے۔ تم بھلا ان کے کتنے جاننے والوں سے واقف ہو۔!"

روزا کچھ نہ بولی۔ عمران نے تھوڑی دیر بعد پھر پوچھا۔ "تم ان لوگوں کے ہاتھ کیوں کر لگی تھی۔!"

"میں نہیں جانتی کہ اس عمارت تک کیسے پہنچی تھی۔ پچھلی رات جس عمارت میں سوئی تھی وہ کوئی دوسری تھی۔!"

"اس عمارت میں تمہارے علاوہ کون تھا....؟"

"دو ملازم تھے....اور میں تھی۔!"

"کیا سفیر اپنے خاندان والوں کے ساتھ تمہیں نہیں رکھ سکتا تھا۔!"

"کیا فرق پڑتا ہے....!" روزا نے بُرا سا منہ بنا کر شانوں کو جنبش دی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولی۔ "مجھے یہی نہیں معلوم کہ ڈیڈی یہاں کیوں آئے تھے۔ ان لوگوں کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ سفیر کی بجائے کسی اور کے مہمان تھے۔!"

"یہ تو انہوں نے مجھے بھی نہیں بتایا تھا۔!" عمران بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

◆

رحمان صاحب کی میز پر رکھے ہوئے انسٹرومنٹ میں سے ایک کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا۔ لیکن دوسری طرف سے بولنے والے کی آواز سن کر اُن کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"کیا بات ہے....؟" انہوں نے سخت لہجے میں پوچھا۔

جو لوگ روزا میکس کو لے گئے تھے میرے توسط سے آپ تک اسے پہنچانا چاہتے ہیں۔!"

"کون لوگ لے گئے تھے....؟"

"کیا ڈیوڈ ہکسر نامی کسی شخص سے آپ واقف ہیں۔!"

"کیا بکواس ہے۔ میں نے تم سے روزا میکس کے اغوا کنندگان کے بارے میں پوچھا تھا۔!"

"وہی عرض کر رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ڈیوڈ ہکسر نامی ایک شخص نے اسے میرے حوالے کر کے آپ تک پہنچانے کی درخواست کی تھی۔!"

"تم کہاں سے بول رہے ہو۔!"

"یہیں سے.... مطلب یہ کہ شہر ہی سے۔!"

"لڑکی اس وقت کہاں ہے....؟"

"میرے ساتھ۔!"

"اسے کیپٹن فیاض کے حوالے کر کے یہاں آجاؤ۔!"

"یہ ناممکن ہے آپ تک پہنچانے کے عوض ڈیوڈ ہکسر نے مجھے ایک ہزار روپے دیئے ہیں۔!"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا....!"

"یقین کیجئے....! اس وقت مبلغ ڈھائی ہزار روپے میری جیب میں موجود ہیں ایک اور کام کے عوض مبلغ چار ہزار طے ہوئے ہیں۔!"

میں گھر جا رہا ہوں فوراً وہیں پہنچو.... رحمان صاحب نے کہہ کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

آفس سے نکل کر وہ گاڑی میں بیٹھے اور انہیں گھر تک پہنچنے میں سات یا آٹھ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

پھاٹک کے قریب ایک ٹیکسی کھڑی نظر آئی جس میں عمران ایک غیر ملکی لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

رحمان صاحب کی گاڑی دیکھ کر چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا اور رحمان صاحب عمران کو اندر

آنے کا اشارہ کرتے ہوئے گاڑی کمپاؤنڈ میں لیتے چلے گئے۔ آج وہ خود ہی ڈرائیو کر رہے تھے۔ شاید ڈرائیور چھٹی پر تھا۔

"ہم تو ساب آپ کو پہلے ہی بولتا تھا۔ اندر آ جاؤ۔" چوکیدار عمران کی طرف دیکھ کر گھگھیایا۔

"فکر نہ کرو....! سب ٹھیک ہے....!" عمران نے ٹیکسی سے اترتے ہوئے کہا۔ کرایہ ادا کر کے روزا میکس کو ساتھ لئے ہوئے کمپاؤنڈ میں داخل ہوا۔

کچھ دیر بعد رحمان صاحب لائبریری میں بیٹھے اس کی کھال ادھیڑ دینے کے امکانات پر غور کر رہے تھے اور عمران مسمسی صورت بنائے کبھی ان کی طرف دیکھتا تھا کبھی روزا میکس کی طرف۔

"لاؤ.... وہ روپے نکالو....!" رحمان صاحب نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ عمران کی پوری کہانی وہ سن چکے تھے۔

عمران نے نوٹوں کی گڈی جیب سے نکال کر ان کے قدموں میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "میری پہلی کمائی۔!"

"بکواس بند کرو....!" انہوں نے گڈی اٹھا کر میز پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اور وہ گاڑی کہاں ہے؟"

"میں اسے چیتھم روڈ کے چوراہے کے قریب چھوڑ آیا ہوں۔!"

"کیوں....؟"

"اس لئے کہ اس میں ٹرانس میٹر اور سمت نما دونوں ہی خوف ناک چیزیں موجود تھیں۔! اب اگر آپ مجھے یہ بتا سکیں کہ پروفیسر میکس حقیقتاً کس کے مہمان تھے تو میں مزید ڈھائی ہزار بھی فوری طور پر وصول کر لوں گا۔!"

رحمان صاحب نے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتے رہے پھر بولے۔ "کیا وہ وہی گاڑی تھی جس میں تمہارا اور فیاض کا تعاقب کیا گیا تھا۔!"

"جی ہاں.... وہی تھی۔!"

"فیاض نے اس کے نمبر نوٹ کر لئے تھے۔ تلاش جاری ہے۔ اگر تم اس گاڑی اور اس لڑکی سمیت پکڑے گئے ہوتے تو تمہارا کیا حشر ہوتا۔!"

"کہاں پکڑا گیا....!"

رحمان صاحب نے اُسے گھورتے ہوئے فون پر سر سلطان کے نمبر ڈائیل کئے اور دوسری طرف جواب ملنے پر عمران کی مختصر روداد دہرائی۔

"لڑکی کہاں ہے....؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"یہاں موجود ہے۔!"

"عمران نے اس کے بارے میں تمہیں کیا بتایا ہے۔!"

"بس اتنا ہی جتنا میں نے ابھی تمہیں بتایا ہے۔!" رحمان صاحب بُرا سا منہ بنا کر بولے۔

"کیا یہ نام.... ڈیوڈ ہکسر تمہارے لئے کوئی اہمیت رکھتا ہے۔!"

"نہیں.... میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔!"

"ان دونوں کو میرے پاس بھیج دو....!"

"کیا تم مجھے یہ بتانا پسند نہیں کرو گے کہ وہ کس کا مہمان تھا۔!" رحمان صاحب نے پوچھا۔

"حکومت کا....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع کر دیا گیا۔

رحمان صاحب ریسیور رکھ کر عمران کی طرف مڑے۔

"کیا بتایا....؟" عمران نے آہستہ سے پوچھا۔

"اس لڑکی کو سر سلطان ہی کے پاس لے جاؤ۔!"

"آپ کی گاڑی لے جاؤں....؟"

"نہیں....!" سخت لہجے میں کہا گیا۔

"اب ٹیکسی میں بیٹھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ پتہ نہیں کیا چکر ہے۔!"

رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔ ان کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے کہا۔ "یہ نوٹ یہیں چھوڑ جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ یہ جعلی ہیں۔"

"خدا کی پناہ....!" عمران بڑبڑایا۔ "ہر طرح مجھے ہی جہنم رسید کرنے کے چکر میں ہے یہ ڈیوڈ ہکسر.....!"

"ذرا تم مجھے اس کا حلیہ تو بتاؤ....!" رحمان صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک بہت بڑے انڈے پر آنکھیں ناک اور دہانہ چپکا دیئے گئے ہوں۔ آواز کچھ ایسی ہے جیسے بکرا انگریزی بولنے لگا ہو۔!"

"کیا بکواس ہے....!"

"یقین کیجئے.... بھنویں تک صاف ہیں۔!"

"تومیت....؟"

"ٹی اور ڈی انگریزوں کی طرح نہیں بول سکتا۔!"

رحمان صاحب پھر کسی سوچ میں پڑ گئے تھے تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

”گیراج سے اسٹیشن ویگن نکال لو....!“

”چلو....!“ عمران نے روزا میکس سے کہا۔

”اب کہاں چلوں....؟“ وہ بھنا کر بولی۔

”دوسری جگہ....!“

”میں اب کہیں نہیں جاؤں گی۔ یہاں مجھے ابھی اپنی ہی ہم عمر کچھ لڑکیاں نظر آئی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ انگلش میں گفتگو بھی کر سکیں گی۔!“

”کر تو سکیں گی....!“

”تم میرے ڈیڈی کے دوست ہو۔ کیا مجھ پر اتنی مہربانی نہیں کر سکتے۔!“

”ضروری نہیں کہ یہ لوگ اس پر آمادہ ہو جائیں۔!“

”کیا آپ مجھے اپنے گھر میں نہیں رہنے دیں گے۔!“ روزا میکس نے گلوگیر آواز میں رحمان صاحب سے پوچھا اور قبل اس کے رحمان صاحب کچھ کہتے اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

”کیا قصہ ہے....؟“ رحمان صاحب نے عمران کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ”پروفیسر میکس سے تمہارا کیا تعلق....!“

”ارے بس....! سر سلطان نے میری مٹی پلید کر رکھی ہے۔ میری ڈیوٹی لگا دی تھی کہ روزانہ پروفیسر کی خیریت معلوم کر لیا کرنا۔“

”سوال تو یہ ہے کہ اب یہ یہیں رہنے پر کیوں مصر ہے۔!“

”سفیر نے اپنے خاندان والوں کے ساتھ رکھنے کی بجائے کہیں اور ٹھہرایا تھا جہاں سے ڈیوڈ ہکسر کے آدمی اُسے لے اڑے تھے۔!“

لڑکی بدستور روئے جا رہی تھی۔ رحمان صاحب نے پھر سر سلطان سے فون پر رابطہ قائم کر کے اس سلسلے میں دوبارہ گفتگو شروع کی۔

پھر ریسیور رکھ کر طویل سانس لی اور روزا میکس سے بولے۔ ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا۔!“

عمران انہیں ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”سر سلطان خود آ رہے ہیں۔“ انہوں نے عمران کی طرف دیکھ کر خشک لہجے میں کہا۔

”لہٰذا اب مجھے اجازت دیجئے۔!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”کیوں....؟ ٹھہرو....!“ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔

”مجھے اب یہ معلوم کرنا ہے کہ اس نے اس لڑکی کو خصوصیت سے آپ ہی کے پاس کیوں بھجوایا ہے۔!“

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ لوگ اب بھی اسی عمارت میں موجود ہوں گے۔!“

”نہیں....وہ اتنے دلیر نہیں ہو سکتے۔!“

”تو پھر....؟“

”دراصل میں سر سلطان کی موجودگی میں یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تاکہ آپ ان سے کھل کر گفتگو کر سکیں۔!“

”اور پھر تمہیں بتا سکوں کہ یہ حقیقتاً کس کی مہمان ہے۔!“ رحمان صاحب نے تلخ لہجے میں کہا۔

”جی نہیں....بلکہ آپ ان سے پوچھ سکیں کہ یہ پروفیسر میکس کی لڑکی ہے بھی یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کے لئے ان کے پاس کیا ثبوت ہے۔!“

”کیا مطلب....!“ رحمان صاحب چونک کر بولے۔

عمران کچھ کہے بغیر باہر نکلا چلا گیا۔ اُسی رات کو قریباً آٹھ بجے اس نے اپنے فلیٹ کے فون سے رحمان صاحب سے رابطہ قائم کیا۔

”سلطان کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ میکس کی لڑکی ہے۔!“ رحمان صاحب کی آواز آئی۔

”کیا سلطان صاحب اسے لے گئے....؟“ عمران نے پوچھا۔

”نہیں....! وہ لڑکیوں میں گھل مل گئی ہے کہتی ہے کہ اپنے باپ کے قاتل کا سراغ ملنے تک وہ یہیں رہے گی۔!“

”سر سلطان کیا کہتے ہیں۔!“

”انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔!“

”رات کے کھانے کے بعد اُسے کافی میں خواب آور دوا دے دیجئے گا۔!“

”کیوں بکواس کر رہے ہو۔!“

”یقین کیجئے....! اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو دشواری میں پڑیں گے اور ہاں کیا ڈیوڈ ہکسر کے بارے میں کچھ یاد آیا۔!“

”نہیں....!“

”تب تو لڑکی کے سلسلے میں وہی کرنا ہوگا جو میں کہہ رہا ہوں۔!“

”تم کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔!“

”جب تک کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آجاتی میں ایسی ہی فضولیات میں پڑا رہتا ہوں۔!“

”اس وقت کہاں ہو۔!“

عمران نے کوئی جواب دیئے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

* * *

رحمان صاحب لائبریری میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ کلاک نے دس بجائے اور وہ چونک کر فون کی طرف دیکھنے لگے۔ ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”ہوں.... کون ہے.... آجاؤ....!“ انہوں نے کہا۔

عمران دروازہ کھول کر لائبریری میں داخل ہوا۔

”تم....؟“ رحمان صاحب حیرت سے بولے۔ ”میں تمہاری کال کا منتظر تھا۔!“

”میں خود ہی آگیا.... کیا آپ نے اسے کافی میں....!“

”ہاں.... ہاں....!“ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔

”شکریہ جناب....!“

”اب کیا کرو گے....!“

”یہ سارا قصہ دراصل میرا ہے.... کم از کم آج کی رات کے بارے میں کہہ سکتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ....!“ رحمان صاحب نے مضطربانہ انداز میں کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”نوٹوں کا کیا رہا....؟“ عمران نے بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

”میرے اندازے کے مطابق جعلی ہی نکلے۔!“

”ٹھیک ہے....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اگر میں لڑکی اور جعلی نوٹوں سمیت پکڑا جاتا تو اس وقت کہیں چین سے بیٹھا ہوتا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”آپ کے محکمے کی حوالات.... میں۔!“

”اس میں کوئی شبہ نہیں۔!“ رحمان صاحب اُسے غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ”سر سلطان بھی دخل اندازی نہ کر سکتے۔!“

”وہ لوگ یہی چاہتے ہیں کہ میں کہیں ٹک کر بیٹھوں تو....!“

”صاف صاف بتاؤ.... کیا کہنا چاہتے ہو....!“

”ڈیوڈ ہکسر کو آپ نہیں جانتے لیکن لڑکی آپ کے پاس بھجوائی گئی اور وہ مچل گئی کہ یہیں رہے گی۔ اس کے بارے میں سر سلطان کیا خود سفیر بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ پروفیسر میکس ہی کی بیٹی ہے۔ اگر اُسے یقین ہوتا تو انسانی ہمدردی ہی کے تقاضے کے تحت اُسے اپنے خاندان والوں کے ساتھ ٹھہراتا ایک ہی شب پہلے تو بے چاری کا باپ اتنی درندگی کے ساتھ ختم کر دیا گیا تھا۔!“

”ہوں.... تو پھر....!“

”لڑکی یہاں ہے.... اس لئے کم از کم آج رات میرا یہاں پایا جانا یقینی ہو گیا ہے۔!“

”سمجھا....! شاید تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اس طرح وہ تمہارے لئے بھی کوئی حادثہ فراہم کرنا چاہتے ہیں۔!“

”جی ہاں.... میرا یہی خیال ہے۔!“

”گدھے ہو....!“ وہ بُرا سا منہ بنا کر بولے۔ ”یہ کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ نہیں ہے۔ حقائق ہیں۔ تم اس وقت بھی ان کے قابو میں تھے جب ہی تمہیں اس عمارت میں لے گیا تھا۔!“

”پروفیسر میکس بھی اس رات اس عمارت میں تنہا تھا جہاں اس کی لاش پائی گئی تھی۔ سائیلنسر لگے ہوئے پستول کی ایک گولی ہی اس کے لئے کافی ہوتی سفارت خانے کا فرسٹ سیکرٹری بھی اپنے مکان میں تنہا ہی تھا۔!“

رحمان صاحب کے چہرے پر اچانک فکر مندی کے آثار نظر آنے لگے۔

قصہ دراصل یہ ہے کہ وہ لوگ خوف و ہراس پھیلانا چاہتے ہیں۔ کسی کو بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے مخالف کی موت کہیں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اب یہی دیکھئے نا اگر سی آئی بی کے ڈائریکٹر جنرل کے صاحب زادے انہی کی قیام گاہ پر کسی درندے کا شکار ہو جاتے ہیں تو ملک میں کیسی سنسنی پھیلے گی۔!“

”نہیں نہیں....! یہ کیا بکواس ہے....!“ رحمان صاحب مضطربانہ انداز میں بولے۔

عمران اپنا بند گلے کا سوئیٹر اتار کر گردن پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”وہ درندہ اپنے دانتوں سے محروم ہو جائے گا.... اسے لکھ لیجئے۔!“

رحمان صاحب بے ساختہ آگے بڑھے اور جھک کر اس کی گردن دیکھنے لگے جس کے گرد فولادی خول چڑھا ہوا تھا۔

”وہ نامعقول صرف گردن ہی پر منہ مارتا ہے۔ دونوں لاشوں کے بقیہ حصوں پر ہلکی سی خراش بھی نہیں پائی گئی۔!“

اس نے سوئٹر پھر پہن لیا اور اٹھتا ہوا بولا۔ ”آپ لوگ آرام سے سویئے۔ میں کمپاؤنڈ ہی میں کہیں نہ کہیں موجود رہوں گا اور ہاں کمپاؤنڈ میں اندھیرا بھی نہ ہونا چاہئے۔!“

”میں گارڈز بلوائے لیتا ہوں۔“ رحمان صاحب نے جلدی سے کہا۔

”ان جھنجھٹوں میں نہ پڑیئے.... میں نہیں چاہتا کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔!“

”اچھی بات ہے.... لیکن میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔!“

”کیوں کھیل بگاڑیں گے پہلے بھی کبھی آپ کو ایسے معاملات میں میری طرف سے کوئی شکایت ہوئی ہے۔!“

”بکواس مت کرو.... میری آنکھوں کے سامنے تم تنہا کسی خطرے میں نہیں پڑ سکتے۔!“

”پلیز.... مان جائیے....!“ عمران گھگھیایا۔

”ناممکن....!“

”میں چاہتا ہوں کہ اب اس عمارت کا کوئی فرد خواب گاہ سے باہر نہ نکلے۔ کوئی ایسی کھڑکی بھی نہ کھلی چھوڑی جائے جس میں سلاخیں نہ لگی ہوں۔!“

”میں نے کہہ دیا.... یہ ناممکن ہے....!“ رحمان صاحب سخت لہجے میں بولے۔

”میں اس وقت صرف ڈائریکٹر جنرل سے ہم کلام ہوں اور میرے پاس صدر مملکت کا ایک ایسا اجازت نامہ موجود ہے جس کی بناء پر کسی بھی محکمے کے سربراہ کا تعاون حاصل کر سکتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے۔“ عمران نے جیب میں ہاتھ ہی ڈالا تھا کہ باہر سے شور سنائی دیا۔

”کیا ہے....؟“ رحمان صاحب دروازے کی طرف جھپٹے اور پھر دروازہ کھولتے ہی بجلی سی کوند گئی۔ بوکھلا کر پیچھے ہٹے اور اس زبردست کتے نے ان کے اوپر سے عمران پر چھلانگ لگا دی۔

ملازمین راہداری میں شور مچا رہے تھے۔ پے در پے تین فائر ہوئے۔ رحمان صاحب نے صاف دیکھا تھا کہ کتے نے عمران کی گردن ہی دبوچی تھی اور پھر غراتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ عمران نے ریوالور میز پر رکھ دیا۔ رحمان صاحب ہکا بکا کھڑے تھے۔ دفعتاً دیوانوں کی طرح عمران کی طرف جھپٹے اور کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ ان کے منہ سے ہلکی ہلکی سسکیاں نکل رہی تھیں۔

راہداری میں گھر کے دوسرے افراد سحر زدگی کے عالم میں خاموش کھڑے تھے۔

* * *

روزا میکس نے کراہ کر کروٹ بدلی۔ خاصا اجالا پھیل گیا تھا۔ لیکن وہ ابھی تک بیدار نہیں ہوئی تھی۔ دفعتاً قریب ہی رکھی ہوئی ایک ٹائم پیس کا الارم بجنے لگا اور وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھی۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سے چیخ بھی نکلی تھی۔

بستر سے چھلانگ لگا کر وہ فرش پر آئی اور آنکھیں مل مل کر کتے کی اس لاش کو دیکھتی رہی جو پچھلی رات ہی سے اس کے بستر پر پڑی رہی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دماغ سن ہو کر رہ گیا ہو۔ کچھ دیر اسی طرح کھڑی رہی پھر دروازے کی طرف جھپٹی۔ ہینڈل گھما کر اسے کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ شاید باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد تو وہ پاگلوں کی طرح دروازے پر ٹوٹ پڑی۔ وہ غل غپاڑہ مچایا کہ خود اس کے کان جھنجھنا اٹھے۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہ لگی۔ لیکن دروازہ کھولنے والی کو دیکھ کر روزا دو قدم پیچھے ہٹ آئی۔ وہ بھی اس کی طرح کوئی سفید فام غیر ملکی عورت تھی۔

”کیوں شور مچا رہی ہو۔!“ اس نے اندر داخل ہو کر روزا کو للکارا۔

”یہ کیا مذاق ہے....!“ روزا نے بھی تیکھے لہجے میں کہا۔ اس نے کتے کی لاش کی طرف اشارہ کیا تھا۔

”تمہاری حماقت کا نتیجہ....!“ نووارد سرد لہجے میں بولی۔

”میں نہیں سمجھی۔!“

”تم اپنے مشن میں ناکام رہی ہو۔!“

دفعتاً روزا چونک پڑی اور اس طرح چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگی جیسے پہلی بار اپنے گردوپیش کا جائزہ لے رہی ہو۔

”مم.... میں کہاں ہوں....؟“

”وہاں نہیں ہو جہاں بھیجی گئی تھیں...!“ نووارد نے تلخ لہجے میں کہا۔

”خدا کی پناہ.... اوہ.... روزا کا سر چکرانے لگا.... اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔ ہاں دیکھو.... میں نے ان لوگوں کے ساتھ رات کا کھانا کھایا تھا۔ پھر کافی آئی

تھی اس کے بعد کیا ہوا مجھے یاد نہیں.... تت.... تم کون ہو۔!“

”اپنی عقل کو کھوپڑی ہی میں رکھو!“ نووارد تیز لہجے میں بولی۔ ”یہاں کون کس کو جانتا ہے۔!“

”معافی چاہتی ہوں... معافی چاہتی ہوں۔ اوہ یقیناً مجھے کافی میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی تھی۔!“

”تم بالکل احمق ثابت ہوئیں۔ اگر ہم خیال نہ رکھتے تو تم سے سب کچھ اگلوالیا گیا ہوتا۔ جان پر کھیل کر تم کو وہاں سے نکالا گیا ہے۔!“

”لل.... لیکن.... یہ....!“ روزا پھر کتے کی لاش کی طرف مڑی۔

”انہوں نے اسے بھی مار ڈالا.... یہ بھی تمہاری غفلت کا نتیجہ ہے۔!“

”نہیں.... نہیں.... اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا گیا تھا۔!“

”تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں....؟“ نووارد لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں.... میں کچھ نہیں جانتی۔!“

”یہ وہی کتا ہے جس نے پروفیسر میکس کو مارا تھا۔!“

”نہیں....!“ روزا ہذیانی انداز میں چیخی....!“ نہیں.... نہیں۔!“

”اسی نے سفارت خانے کے فرسٹ سیکریٹری کا نرخرہ ادھیڑا تھا۔!“

”شاید یہی ہو تمہارے ساتھ۔ تمہارے باپ کو بھی غداری ہی کی سزا ملی تھی۔!“

”یہ جھوٹ ہے.... جھوٹ ہے.... میرا باپ غدار نہیں تھا۔!“

”غدار نہیں تھا تو پھر کیوں مار ڈالا گیا.... اور تم بھی اسے غدار ہی سمجھتی تھیں۔ اسی لئے تو نہ تم روئیں اور نہ کسی بھی انداز میں اظہارِ غم ہونے دیا۔“

”یہ میرا نجی معاملہ ہے۔!“

”ہوگا....!“ نووارد لاپرواہی سے بولی۔ چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر غرائی۔ ”سوال تو یہ ہے کہ وہاں تم نے کامیابی حاصل کیوں نہیں کی۔“

”مجھے اطمینان دلا کر بھیجا گیا تھا کہ وہ سب احمقوں کی طرح میرے گرد جمع ہو جائیں گے اور میں بے خوفی سے اپنا کام کر سکوں گی اگر کہہ دیا جاتا کہ ہوشیار بھی رہنا تو وہ مجھے کافی میں کوئی خواب آور دوا نہ دے سکتے۔!“

”خیر.... خیر.... تمہارے باپ نے عمران کے بارے میں کیا بتایا تھا۔!“

”کچھ بھی نہیں.... میں اسے اپنے باپ کے کسی دوست کی حیثیت سے جانتی تھی۔!“

”اور پھر تم اپنے باپ کے دوست کو دھوکہ دینے پر تل گئیں۔!“

”سنو....! میں صرف احکامات کی تعمیل کرتی ہوں۔ اس میں غرض نہیں ہوتی کہ کس کے لئے کیا کر رہی ہوں۔!“

”اچھا.... چلو.... باہر چلو....!“ نووارد برا سامنہ بنا کر بولی۔

اس کمرے سے نکل کر وہ ایک بڑے ہال میں پہنچیں جہاں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نتاہال میں ان کی کچھ دیر پہلے والی بات چیت گونجنے لگی۔ غالباً بات چیت ٹیپ کر لی گئی تھی اور ب انہیں دوبارہ سنائی جا رہی تھی۔

روزا بے حس و حرکت کھڑی رہی اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ سب ہا اس کے لئے بے معنی ہو۔! پھر سناٹا چھا جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح کھڑی رہی۔ دوسری ورت اُسے وہیں چھوڑ کر چلی گئی۔

اچانک بائیں جانب سے آواز آئی۔ ”اس خود غرض دنیا میں دوست اور دشمن کی تمیز شکل ہے۔!“

روزا چونک کر مڑی۔ عمران ایک دروازے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”تت.... تم.... کیا پھر پکڑے گئے۔!“

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا روزا کے قریب آ پہنچا۔!

”بولتے کیوں نہیں....؟“ روزا نے آہستہ سے پوچھا۔

عمران کے چہرے پر غم انگیز تاثر تھا۔

”کیا اس شخص کا نام ڈیوڈ ہکسر ہی تھا....؟“

”پہلے تم بتاؤ کہ مجھ پر کیا گزری.... میں کہاں ہوں۔!“

”میرے ساتھ آؤ۔!“

عمران اُسے پھر اسی کمرے میں لایا جہاں پلنگ پر کتے کی لاش پڑی تھی۔

”یہ وہی کتا ہے جس نے پروفیسر کو ہلاک کیا تھا۔!“

”وہ مجھے بتا چکی ہے۔!“

"تمہیں یقین کیوں نہیں کہ پروفیسر انہی لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے جن کے وفادار تھے۔!"

"میں نے تم سے پوچھا تھا کہ مجھ پر کیا گزری۔!"

"تمہیں کافی میں خواب آور دوا دی گئی تھی تاکہ سکون سے سوتی رہو اور میں اپنی موت کا انتظار کروں۔ میرے اندازے کے مطابق مجھے اسی لئے گھیرا گیا تھا کہ رات کو کسی جگہ قیام کروں۔!"

"اگر مقصد مار ڈالنا ہی ہوتا تو تمہیں وہیں مار ڈالتے.... جہاں پکڑے گئے تھے۔!"

"پروفیسر کو گولی کا نشانہ بھی بنایا جاسکتا تھا اس کے لئے خونخوار کتے کو کیوں استعمال کیا گیا۔!"

"سوال یہ ہے کہ تم دوبارہ کیوں ہم لوگوں میں نظر آرہے ہو....؟"

"کیا تم اس عورت کو جانتی ہو جو کچھ دیر پہلے تم سے گفتگو کر رہی تھی۔!"

"نہیں.... میں نے اُسے پہلی بار دیکھا ہے۔!"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں کا حلقہ اس قدر وسیع ہے کہ تم ایک دوسرے کو تعارف کے بغیر نہیں پہچان سکتے۔!"

"تم ٹھیک سمجھے۔!"

"سی آئی بی کے ڈائریکٹر جنرل کے یہاں تمہیں کیوں بھیجا گیا تھا۔!"

"اسی لئے کہ تم بھی وہیں رات گزار سکو....!"

"بس....! یہی مقصد تھا۔!"

"اور کیا....؟"

"لیکن.... اپنی غیر متوقع بیہوشی کی بناء پر کوئی اور کام بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔"

"شروع ہی سے میرا اندازہ تھا کہ تمہارا ذہنی توازن کس قدر بگڑا ہوا ہے۔!"

"میری بات کا جواب دو۔!"

"تم اپنی جان بچانے کی فکر کیوں نہیں کرتے یہ ایسے ہی لوگ ہیں کہ مجھے اور تمہیں کتے کی لاش سمیت تمہارے باپ کے گھر سے نکال لائے۔!"

"سوال تو یہ ہے کہ تمہارا باپ کیوں مار ڈالا گیا۔!"

"غداری کی سزا موت ہی ہے ہمارے حلقے میں۔!" روزا لاپرواہی سے بولی۔

"آخر اس سے کیا قصور سرزد ہوا تھا۔!"

"وہ حقیقتاً تمہاری حکومت کے مہمان تھے سفیر کے نہیں۔ ہماری پارٹی نہیں چاہتی کہ ہماری حکومت تمہاری حکومت سے کوئی تعاون کرے۔!"

"کیا تمہارے باپ کو علم نہیں تھا کہ پارٹی اس کے حق میں نہیں ہے۔!"

"اس گفتگو کو یہیں ختم کر دو....!" روزا جھلا کر بولی۔

"اچھی بات ہے۔ اب اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ صرف ایک بات اور بتا دو۔!"

وہ اُسے گھورتی رہی۔

"تمہارے پاس سے ایک ڈبیہ برآمد ہوئی ہے جس میں کوئی سیال شے اور ایک چھوٹی سی ہائپوڈرمک سرنج تھی۔!"

"وہ ڈبیہ کہاں ہے....؟" دفعتاً وہ بہت زیادہ خوف زدہ نظر آنے لگی۔!

"وہیں رہ گئی....!"

"اب میں نہیں جانتی کہ میرا کیا حشر ہوگا۔!" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہوں۔" عمران نے آہستہ سے کہا۔

"ناممکن....!"

"کیوں تم نہیں جانتیں کہ اس وقت کہاں ہو۔!"

"اس عمارت میں پہلی بار آئی ہوں۔!" روزا کی آواز بھی کسی سرگوشی سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ قدرے توقف کے ساتھ پھر بولی۔ "بہت محتاط رہو۔ ہماری آوازیں ٹیپ ہو جاتی ہیں۔!"

دفعتاً عمران نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور وہ بوکھلا کر اسے گھورنے لگی۔

"میں واقعی پاگل ہوں....!" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"لیکن اس کے باوجود میری کوشش ہوگی کہ پہلے میں مارا جاؤں، اس کے بعد تم پر کوئی آنچ آئے۔!"

ٹھیک اسی وقت ایک سیاہ فام اور لمبا تڑنگا آدمی ہال میں داخل ہوا جس کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک تھا۔

"یہ.... یہ کون ہے....؟" روزا ہکلائی۔

"صورت سے نیگرو معلوم ہوتا ہے۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"چلو.....!" نیگرو قریب پہنچ کر چابک فرش پر مارتا ہوا دہاڑا۔ پھر اُس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو.....!" عمران نے مردہ سی آواز میں روزا سے کہا۔

وہ دونوں اس دروازے میں داخل ہوئے۔ نیگرو چابک پھٹکارتا ہوا ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ اچانک عمران نے پلٹ کر اُس پر چھلانگ لگائی اور دونوں گتھے ہوئے فرش پر چلے آئے۔ نیگرو کسی زخمی درندے کی طرح غرائے جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس کی آواز معدوم ہوتی گئی اور پھر مکمل سکوت طاری ہو گیا۔

"بھاگو.....!" عمران نے اُسے چھوڑ کر ہٹتے ہوئے کہا اور روزا کا ہاتھ تھامے ہوئے ایک جانب دوڑتا چلا گیا۔

"کک..... کیا..... وہ مر گیا۔!" روزا ہانپتی ہوئی بولی۔

"پتا نہیں..... جلدی میں اس کا دھیان کسے رہتا ہے۔!" عمران بولا "خاموشی سے نکل چلو۔ باتیں پھر ہو جائیں گی۔!"

ایک جگہ ایک آدمی نے پھر ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن عمران نے اُسے بھی بے بس کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

اس طرح وہ بالآخر ایسی جگہ پہنچے جہاں کئی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں پھر کچھ دیر بعد وہ کھلی فضا میں سانس لے رہے تھے۔ عمران ایک گاڑی لے بھاگا تھا لیکن وہ گاڑی زیادہ دیر استعمال نہ کر سکا۔ اُسے ایک جگہ چھوڑ کر پھر ٹیکسی لی۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں.....؟" روزا نے آہستہ سے پوچھا۔

"ایک ساحلی تفریح گاہ میں میرا ایک ہٹ ہے۔ فی الحال وہیں قیام کریں گے۔!"

"کہیں اور چلو.....!"

"کیوں.....؟"

"وہ ہر وقت سب سمندر کے قریب رہتے ہیں تاکہ حالات ناموافق ہونے پر فرار میں آسانی رہے۔!"

"فکر نہ کرو..... ان کے فرشتے بھی ہمیں نہ پہچان سکیں گے۔!"

* * *

رحمان صاحب کی میز پر رکھے ہوئے ایک فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولے۔

"آپ خطرے میں ہیں۔" دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔

"تم کہاں ہو.....؟"

آپ فی الحال آفس تک ہی محدود رہئے میں ایک گھنٹے بعد پہنچ رہا ہوں۔ اپنے سیکیورٹی کے عملے کو ہدایت کر دیجئے کہ کسی بوڑھے کو آپ تک پہنچنے میں مدد دیں۔!"

"ہوں..... اچھا..... میں منتظر ہوں.....!" انہوں نے کہا اور دوسری طرف سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

ان کی آنکھوں میں گہری تشویش کے آثار تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے انٹرکوم پر اپنے کسی ماتحت کو عمران سے متعلق ہدایات دیں۔

اب ان کی آنکھیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔!

ایک گھنٹے بعد ایک بوڑھے آدمی کو ان کے کمرے میں پہنچایا گیا جو رکھ رکھاؤ کے اعتبار سے کوئی ریٹائرڈ فوجی آفیسر معلوم ہوتا تھا۔

"یہ تم ہو.....؟" رحمان صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جی ہاں.....!" عمران نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

"بیٹھ جاؤ..... یہ کیا کرتے پھر رہے ہو۔!"

"لڑکی کے ذریعے انہوں نے کل ایک تیر سے دو شکار کرنے کی اسکیم بنائی تھی۔ میری موت اور آپ پر پوری طرح قابو پانا کل والی حرکت کا مقصد تھا۔"

"مجھ پر کس طرح قابو پاتے۔!"

"وہ ڈبیہ جو لڑکی کے پاس سے برآمد ہوئی تھی کہاں ہے.....؟"

"محفوظ ہے.....!"

"کسی نہ کسی طرح وہ سیال آپ کے جسم میں انجکٹ کر دیتی اور آپ کم از کم ایک ہفتے کے

لئے اپنی شخصیت کھو بیٹھتے جو کچھ آپ سے کہا جاتا بے چون و چرا کرتے رہتے۔!"

رحمان صاحب طویل سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گئے اور عمران کہتا رہا۔ "لڑکی مضبوط قوت ارادی کی مالک ہے۔ یہ سب کچھ اُس سے اگلوا لینا مشکل کام تھا۔ لہٰذا میں نے چند دوستوں کی مدد سے ایک ڈرامہ اسٹیج کیا اُسے باور کرانے کی کوشش کی کہ اس کے ساتھی مجھے اور اس کو کتے کی لاش سمیت کسی نہ کسی طرح آپ کی کوٹھی سے نکال لائے ہیں اور اب اسے اس کی غفلت کی سزا ملے گی۔ اس کے بعد میں اُسے اس عمارت سے لے نکلا۔ بہر حال وہ یہی سمجھ رہی ہے کہ میں نے اسے اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں مرنے سے بچالیا ہے لہٰذا اب پوری طرح تعاون کر رہی ہے۔!"

رحمان صاحب خاموشی سے دیکھتے رہے۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے بات ختم ہونے کے منتظر ہوں۔!

"اور اس شخص کا نام ڈیوڈ ہکسر نہیں بلکہ بیری فان ہے۔!"

"کیا....؟" رحمان صاحب اس طرح سیدھے ہو بیٹھے جیسے کرسی کی پشت گاہ نے آگے دھکیل دیا ہو۔

"بیری فان....!" عمران نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دہرایا۔

"اوہ.... تب تو پروفیسر میکس محض مجھ پر قابو پانے کے لئے مارا گیا۔!"

"میں نہیں سمجھا۔!"

"کچھ نہیں.... ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا.... پہلے بیری فان کا ہاتھ آنا ضروری ہے۔!"

"بیری فان آپ کے محکمے کے بس کا معلوم نہیں ہوتا۔!" عمران نے مایوسانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

"کیا مطلب....؟"

"مناسب یہی ہوگا کہ آپ کے ماتحت سعئی ناکامی کی نمائش کرتے رہیں۔!"

"میں جانتا تھا کہ تم یہی کہو گے.... اسی لئے ابھی تک ایک معاملہ التوا میں رکھا گیا ہے۔!"

"کون سا معاملہ۔!"

"آج صبح ایک خوف زدہ آدمی کیپٹن فیاض کے ہاتھ لگا ہے اس کی فراہم کردہ اطلاعات حیرت انگیز ہیں۔ ایک بار بردار دخانی کشتی پر کام کرتا ہے، راجو نام ہے۔ ایک بار اسمگلنگ کے

سلسلے میں پکڑا جا چکا ہے۔ لیکن کسی بااثر آدمی نے بچا لیا تھا۔ اس کا تحریری بیان دیکھو۔!"

رحمان صاحب نے میز کی دراز سے کچھ کاغذات نکال کر عمران کی طرف بڑھا دیئے۔ عمران انہیں دیکھتا رہا۔ کبھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتیں اور کبھی پُر معنی انداز میں سر ہلانے لگتا۔

کاغذات واپس کرتے ہوئے اس نے استفہامیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"پچھلی رات وہ کتا کشتی پر واپس نہیں پہنچا تھا۔!" رحمان صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "لہٰذا دو بجے کے قریب ایک غیر ملکی نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ جا کر اُسے شہر میں تلاش کریں۔ راجو پہلے ہی سے خائف تھا اس لئے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ سیدھا ایک تھانے پر پہنچ گیا۔"

"اب آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ اس ہپی نے میری متحرک تصاویر کیوں تیار کی تھیں۔ آپ کی کوٹھی تک آنے والے راستے کی فلم بندی انہوں نے پہلے ہی تیار کر رکھی ہوگی۔ حیرت انگیز.... کتے کو فلم دکھا کر کسی راستے پر ڈالنا.... تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔!"

عمران خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

"جو محلول گوشت کے ساتھ اُسے دیا گیا تھا غالباً وہی اس میں اس کی صلاحیت پیدا کرتا تھا.... اوہ بیری فان.... بیری فان.... اس کے سلسلے میں کچھ مواد ہمارے قبضے میں ہے.... اب میں سمجھ گیا....!"

"ظاہر ہے کہ آپ مجھے تفصیل سے آگاہ نہیں کریں گے۔!" عمران نے خشک لہجے میں کہا۔

"فی الحال یہ ساری باتیں اسی جگہ ختم کردو....!" رحمان صاحب اُسے گھورتے ہوئے بولے۔ "اس شخص راجو کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔!"

"اُسے جانے دیجئے۔ میں خود اس کی نگرانی کرلوں گا۔ آپ کے سارے ماتحت ان لوگوں کی نظروں میں ہیں۔"

"تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔" رحمان صاحب طویل سانس لے کر بولے۔ "لیکن تمہیں بھی محتاط رہنا پڑے گا۔ وہ میک اپ کا بھی ماہر ہے۔!"

"یقیناً ہوگا۔ اگر اسی کی طرح میں بھی بے بال و بے پر ہوتا تو میری مہارت بھی قابل دید ہوتی۔ اچھی بات ہے اب اجازت دیجئے اور آپ براہِ کرم گھر نہ جایئے گا.... یہیں اپنی رہائش کا انتظام کرلیجئے۔!"

"دیکھا جائے گا۔!" رحمان صاحب نے لاپرواہی سے کہا۔

"راجو اس وقت کہاں ہے۔!"

"کیپٹن فیاض کی تحویل میں۔!"

"بُرا ہوا... اُسے بھی محکمے کی عمارت سے دور ہی رکھا جانا چاہئے تھا اب وہ شاید ہمارے کسی کام نہ آسکے۔ باہر نکلا اور مارا گیا۔!"

رحمان صاحب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی انہوں نے ریسیور اٹھایا اور پھر کچھ دیر بعد ان کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ ریسیور رکھ کر بھی وہ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "تمہارا یہ اندیشہ بھی درست نکلا۔ شہر کے مختلف حصوں میں دو لاشیں پائی گئی ہیں۔ راجو نے انہیں اپنے دونوں ساتھیوں راشد اور اختر کی حیثیت سے شناخت کیا ہے۔!"

"وہ نہ مارے جاتے۔!" عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اگر راجو کا معاملہ کیپٹن فیاض تک نہ آپہنچتا۔!"

رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔

عمران نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب آپ کے ماتحتوں کو چاہئے کہ وہ ساحلی علاقوں اور موبار میں اس کشتی سے متعلق پوچھ گچھ کرتے پھریں اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکیں گے۔!"

"پھر کہتا ہوں .... بہت محتاط رہنا۔!"

"بے فکر رہئے۔!" کہتا ہوا عمران ان کے کمرے سے نکل گیا۔

◆

روزا ہٹ میں تنہا تھی۔ لیکن اسے اطمینان تھا کہ میک اپ میں پہچانی نہ جاسکے گی۔ عمران کے اس میک اپ نے نہ صرف اس کی شکل بلکہ نسل تک بدل دی۔ اب وہ کسی مغربی ملک کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایک خوب صورت جاپانی لڑکی کہی جاسکتی تھی۔

وہ اپنی پارٹی کے لوگوں سے اتنی ہی خائف تھی کہ اس نے عمران کو بھی میک اپ کے بغیر ہٹ سے باہر قدم نہ نکالنے کی تاکید کی تھی۔ لیکن وہ احمقوں کی طرح ہنستا ہوا باہر چلا گیا تھا۔ روزا اس سے متعلق بڑی الجھنوں میں مبتلا تھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اس جیسی غیر متوازن شخصیت کا مالک ان لوگوں سے کس طرح نپٹ سکے گا جو اس کے بیان کے مطابق اس کے باپ کی موت کے ذمہ دار تھے۔ بہر حال وہ عمران کی عدم موجودگی میں اسی کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

ٹھیک دو بجے کسی نے ہٹ کے دروازے پر دستک دی۔ وہ پہلے تو خوف زدہ انداز میں چونکی تھی۔ پھر دروازے کے قریب جا کر پوچھا تھا "کون ہے"

"ڈھمپ....!" باہر سے آواز آئی۔

"ڈھمپ....!" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔ "ہاں اس نے یہی کہا تھا کہ اس لفظ کے سنے بغیر کسی کے لئے بھی دروازہ نہ کھولنا۔!" پھر "اوکے" کہہ کر دروازے کو کھول دیا۔ لیکن فوراً ہی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی کیونکہ وہاں عمران کی بجائے ایک اجنبی جاپانی نوجوان کھڑا تھا۔

"ہاہا.... ڈر گئیں....!" وہ ہنس کر بولا۔ "میں بھی تمہاری ہی طرح جاپانی ہوں۔!"

"اوہ..!" عمران کی آواز پہچان کر وہ خوف زدہ سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "تم نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔!"

"بس اب دروازہ کھلا رہنے دو۔!" عمران نے ایک بڑی سی باسکٹ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا لنچ ہے۔!"

"شکریہ.... میں بھوک محسوس نہیں کر رہی۔!"

"خیر.... جب محسوس ہو کھا لینا لیکن ایک بات غور سے سن لو اب تم یہاں کے رسم رواج سے متعلق کچھ نہیں پوچھو گی۔!"

"کیوں....؟"

"مجھے حیرت ہے کہ تم پر ایک ایسا سانحہ گزر گیا۔ لیکن تم میں ذرا برابر بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔!"

"میرا باپ اب واپس نہیں آسکتا.... یہ اس کا قول ہے کہ آدمی کو مرتے وقت اپنی جان کنی کا مشاہدہ بھی ایک طالب علم ہی کے جذبے کے ساتھ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔!"

"تب تو پروفیسر سچ مچ بہت گریٹ تھا۔!"

"آدمی کچھ بھی نہیں ہے مسٹر عمران۔ اتنا احمق ہے کہ خود ہی اپنی ہلاکت کے اسباب کرتا رہتا ہے میرا باپ بھی ایک ایسا ہی عظیم احمق تھا۔!"

"پیاری لڑکی تم تو اپنے قبیلے ہی کی معلوم ہوتی ہو۔!" عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اب میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ میرا باپ اپنے ہی ایک فارمولے کا شکار ہو گیا۔!"

”کیا مطلب....؟“

”وہ ایک ماہر کیمیا دان تھا۔ اس نے ایسی ادویات تیار کی تھیں جو آدمیوں اور جانوروں کی فطرت تک بدل کر رکھ دیتی ہیں۔!“

”اُوہو.... تو پھر وہ کتا.... ذرا ٹھہرو....!“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر بولا۔ ”کیا یہ ممکن ہے کہ ایک کتا کسی کی تصویر دیکھ کر اس کی راہ پر لگ جائے۔!“

”کیوں نہیں....! یہ کھیل تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔! آج سے دو سال پہلے کی بات ہے۔ میرے باپ نے ایک عرق تیار کیا تھا۔ اُسے گوشت میں شامل کر کے ایک کتے کو کھلایا گیا۔ پھر اسے ایک متحرک فلم دکھائی گئی یہ فلم اس راستے کی تھی جس سے گزر کر کتے کو ایک ایسی جگہ پہنچنا تھا جہاں کم از کم پچیس بلیاں موجود تھیں۔ ان میں سے ایک بلی کی تصویر اس فلم میں شامل تھی جہاں کتے کو وہ فلم دکھائی گئی تھی وہاں سے بلی والی جگہ ڈھائی میل سے کم فاصلے پر واقع نہیں تھی۔ لیکن کتے نے وہاں پہنچ کر اسی مخصوص بلی کو مار ڈالا۔ اور وہ واپس آگیا۔ دوسری چوبیس بلیاں بالکل محفوظ تھیں۔

عمران اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو اس نے پوچھا۔ ”کیا تم کسی ایسی دخانی کشتی کے بارے میں کچھ جانتی ہو جس پر تین دیسی آدمی کام کرتے تھے....؟“

”نہیں.... تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو....؟“

”وہ کتا جس نے تمہارے والد اور سفارت خانے کے سیکریٹری کا خاتمہ کیا تھا اسی کشتی پر رہتا تھا۔!“

”لیکن میں نہیں سمجھ سکتی کہ بیری فان نے ایسا کیوں کیا۔ وہ میرے ملک کے عوام میں بہت مقبول ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ بیری فان ہی ڈکٹیٹر شپ سے نجات دلائے گا۔!“

”خوب تو وہ عوامی اہمیت کا حامل ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن ہمارے ملک میں اس کا کیا کام....؟“

”میں تمہیں پوری بات بتانا چاہتی ہوں۔“ وہ پر تفکر لہجے میں بولی۔ چند لمحے خاموش رہ کر عمران کو گھورتی رہی، پھر کہنے لگی۔ ”کیا تم سچ مچ نہیں جانتے کہ میرا باپ تمہاری حکومت ہی کا مہمان تھا۔!“

”حکومت کے راز ہر ایک کو نہیں معلوم ہوتے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ بیری فان نے پھر کیوں میرے ذریعے سے یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کی تھی کہ پروفیسر حقیقتاً کس کا مہمان تھا۔!“

”ہو سکتا ہے کہ اسے معلوم ہی نہ رہا ہو۔ بظاہر میرا باپ سفیر ہی کا مہمان تھا اور یقین کرو کہ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ بیری فان یا پارٹی کا کوئی اور فرد بھی یہاں موجود ہے۔ وہ تو اس رات جب میں اس عمارت میں تھی۔ بیری فان کو میں نے پہلی بار دیکھا وہ مجھے اس عمارت سے نکال لے گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے یہی معلوم کرنے کے لئے کہ میرا باپ کس کا مہمان تھا مجھے تمہارے حوالے کیا تھا۔!“

”تو خود پروفیسر نے تمہیں یہ بات بتائی تھی کہ وہ ہماری حکومت کا مہمان ہے۔!“

”ہاں....!“

”مقصد....؟“

”تمہاری حکومت میرے باپ کی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتی اور اس کی موت کے بعد اچانک بیری فان سے ملاقات ہوئی جس نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میرے باپ کی موت میں تمہارے باپ کا ہاتھ ہے۔ انہوں نے میرے باپ کو کیوں قتل کرایا۔ یہی معلوم کرنے کے لئے اس نے مجھے تمہارے حوالے کیا تھا۔!“

”لیکن خود وہی تمہارے باپ کی موت کا باعث تھا۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے اس سلسلے میں کتے کو کیوں استعمال کیا۔!“

”یہی سوال مجھے بھی رہ رہ کر پریشان کر رہا ہے۔!“

”ہو سکتا ہے میں تمہاری الجھن رفع کر دوں.... لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ تم مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ....!“

”میں کچھ بھی نہیں چھپا رہی لیکن تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔!“

”کیا مطلب....؟“

”تم نے مجھے بیری فان کے پنجے سے رہائی دلانے کا ڈرامہ اسٹیج کیا تھا۔!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ ”اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر تمہارے گھر پر مجھے کافی میں کوئی خواب آور

دوا کیوں دی گئی تھی۔!"

عمران ہنس کر بولا۔ "یہ تو بالکل سامنے کی بات ہے۔ لیکن اگر میں نے یہ ڈرامہ اسٹیج نہ کیا ہوتا تو تم کبھی یہ نہ بتاتیں کہ ڈیوڈ ہکسر کا اصل نام بیری فان ہے اور یہ وہی بیری فان ہے جو تمہارے ملک کی ڈکٹیٹر شپ کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔!"

"سنو.....! تم واقعی احمق ہو.....!" وہ ہنس پڑی۔

"کیا مطلب.....؟"

"یہ کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا کہ میرے باپ کی موت میں بیری فان ہی کا ہاتھ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ میری حکومت کے کسی ایجنٹ نے یہ حرکت کی ہو۔ محض اس نے کتا استعمال کیا ہو کہ خیال بیری فان کی طرف جائے۔!"

"ہاں..... یہ بھی ممکن ہے.....!" عمران نے اعتراف کیا۔

"میں تمہارے ساتھ اس لئے چلی آئی کہ تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔!"

"اب مجھے اپنی پیدائش کے حادثے پر دوبارہ غور کرنا پڑے گا۔!" عمران گلوگیر آواز میں بولا۔

"کیا مطلب.....!"

"آج تک کسی لڑکی نے مجھے پسند نہیں کیا۔!"

"اوہ تو تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں بیوقوف بنا رہی ہوں۔!"

عمران نے سر کو جنبش دی۔

"ختم کرو.....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "تمہارے ساتھ وقت اچھا گزرے گا۔ اس میک اپ میں ہمیں کوئی نہ پہچان سکے گا۔ چلو کھلی فضا میں نکل چلیں اور سب کچھ بھول جائیں۔ تمہاری بہنیں مجھے بہت پسند آئی تھیں۔ میں پوری پوری ایمان داری سے اُن کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتی تھی۔!"

"فکر نہ کرو..... تمہیں جلد ہی اس کا موقع مل جائے گا۔!"

◆

"مجھے افسوس ہے یورا ایکسی لنسی.....!" رحمان صاحب نے سفیر سے کہا۔ "لڑکی کا ابھی تک سراغ نہیں مل سکا۔!"

سفیر خود ہی ان کے دفتر تک آیا تھا۔ سر سلطان اس کے ساتھ تھے۔

"میں اس وقت لڑکی کے لئے نہیں آیا۔!"

"فرمایئے..... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔!"

"میرا وہ سیکریٹری جو کسی درندے کا شکار ہوا تھا شاید پہلے ہی سے خود کو خطرے میں محسوس کر رہا تھا۔!"

"اوہ..... بھلا وہ کس طرح یورا ایکسی لنسی.....؟"

"اس کی نجی ڈائری کے اندراجات یہی ظاہر کرتے ہیں۔ پروفیسر والے حادثے سے تین دن قبل کی تاریخ میں اُس نے جو کچھ لکھا ہے اس کی روشنی میں یہی کہا جا سکتا ہے۔!"

"کیا آپ وہ ڈائری مجھے دکھانا پسند کریں گے۔!"

"کیوں نہیں.....! میں اسی لئے یہاں آیا ہوں۔ لیکن اس وقت ڈائری میرے پاس نہیں ہے۔ کیا آپ سفارت خانے تک چل سکیں گے۔!"

"مجھے بے حد افسوس ہے یورا ایکسی لنسی۔! میں فی الحال آفس نہیں چھوڑ سکوں گا۔!"

"تب تو دشواری ہوگی۔!"

"میں سمجھا نہیں..... یورا ایکسی لنسی.....!"

"بعض وجوہ کی بناء پر ڈائری سفارت خانے سے باہر نہیں لے جائی جا سکتی۔!"

"آپ اس خاص تحریر کی نقل بھی مجھے بھجوا سکتے ہیں۔!"

"ہوں..... اچھا میں دیکھوں گا۔!" سفیر بے حد فکر مند نظر آنے لگا۔

رحمان صاحب اُسے بغور دیکھے جا رہے تھے۔ دفعتاً بولے "آخر مجرم اپنی ان حرکتوں سے کے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔!"

"کیا مطلب.....؟" سفیر چونک پڑا۔

"مطلب صاف ہے..... پروفیسر میکس اور فرسٹ سیکریٹری کو سائیلنسر لگے ہوئے پستول سے بھی قتل کیا جا سکتا تھا۔ آخر درندگی کے اس مظاہرے کی کیا ضرورت تھی۔!"

"یقیناً..... یقیناً..... یہی تو باعث تشویش تھی.....!" سفیر کے لہجے میں بوکھلاہٹ تھی۔

"لہٰذا اب مجھے بتایئے کہ آپ کو کس قسم کی دھمکی ملی ہے۔!"

"مجھے....؟ نہیں تو۔!" سفیر کی سراسیمگی پر سر سلطان نے چونک کر رحمان صاحب کی طرف دیکھا۔

رحمان صاحب کی نظریں سفیر پر تھیں۔ اس نے سنبھالا لے کر کہا۔ "اچھی بات ہے میں کوشش کروں گا کہ ڈائری کی مذکورہ تحریر کی نقل آپ تک پہنچ جائے۔!"

پھر سفیر تو رخصت ہو گیا تھا۔ لیکن سر سلطان وہیں رک گئے تھے۔

"کیا قصہ ہے مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔!" سر سلطان نے رحمان صاحب کو مخاطب کیا۔

"تم اپنے قصے مجھے کب بتاتے ہو۔!"

"میں کیا بتاؤں۔!"

"پروفیسر میکس حکومت کا مہمان کیوں تھا....؟"

"یہ میرے محکمے کا راز ہے۔!"

"پھر میں اپنے محکمے کے راز تم پر کیسے ظاہر کر سکتا ہوں۔ ویسے تم یہ تو بتا ہی سکو گے کہ وہ تمہارے ساتھ یہاں کیوں آیا تھا۔!"

"اس سے زیادہ نہیں جانتا جتنا اس نے ابھی تمہیں بتایا تھا۔!"

"یہ اطلاع مجھے فون پر بھی دی جا سکتی تھی۔ سفیر کا رویہ حیرت انگیز ہے اور تم نے دیکھا دھمکی والی بات پر کس طرح نروس ہو گیا تھا۔!"

"ہاں....! میرا خیال ہے کہ اس کی اچانک سراسیمگی کی تہہ میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔!"

"بس اب تم اپنا کام دیکھو.... میں اپنا دیکھوں گا۔!"

"عمران کہاں ہے....!"

"میں نہیں جانتا....!" رحمان صاحب نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"لڑکی تمہاری کوٹھی سے غائب ہو گئی اس پر حیرت ہے۔!"

"سفیر سے تمہارے دوستانہ تعلقات ہیں۔!" رحمان صاحب نے بات اڑا کر کہا اور سر سلطان انہیں تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "لڑکی کی بازیابی بے حد ضروری ہے۔!"

"یہ میرا دردِ سر ہے میں ہی دیکھوں گا تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔!"

"ڈیوڈ ہکسر کے سلسلے میں تمہاری یادداشت نے کچھ مواد فراہم کیا یا نہیں۔!"

"نہیں.... میرے لئے یہ نام بالکل نیا ہے۔!"

"لڑکی اس کی توسط سے تم تک پہنچی تھی۔!"

"اور کسی کا نام پتا بتائے بغیر غائب بھی ہو گئی۔" رحمان صاحب کے بے حد سنجیدہ چہرے پر راہٹ نمودار ہوئی۔

"تم کچھ چھپا رہے ہو رحمان۔!"

"رازداری ہی میرے محکمے کی اصل کارکردگی ہے۔ ویسے کیا تم بتا سکو گے کہ پروفیسر میکس سفارش کس نے کی تھی۔!"

"میں اس سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔!"

"کسی منصوبے کی تکمیل ہی کے سلسلے میں اس کی خدمات حاصل کی گئی ہوں گی۔ اس کے کس نے سفارش کی تھی....؟"

"سائنسی تحقیقات کے ادارے کے ایک رکن نے۔!"

"غالباً اس کا نام بتا دینے میں کوئی حرج نہ ہو گا۔!"

"ڈاکٹر شہریار۔!"

"اوہ....!" رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے۔

سر سلطان انہیں پر تشویش نظروں سے دیکھتے رہے پھر اٹھتے ہوئے بولے۔ "میں جارہا ل۔ عمران کا سراغ ملے تو مجھے مطلع کرنا۔!"

"کیوں....؟ کیا بات ہے۔!" رحمان صاحب نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ مجھ ے زیادہ تمہارے قریب ہے۔!"

"ہے تو.... لیکن نہ جانے کیوں وہ اس معاملے میں مجھ سے بھی رازداری برت رہا ہے۔!"

رحمان صاحب نے کچھ کہے بغیر الوداعی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ سر سلطان کے خصت ہو جانے کے بعد عمران بائیں جانب والے دروازے سے نمودار ہوا۔ اس وقت بھی وہ مر ریٹائرڈ فوجی کے میک اپ میں تھا۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا تھا۔" عمران آہستہ سے بولا۔

"ہوں....!" رحمان صاحب نے پر تفکر انداز میں سر کو جنبش دی۔

”وہ آپ کو سفارت خانے لے جانا چاہتا تھا۔!“

”دھمکی کے حوالے پر وہ کسی قدر حواس باختہ بھی ہو گیا تھا۔“

”بس تو یہ ثابت ہو گیا کہ پروفیسر اور سیکریٹری والا طریقہ قتل محض دوسروں کو دھمکانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔!“

”لیکن سفیر کسی طرح بھی اس کا اعتراف نہیں کرے گا کہ کسی نے اُسے دھمکی دی ہے۔!“

”میں صرف اتنا چاہتا تھا کہ آپ میرے اس نظریئے سے متفق ہو جایئے۔!“

رحمان صاحب خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے۔ عمران چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔

”آپ یہاں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ آپ کے کسی ماتحت کو بھی ایسی ہی موت کا خوف دلا کر کام نکالا جا سکتا ہے۔!“

”میرا بھی یہی خیال ہے۔ سفیر سے گفتگو کے بعد میں نے بھی یہی سوچا تھا۔!“

”خیر میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ویسے ڈاکٹر شہریار سے بیری فان سے متعلق کسی قسم کی گفتگو ہوئی تھی....؟“

”تم کیا جانو....!“ رحمان صاحب چونک کر اُسے گھورنے لگے۔

”ڈاکٹر شہریار کے نام پر میں نے آپ کا ردِ عمل دیکھا تھا۔!“

”تم ٹھیک سمجھے۔ اس سے محض رواروی میں ایک بات ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ بیری فان کا ہم سے کیا تعلق.... ایک بحث کے دوران میں بیری فان کا حوالہ دیتے ہوئے مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کیا تھا۔!“

”شہریار عرصہ دراز تک بیری فان کے ملک میں رہ چکا ہے۔!“ عمران پُر تفکر لہجے میں بولا۔ رحمان صاحب اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہے تھے۔ دفعتاً وہ سوال کر بیٹھے۔ ”کیا تم سر سلطان کے لئے کام کر رہے ہو۔!“

”جی نہیں....! آپ کا سایہ اپنے سر پر قائم رکھنے کی جدوجہد میں مصروف ہوں۔!“

”میری فکر نہ کرو....!“ رحمان صاحب نے خشک لہجے میں کہا۔

”میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ بیری فان کے سلسلے میں آپ نے شہریار سے کیا کہا تھا۔ لیکن اگر آپ مجھے روزا کے پاس سے برآمد ہونے والے سرنج اور محلول عطا کر دیں تو بڑی

ہربانی ہو گی۔“

”کیوں....؟“

”ضرورت ہے.... میں چاہتا ہوں کہ اب یہاں پھر کوئی ایسا وحشیانہ قتل نہ ہونے پائے اور اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب تیزی سے کام کیا جائے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں تم نے اس محلول کا مطالبہ کیوں کیا ہے۔!“

”تیزی سے کام کرنے کے لئے.... منطقی بحثوں کا وقت نہیں ہے۔“

رحمان صاحب نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ بالآخر اس کا مطالبہ پورا کر دیا تھا۔

◆

ڈاکٹر شہریار کی گاڑی کسی طرح بھی اسٹارٹ ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔ تھک ہار کر اس نے نسٹی ٹیوٹ کی گاڑی کے لئے فون کیا۔ اس وقت کسی وجہ سے انسٹی ٹیوٹ پہنچنا بہت ضروری تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا ایک تنومند آدمی تھا۔ صحت بہت اچھی تھی۔ معمولی گفتگو کرتے وقت بھی ایسا لتا تھا جیسے مقابل کو پھاڑ کھائے گا۔ اس کی موجودگی میں اس کے متعلقین اونچی آوازوں میں گفتگو ہیں کر سکتے تھے۔

اس وقت گاڑی اسٹارٹ نہ ہونے پر ڈرائیور کی شامت آ گئی تھی۔ جب تک انسٹی ٹیوٹ کی اڑی نہیں آ گئی تھی اس پر گرجتا برستا رہا تھا۔ پھر انسٹی ٹیوٹ کی گاڑی دیکھ کر بھڑک اٹھا۔ کار کی بجائے وین آئی تھی اور اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ ایک سیکیورٹی گارڈ بھی بیٹھا ہوا تھا جو اُتر کر ین کے پچھلے حصے میں چلا گیا۔

طوعاً و کرہاً ڈاکٹر کو ڈرائیور کے برابر بیٹھنا پڑا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے چونک کر ڈرائیور سے کہا۔ ”یہ تم کدھر لیے جا رہے ہو۔!“

لیکن ابھی ڈرائیور جواب نہیں دینے پایا تھا کہ کوئی ٹھنڈی سی چیز گردن سے آ لگی اور ساتھ ی وین کے پچھلے حصے سے سیکیورٹی گارڈ نے کہا۔ ”پستول بے آواز ہے ڈاکٹر صاحب.... چپ ہاپ بیٹھے رہئے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”نہیں.... مڑ کر دیکھنے کی کوشش بھی خطرناک ثابت ہو گی۔!“ گارڈ نے گردن پر پستول کا

دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"آخر یہ کیا بکواس ہے۔!"

"چپ چاپ بیٹھے رہئے جناب....!" ڈرائیور نے نرم لہجے میں کہا۔

ٹھیک اسی وقت پیچھے بیٹھے ہوئے گارڈ نے بائیں ہاتھ سے ایک تہہ ہوا رومال ڈاکٹر شہریار کی ناک پر رکھ کر دباؤ ڈالا۔ گردن پر پستول کی نال تھی اس لئے وہ بے چون وچرا ساکت ہو گیا۔

پھر دوبارہ ہوش آنے پر اس نے خود کو بستر پر پایا تھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا، کیوں کہ یہ اس کی اپنی خواب گاہ نہیں تھی۔

"آرام سے لیٹے رہئے جناب....!" دفعتاً بائیں جانب سے آواز آئی۔ لہجہ غیر ملکی تھا اور مخاطب کرنے والا کوئی مرد نہیں تھا۔ بڑی خوب صورت سفید فام عورت تھی۔

"مم.... میں کہاں ہوں۔!" ڈاکٹر ہکلایا۔

"ابھی تک دوستوں میں ہی ہو۔!"

"سوال یہ ہے کہ اس طرح مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے کیا تم لوگ میری پوزیشن سے واقف نہیں ہو....؟" ڈاکٹر نے اپنے فطری اکھڑ پن کا مظاہرہ کیا۔

"ہم جانتے ہیں جناب.... لیکن ہم جس شخص کے لئے کام کر رہے ہیں وہ کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔!"

"کون ہے وہ....؟" ڈاکٹر دھاڑا.... اور اُسی وقت ایک خوف ناک شکل والا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ جس کی پھولی ہوئی بھدی ناک کے نیچے گھنی مونچھوں کے سائبان نے پورے دہانے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

"میں ہوں....!" اس نے ڈاکٹر کو گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

"اس حرکت کا مقصد....؟"

"تم اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو۔ اس لئے بغرض علاج تمہیں یہاں لایا گیا ہے۔!"

"یہ کیا بکواس ہے....!" ڈاکٹر حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"پاگلوں کی باتوں کا بُرا نہیں مانتا....!" خوف ناک چہرے والے نے جواب دیا۔

"میں تمہیں گولی مار دوں گا۔!"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے....!" وہ سر ہلا کر بولا۔ "جب چاہے مار دینا لیکن اس وقت میری ایک بات مان لو۔!"

"شٹ اپ....!"

"اچھی بات ہے.... زبردستی علاج کرنا پڑے گا۔!"

پھر اس نے باآواز بلند کسی کو پکارا تھا۔ دو آدمی داخل ہوئے اور انہوں نے ڈاکٹر شہریار کو بستر پر پچھاڑ دیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔!" شہریار چیخے جا رہا تھا۔ اتنے میں بدہیئت آدمی نے الماری کھول کر ایک ہائپوڈرمک سرنج نکالی جس میں بے رنگ سیال بھرا ہوا تھا۔

"نہیں.... نہیں.... یہ تم کیا کر رہے ہو۔ اس کا کیا مطلب ہے۔" شہریار بے بسی سے چیخا۔ لیکن فوراً ہی سرنج کی سوئی اس کے بازو میں ڈوبتی چلی گئی۔ آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ آنکھیں پھیل گئی تھیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ جبڑے کے عضلات ڈھیلے پڑ گئے اور پلکیں جھکتی چلی گئیں۔ اب وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

وہ سب کمرے سے باہر نکل گئے۔ ڈاکٹر شہریار نے پتا نہیں پھر کب آنکھیں کھولی تھیں۔ کچھ دیر تک اُس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری نظر آ رہا تھا پھر یک بیک خدوخال میں کھنچاؤ سا پیدا ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک بے حد خوف زدہ آدمی نظر آنے لگا۔ اٹھ بیٹھا تھا لیکن اس طرح گھٹنوں میں سر دے رکھا تھا جیسے گردوپیش کا جائزہ لینے کی بھی ہمت نہ رکھتا ہو۔ دفعتاً دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک پڑا اور پھر آنے والے پر نظر پڑتے ہی ہکلانے لگا۔ "تت.... تم.... تم تو عمران ہی ہو نا۔ رحمان کے بیٹے....؟"

"ہاں.... انکل....!"

"اچھا.... اچھا.... مجھے یہاں سے لے چلو.... پتا نہیں وہ کیا چاہتے تھے۔!"

"کہاں لے چلوں....؟" عمران نے حیرت سے کہا۔ "آپ میرے گھر میں ہیں۔!"

"تمہارے گھر میں ہوں۔" ڈاکٹر خوف زدہ لہجے میں بولا۔

"ہاں انکل میں نے آپ کو ایک جگہ سڑک کے کنارے بیہوش پڑا پایا تھا۔!"

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ....!" ڈاکٹر بچکانہ انداز میں بولا۔ "وہ لوگ مجھے زبردستی لے گئے تھے

اور پھر پاگل کہہ کر میرا علاج کرنے لگے تھے۔! "

"حیرت انگیز۔!" عمران نے احمقانہ انداز میں آنکھوں کو گردش دی پھر یک بیک اچھل کر بولا۔ "ارے ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا آپ کے کوٹ کے کالر سے یہ کارڈ پن کیا ہوا تھا۔ یہ دیکھئے۔!"

عمران نے ایک چھوٹا سا کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا جس پر "بیری فان" لکھا ہوا تھا۔

"ارے یہ کیوں....؟" وہ حیرت سے اس کارڈ کو گھورتا ہوا بولا۔ "اگر یہ بیری فان کی حرکت تھی تو اس کو کیا کہا جائے۔!"

"اوہ.... تو کیا یہ کسی کا نام ہے۔!"

"ہاں.... یہ میرا دوست ہے.... ہم دونوں نے کئی سال ساتھ گزارے ہیں۔!"

عمران نے تفہیمی انداز میں سر کو جنبش دی۔ اسکی آنکھوں سے گہری طمانیت جھانک رہی تھی۔

"کیا اُسے آپ کے ساتھ ایسی حرکت کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔"

"اسی پر تو مجھے حیرت ہوئی تھی میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ بیری فان یہاں موجود ہے۔ میں نے ہی تو اُسے یہاں بلوایا تھا۔!"

"تب تو سخت نامعقول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ مگر کیوں بلوایا تھا۔!"

"بھئی اس کا ایک کام تھا۔ وہ جو تمہارے والد صاحب ہیں نا ان کے قبضے میں اس کے خلاف کچھ ایسے ثبوت ہیں جو اس کا کیریئر تباہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اُسے مطلع کر دیا تھا پھر جب وہ یہاں آیا تو ہم نے ایک اسکیم بنائی۔!"

"واقعی....!"

"ہاں.... پھر وہ واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے اسی کی بنائی ہوئی اسکیم کے مطابق حکومت کو مشورہ دے کر ایک کیمیادان پروفیسر میکس کو یہاں بلوایا۔!"

"اوہو.... وہی پروفیسر میکس تو نہیں جسے کسی جانور نے مار ڈالا۔!"

"ہاں.... ہاں.... وہی پتہ نہیں کس جانور نے اسے مار ڈالا.... کیوں مار ڈالا....!"

"آپ نے کس سلسلے میں اُسے بلوانے کا مشورہ حکومت کو دیا تھا....!"

"ایک ایسی دوا کی تیاری جو مجرموں سے اعترافِ جرم کرانے کے سلسلے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ اعترافِ جرم کرانے کے لئے تشدد کرنا پڑتا ہے۔ حکومت چاہتی ہے کہ اس طریقے کو ترک کر دیا جائے۔ پروفیسر میکس ایسی بہت سی ادویات کا موجد تھا۔!"

"بہر حال آپ نے اسے بیری فان کے مشورے پر بلایا تھا۔!"

"ہاں.... اسی نے مجھے مشورہ دیا تھا اور کہا تھا کہ پروفیسر میکس کی توسط سے وہ اپنا مقصد بھی حاصل کر لے گا یعنی وہ سارے ثبوت جو اس کے خلاف تمہارے والد کی تحویل میں ہیں اس کے قبضے میں آجائیں گے۔!"

"بھلا وہ کس طرح....؟" عمران نے پوچھا۔

"یہ تو اس نے نہیں بتایا تھا۔!"

"بیری فان کے بارے میں آپ اور کیا جانتے ہیں۔!"

"بس اتنا ہی کہ وہ اپنے ملک کی انقلابی پارٹی کا لیڈر ہے اور وہاں کی ڈکٹیٹر شپ کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ جب میں وہاں مقیم تھا میں نے بھی اس کی پارٹی کے لئے کام کیا تھا۔ مجھے بھی ڈکٹیٹر شپ سے نفرت ہے خواہ وہ کسی ملک میں قائم ہو۔!"

"بیری فان کہاں مقیم ہے....؟"

"یہ اس نے نہیں بتایا۔ اتنا حیرت انگیز آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ جانتے ہو وہ ایک پٹھان کے بھیس میں میرے پاس آتا ہے اور کسی پٹھان ہی کی طرح پشتو بول سکتا ہے۔!"

"آپ کا چوکیدار بھی تو پٹھان ہی ہے۔!"

"ہاں.... ہاں.... دونوں میں گاڑھی چھنتی ہے۔ لیکن آخر اس نے میرے ساتھ ایسی حرکت کیوں کی....؟"

"اُسے بھول جائیے.... میں دیکھ لوں گا۔ آپ کے چوکیدار کو اس نے اپنا کیا نام بتایا ہے۔!"

"درویش خان....!"

"ٹھیک ہے... اب آپ اُس کے بارے میں کچھ نہ سوچئے.... میں سب کچھ دیکھ لوں گا۔!"

"اب میں گھر جانا چاہتا ہوں۔!"

"نہیں! آپ اس وقت تک یہیں رہیں گے جب تک کہ بیری فان سے نہ معلوم کر لوں کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔!"

"اچھی بات ہے.... تم کہتے ہو تو میں یہیں رہوں گا۔!"

"ایک بات اور.... میرے والد صاحب کے پاس اس کے خلاف کس قسم کے ثبوت ہیں جو اس کا کیریئر تباہ کر دیں گے۔!"

"ان کا کہنا ہے کہ حقیقتاً ڈکٹیٹر کا پٹھو ہے۔ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس نے انقلابی لیڈر ہونے کا ڈھونگ رچایا ہے۔!"

"اچھا.... اچھا.... میں سمجھ گیا....!" عمران سر ہلا کر بولا۔

"تم بہت اچھے لڑکے ہو۔!"

"شکریہ....! یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی ویسے بیری فان کا پروفیسر کی موت کے بارے میں کیا خیال ہے۔!"

"وہ بھی پریشان ہے۔ ابھی تک پتہ نہیں لگا سکا کہ پروفیسر کی موت میں کس کا ہاتھ تھا اور شاید ہماری پولیس بھی اس میں ناکام رہی ہے۔!"

"اچھا اب آرام فرمائیے۔" عمران نے کہا اور اُسے وہیں چھوڑ کر کمرے سے چلا گیا۔

ڈاکٹر شہریار کی شخصیت ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ تیکھے خدوخال ڈھیلے پڑ گئے تھے اور آنکھوں میں خوف کی پرچھائیں گویا جم کر رہ گئی تھیں۔

◆

رحمان صاحب آفس تک محدود ہو کر رہ گئے تھے اور گھر کی نگرانی ایکس ٹو کے ماتحت کر رہے تھے۔ عمران نے اسے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ رحمان صاحب گھر کی نگرانی کے لئے اپنے محکمے کے گارڈز کا انتظام کرتے یا پولیس کی مدد طلب کرتے.... دراصل اس معاملے میں رازداری سے کام لیا جا رہا تھا۔ یہ بات صرف باپ بیٹے کے درمیان رہی تھی کہ بیری فان کا نشانہ حقیقتاً رحمان صاحب تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں کوئی باضابطہ کاروائی نہیں کی تھی۔

عمران روزا سمیت ساحلی علاقے کے ہٹ میں مقیم تھا۔ فرصت کے اوقات میں دونوں کسی طرف نکل کھڑے ہوتے۔ اس وقت بھی عمران اسے کہیں لے جا رہا تھا۔

"ہم دونوں بالکل جاپانی ہوتے جا رہے ہیں۔" روزا بولی۔ "لیکن تم نہیں....! صرف میں تمہاری قومیت ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔!"

"گدھے دنیا کے ہر حصے میں رہتے ہیں۔!" عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"تم واقعی عجیب ہو.... کبھی پاگل معلوم ہوتے ہو اور کبھی بہت بڑے ہوش مند.... اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مرد بالکل نہیں معلوم ہوتے۔!"

"اب تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔!" عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یقین کرو....! ایسا ہی لگتا ہے جیسے کسی عورت کے ساتھ دن گزار رہی ہوں۔!"

"اگر میں ایسا نہ ہوتا تو میرا باپ کبھی مجھے تمہارے حوالے نہ کرتا۔!"

"اچھا بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔!" وہ بھنا گئی۔

"بہت اچھا....!" عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا۔

وہ کچھ دیر بُرا سا منہ بنائے خاموش بیٹھی رہی پھر بولی۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں۔!"

"اب ہم ایک خاندان کے ساتھ مہمانوں کی طرح رہیں گے۔!"

"کیا مطلب....؟"

"ہم ڈاکٹر شہریار کے مہمان ہیں۔!"

"یہ کیا بلا ہے....؟"

"اُس نے ہمیں بحیثیت مہمان قبول کر لیا ہے۔!"

"اس کی کیا ضرورت ہے۔!"

"وہاں عورتیں بھی ہیں۔ تم ان سے انگلش میں گفتگو کر سکو گی۔!"

"دیکھو....! تمہیں پھر آگاہ کر رہی ہوں کہ مجھے جاپانی نہیں آتی۔!"

"مجھے کب آتی ہے۔!" عمران نے سر ہلا کر کہا۔ "میرا نام ڈاکٹر سکنارا ہے اور تم مسز سکنارا۔!"

"بکواس مت کرو.... تم صورت سے مرد ہی نہیں لگتے شوہر کیا معلوم ہو گے۔!"

"دنیا میں بہتیرے شوہر ایسے بھی ہوتے ہیں۔!"

"سوال یہ ہے کہ اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی....؟"

"اسی اسکیم کا ایک حصہ ہے جس کے تحت ہم بیری فان پر ہاتھ ڈال سکیں گے۔!"

"یقین کرو! اب مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ میں اپنے ملک واپس جا سکوں گی یا نہیں۔!"

"لیکن میں اس دوست کے گریبان پر ضرور ہاتھ ڈالوں گا جس نے ایک دوست کو ذاتی مفاد پر قربان کر دیا۔ بیری فان کتنا بڑا فراڈ ہے۔ یہ میں تمہارے ہم وطنوں کو بتاؤں گا۔!"

"مجھے کسی چیز سے دل چسپی نہیں رہی۔" روزا نے بیزاری سے کہا۔ "میرا باپ مر گیا۔ اب میرا دنیا میں کوئی بھی نہیں۔!"

"اچھا تو پھر تم کیا چاہتی ہو....؟"

"کچھ بھی نہیں۔!"

"لیکن میں تو اس آدمی کو نہیں چھوڑ سکتا جس نے میرے ملک میں چار زندگیاں ختم کی ہیں۔!"

"چار کون....؟ کیا دو اور بھی مارے گئے.... وہ کون تھے....؟"

"مقامی آدمی، جو بیری فان کے لئے کام کرتے تھے۔!"

"پتہ نہیں آدمی کب خود کو پہچان سکے گا۔!"

"اس لئے کوشش نہیں کرتا کہ خود کو پہچان لینے کے بعد اُلو ہو کر رہ جائے گا۔!"

"وہ کس طرح....؟"

"آدمی میں رکھا ہی کیا ہے جسے پہچان کر وہ کسی فائدے میں رہے گا۔ اسے تو بس سونے اور جواہرات کی کانوں کی تلاش میں رہنا چاہئے۔!"

"خیر ختم کرو.... میں کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ اس میک اپ میں کسی کی بھی مہمان نہیں بن سکتی۔!"

"تو پھر کیا میں تمہیں تل کر کھاؤں۔!"

"مجھے پولیس کے حوالے کردو....!"

"کیوں....؟" عمران چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"میں بیری فان کی شریک جرم تھی۔ میں نے جرم کا اعتراف بھی کر لیا تھا پھر مجھ پر یہ عنایت کیوں....!"

"تم مظلوم ہو.... اس لئے.... دیدہ دانستہ اس جرم میں شریک نہیں تھیں۔!"

"کیوں نہیں.... میں دیدہ دانستہ اس جرم میں شریک تھی۔ تمہارے باپ پر قابو پا کر انہیں بیری فان کے پاس لے جاتی۔!"

"تمہیں یہ باور کرایا گیا تھا کہ تمہارے باپ کے قتل میں میرے باپ کا ہاتھ ہے اور اسی کا اعتراف کرانے کے لئے بیری فان ان پر قابو پانا چاہتا تھا۔"

"کچھ بھی ہو.... میں شریک جرم تھی۔!"

"میں نے اور میرے باپ نے تمہیں معاف کیا.... اب کہو۔!"

"تم عجیب لوگ ہو.... میری سمجھ سے باہر.... خیر ہو گا کچھ.... میں کسی کی مہمان نہیں بننا چاہتی۔ یا تو اسی ہٹ میں تمہارے ساتھ رہوں گی یا پھر مجھے جیل بھجوادو۔!"

"اچھی بات ہے....! ہم ڈاکٹر شہریار کے مہمان نہیں بنیں گے۔ لیکن ہمیں ان کے گھر تک بہر حال چلنا ہے۔!"

روزا اس بار کچھ نہ بولی۔ عمران کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے قریب اس نے گاڑی روکی اور نیچے اتر کر بوتھ کے اندر چلا گیا۔ روزا متفکرانہ انداز میں بوتھ کی طرف دیکھتی رہی۔

عمران کچھ دیر بعد واپس آکر گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ "فی الحال میں تنہائی چاہتا ہوں۔!"

"کیا مطلب....!"

"ایک سوئیس لڑکی تمہیں کسی محفوظ مقام پر لے جائے گی اور میں جلد ہی پھر تم سے آملوں گا۔!"

"اچھی بات ہے....!" وہ طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن وہ مجھ سے کسی قسم کی پوچھ گچھ تو نہیں کرے گی۔!"

"قطعی نہیں.... بے فکر رہو....!" عمران نے کہا اور گاڑی حرکت میں آگئی۔

کچھ دیر بعد پبلک گارڈن کے قریب اس نے پھر گاڑی روکی تھی۔ روزا خاموشی سے گردوپیش کا جائزہ لیتی رہی پھر دوبارہ تین منٹ بعد ہی ان کے قریب ایک گاڑی آکر رکی جسے جولیانا فٹنر واٹر ڈرائیو کر رہی تھی۔

"چلو اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" عمران نے نیچے اتر کر روزا کے لئے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

روزا نے مشینی انداز میں اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ جولیا نے عمران کو گھورتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

عمران پھر اپنی گاڑی میں آبیٹھا۔ اب اس کا رخ عالم گیر روڈ کی طرف تھا۔ چوراہے سے مُڑتے ہی اس نے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے ریڈی میڈ میک اپ نکالا اور اُسے ناک پر فٹ کرتے ہوئے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی۔ جاپانی بناوٹ والی سپاٹ آنکھوں کے نیچے یہ میک اپ

کچھ کا کچھ ہو گیا۔ منگول نسل کے کسی چرواہے کی سی شکل نکل آئی تھی۔ گاڑی تیز رفتاری سے مسافت طے کرتی رہی پھر کچھ دیر بعد وہ ڈاکٹر شہریار کی کوٹھی کے سامنے رکی تھی۔ پھاٹک پر ایک آدمی موجود تھا۔ اس نے عمران کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا گاڑی کے قریب آ گیا۔ عمران نے محسوس کیا کہ وہ ڈاکٹر شہریار کا چوکیدار نہیں ہے۔!

"چوکیدار کہاں ہے....؟" اس نے پشتو میں پوچھا۔

"آپ کون ہیں....؟" پشتو ہی میں اس سے سوال کیا گیا۔

"زری خان.... حیدر گل کہاں ہے....؟"

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔!"

"مجھے اس کے پاس لے چلو.... بہت ضروری کام ہے۔!"

"اپنی کوٹھری میں ہے۔!"

عمران اپنی گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔ "چلو۔"

عمارت کے عقبی پارک کے سرے پر سرونٹس کوارٹر واقع تھے۔ انہی میں سے ایک میں ڈاکٹر کا چوکیدار حیدر گل پڑا بخار میں تپ رہا تھا۔

"حیدر گل مجھے ڈاکٹر صاحب نے بھیجا ہے۔!"

"کہاں ہیں ڈاکٹر صاحب....؟" حیدر گل نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹے رہو.... پریشانی کی بات نہیں۔ وہ کل سے ایک ضروری کام میں مشغول ہیں۔ انہوں نے درویش خان کو بلایا ہے۔!"

"یہ ہے درویش خان....!" حیدر گل نے اس آدمی کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا جو عمران کو یہاں تک لایا تھا۔

وہ عمران کو گھورتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں....؟"

عمران نے اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کے ساتھ چلا، لیکن اس کی آنکھوں سے بے اطمینانی جھانک رہی تھی۔

"وہ اپنی مضافاتی کوٹھی میں ہیں۔" عمران نے درویش خان سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بہت زیادہ پریشان ہیں۔ انہوں نے تمہیں بلایا ہے۔!"

"ایسی کیا پریشانی ہے کہ دو دن سے گھر والوں کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔!" درویش خان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بھائی....! میں نہیں جانتا.... اور ہاں وہ کچھ خوف زدہ سے بھی دکھائی دیتے ہیں۔!"

"آپ کون ہیں....؟"

"میں ان کا ایک قریبی دوست ہوں۔!"

گاڑی کے قریب پہنچ کر عمران نے اس کے لئے دروازہ کھولا تھا۔

* * *

رحمان صاحب نے اچھی طرح اطمینان کر لیا تھا کہ فون کال عمران ہی کی تھی۔ اس کے بعد انہیں اس کے ایک مشورے پر عمل کرنا پڑا تھا۔ اس نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اپنے دفتر سے ایک بند گاڑی میں کہیں لے جائے جائیں گے۔

رحمان صاحب پہلے ہی سے اکتاہٹ کا شکار تھے اور اس صورت حال سے چھٹکارا چاہتے تھے۔ اس لئے بے چون وچرا دفتر سے نکل کر اس گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔

سفر آدھے گھنٹے تک جاری رہا۔ رحمان صاحب مسلح تھے۔ گاڑی سے اترے تو دایاں ہاتھ بغلی ہولسٹر پر تھا اور ڈرائیور انہیں ایک عمارت کی طرف لے جا رہا تھا۔ جس کے چاروں طرف دور دور تک کھیت اور باغات پھیلے ہوئے تھے۔ رحمان صاحب قطعی اندازہ نہ لگا سکے کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔ بیٹے کی افتادِ طبع سے بخوبی واقف تھے اس لئے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر عمارت میں داخل ہو گئے۔

ڈرائیور انہیں ایک کمرے میں پہنچا کر واپس چلا گیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ کمرے میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دفعتاً بائیں جانب سے ایک دروازے کا پردہ ہٹا اور ڈاکٹر شہریار کمرے میں داخل ہوا۔

"تم....؟" رحمان صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ.... میرے دوست....!" ڈاکٹر شہریار کی آواز کانپ رہی تھی۔

رحمان صاحب اس میں کوئی تبدیلی محسوس کر رہے تھے۔ انہیں بیٹھنے کو کہتا ہوا وہ خود بھی بیٹھ گیا۔ رحمان صاحب متحیر تھے۔ انہیں قطعی علم نہیں تھا کہ عمران کے ذہن میں کیا ہے یا یہاں شہریار کی موجودگی کا کیا مقصد ہے اور شہریار تو اب اس طرح گم سم بیٹھا ہوا تھا جیسے اپنے علاوہ کسی

اور کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو۔ رحمان صاحب اُسے مخاطب کرنے ہی والے تھے کہ ایک جاپانی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو ڈاکٹر....!" اُس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"مم.... میں.... بیٹھا ہوں۔!" ڈاکٹر بوکھلا کر بولا۔

"اپنے کمرے میں جاؤ۔!"

"بہت اچھا....!" ڈاکٹر کہتا ہوا اٹھا اور اسی دروازے سے نکلا چلا گیا جس سے لڑکی داخل ہوئی تھی۔

رحمان صاحب کا ہاتھ بغل کے نیچے ریوالور کے دستے پر پہنچ گیا۔

"تم کون ہو....؟" انہوں نے لڑکی کو مخاطب کیا۔

"میں روزا میکس ہوں جناب....!" وہ ان کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولی۔

"عمران کہاں ہے۔!"

"معلوم نہیں.... ڈاکٹر کے سلسلے میں تشویش کی کوئی بات نہیں۔ اس پر آپ کے بیٹے نے وہی نسخہ آزمایا ہے جسے میرے ذریعے آپ پر آزمایا جانا تھا۔!"

"اوہ....!" رحمان صاحب دم بخود رہ گئے۔

"آیئے.... میرے ساتھ....!"

"ٹھہرو.... تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم روزا میکس ہو۔!"

"میں میک اپ میں ہوں جناب.... آپ کے بیٹے....!"

"ٹھیک ہے.... چلو....!" رحمان صاحب نے کہا۔ انہوں نے اس کی آواز پہلے ہی پہچان لی تھی لیکن مزید اطمینان کرنا چاہتے تھے۔!

وہ انہیں دوسرے کمرے میں لائی اور ایک کھڑکی کے قریب آنے کا اشارہ کیا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ پردہ تھوڑا سا سرکایا گیا اور رحمان صاحب متحیر ہوگئے کیوں کہ دوسرے کمرے میں ان کا ایک ہم شکل صوفے پر بندھا پڑا تھا۔ ذرہ برابر بھی تو فرق نہیں تھا۔ رحمان صاحب کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنی تصویر دیکھ رہے ہوں۔ وہ روزا کی طرف مڑے ہی تھے کہ اُس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ رحمان صاحب اپنے ہمشکل کو پھر دیکھنے لگے۔

دفعتاً اُسی کمرے کا پردہ ہٹا اور ڈاکٹر شہریار ایک پٹھان کے ساتھ اندر داخل ہوا جو اپنے روائتی لباس میں کوئی بڑا جاگیردار معلوم ہو رہا تھا۔

"ارے....!" پٹھان رحمان صاحب کے ہم شکل پر نظر پڑتے ہی بھونچکا رہ گیا۔ پھر ڈاکٹر شہریار سے بغل گیر ہوتا ہوا بولا۔ یہ کام کیا ہے تم نے ڈاکٹر۔ ایک لاکھ ڈالر والا۔ اور یہ ایک لاکھ ڈالر سوئیزر لینڈ میں اپنے لئے محفوظ سمجھو....!"

پٹھان بڑی روانی سے انگریزی بول رہا تھا کسی اہل زبان کی طرح۔

رحمان صاحب کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔ دوسرے کمرے میں ان کا ہم شکل بے حس و حرکت پڑا تھا۔

"مگر یہ کیوں کر ممکن ہوا....؟" پٹھان نے ہم شکل کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

"کافی میں خواب آور دوا دے کر باندھ لیا۔" ڈاکٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا وہ پٹھان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ پٹھان آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس صوفے کے قریب پہنچا جس پر رحمان صاحب کا ہم شکل بندھا پڑا تھا۔

"مسٹر رحمان....!" وہ تن کر بولا۔ "اس وقت بیری فان تم سے مخاطب ہے۔!"

"ہم شکل خوف زدہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔

"کیا یہ نام تمہارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔" بیری فان سرد لہجے میں بولا۔

لیکن ہم شکل پہلے ہی کی طرح دم بخود پڑا رہا۔

"سنو....! میں نے تمہیں مہلت دی تھی۔ ورنہ تمہارے گھر کا ایک ایک فرد میری درندگی کا شکار ہو جاتا۔ ہو سکتا ہے تمہارے چالاک بیٹے نے کسی طرح اس کتے پر قابو پالیا ہو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ میں جس کتے کو بھی چاہوں بارہ گھنٹے میں درندہ بنا سکتا ہوں۔!"

وہ خاموش ہو گیا اور پھر رحمان صاحب نے اپنے ہم شکل کی بھرائی ہوئی آواز سنی۔ "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو....؟"

"وہ کاغذات جو تم نے تین سال پہلے پرتگالی بلیک میلر سلوارا سے حاصل کئے تھے۔!"

"نن.... نہیں تو....!"

"پھر تمہیں میرے متعلق وہ باتیں کیسے معلوم ہوئی تھیں جن کا ذکر تم نے ڈاکٹر شہریار سے

کیا تھا۔!"

ہم شکل نے پھر چپ سادھ لی۔

"اچھی بات ہے۔ میں دیکھوں گا کہ تم کب تک اپنی زبان بند رکھتے ہو۔ شائد تم پروفیسر میکس اور فرسٹ سیکریٹری کا انجام بھول گئے۔!"

"ان بیچاروں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا....؟" ہم شکل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"انہیں بھی مجھ پر شبہ ہو گیا تھا اور میں ایسے کسی آدمی کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا جو میری تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔"

رحمان صاحب روزا کی طرف مڑے لیکن اب وہ وہاں نہیں تھی۔ انہوں نے طویل سانس لی اور بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔ دوسری طرف بیری فان کہہ رہا تھا۔ "مجھے وہ کاغذات ملنے چاہئیں مسٹر رحمان.... ورنہ ہر روز تمہارے گھر کا ایک ایک فرد درندگی کا شکار ہوتا رہے گا اور روزا میکس کہاں ہے....؟"

"میں یہاں ہوں کتے....!" دوسرے کمرے کے کسی گوشے سے روزا میکس کی آواز آئی اور بیری فان اچھل پڑا۔ روزا آہستہ آہستہ چلتی ہوئی سامنے آئی۔ اب وہ اپنی اصلی ہیئت میں تھی۔ اور اعشاریہ دو پانچ کا پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔

"کیا مطلب؟" بیری فان تحیر زدگی کے عالم میں بولا۔

"تم نے میرے اس باپ کو مار ڈالا جس نے ہر قدم پر تمہارا ساتھ دیا تھا۔!"

"ارے... وہ تو....!" بیری فان ہنس پڑا.... ہنستا رہا۔ پھر بولا.... "میں اس شخص کو مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔" اس نے رحمان صاحب کے ہم شکل کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"تم جھوٹے ہو.... اپنے ملک میں تم میرے باپ کے ساتھ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں تم ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ میرے باپ کی موت کی ذمہ داری یہاں کی حکومت کے سر جاتی اور تم میرے ذریعے رحمان صاحب پر برین فکسر آزما کر ان سے کاغذات حاصل کر لیتے۔!"

"میں اب بھی یہی کروں گا کتیا کی بچی۔!" یک بیک بیری فان بھڑک اٹھا۔

دفعتاً رحمان صاحب نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر کہا۔ "تم اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کرو گے۔ میرا نشانہ کسی حال میں بھی خطا نہیں ہوتا۔!"

بیری فان بوکھلا کر آواز کی طرف مڑا۔ اس کے حلق سے بے ساختہ قسم کی آواز نکلی تھی۔ کبھی وہ رحمان صاحب کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی ان کے ہم شکل کی طرف۔ روزا نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولی۔ "تمہارا برین فکسر ضائع نہیں ہوا۔!"

"کک.... کیا مطلب....؟" بیری فان بدقت بولا۔

"ڈاکٹر اسی کے زیرِ اثر ہمارے مشوروں پر عمل کر رہا ہے۔!" کمرے میں عمران کی آواز گونجی۔ وہ سامنے والے دروازے میں کھڑا احمقانہ انداز میں ہنسے جا رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے....؟ تم لوگ میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہ کر سکو گے....!" بیری فان نے سنبھالا لینے کی کوشش کی۔

"تمہاری ساری بکواس ریکارڈ ہو چکی ہے۔!" عمران بولا۔ "اور تم یہاں غیر قانونی طور پر داخل ہوئے ہو۔!"

"اب یہ کھیل ختم کرو...!" رحمان صاحب گرجے۔ "اس کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں ڈال دو۔!"

"تم لوگ پچھتاؤ گے۔!" بیری فان بھی اونچی آواز میں بولا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہ ہوگی....؟" سناٹے میں ایک نئی آواز اُبھری اور عمران کے عقب سے غیر ملکی سفیر نمودار ہوا۔ سفیر کے ہاتھوں میں ہتھ کڑیوں کا جوڑا تھا۔

"اچھی بات ہے۔!" بیری فان پُرسکون لہجے میں بولا۔ "آؤ اور مجھے ہتھ کڑیاں پہنا دو۔"

"نہیں....! روزا بول پڑی۔ کوئی اس کے قریب نہ جائے ورنہ زندہ نہیں بچے گا۔" بیری فان نے قہقہہ لگایا اور روزا کہتی رہی "اسے گولی مار دینا ہی مناسب ہوگا۔!"

"نہیں....؟" رحمان صاحب بولے "اسے گرفتار کرو....!"

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔!" بیری فان غرایا۔ "مجھے ہاتھ لگانے والا زندہ نہیں رہے گا۔!"

عمران اسی دوران میں کسی طرف کھسک گیا تھا۔

"میں تمہارے ہتھ کڑیاں لگاؤں گا۔!" سفیر نے سخت لہجے میں کہا۔ "تم مجھے بھی دھمکیاں دیتے رہے تھے۔!"

"ٹھہر جاؤ...!" روزا چیخی... "تم اس کے قریب پہنچتے ہی زہریلی سوئی کا شکار ہو جاؤ گے۔!"

”لڑکی....! میں تجھ سے سمجھ لوں گا۔“ بیری فان دانت پیس کر غرایا۔

ٹھیک اسُی وقت کسی طرف سے ایک رسی بیری فان پر گری وہ لڑکھڑایا اور پھر چھت کی طرف اٹھتا چلا گیا۔ اس کی کمر رسی کے پھندے میں جکڑی ہوئی تھی بالآخر روشن دان کے قریب پہنچ کر وہ فضا میں جھولنے لگا۔ روشندان سے گزر کر دوسری طرف نکل جانے والی رسی شاید کہیں باندھ دی گئی تھی۔ پھندے کی گرہ ایسی جگہ تھی کہ بیری فان اسے ہاتھ لگانے سے قاصر تھا۔ وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر دہاڑتا رہا۔

◆

اسی شام رحمان صاحب گھر پر عمران کے منتظر تھے۔ روزا انہی کے ساتھ تھی۔

”آپ اپنے بیٹے کو کچھ دنوں کے لئے کسی دماغی ہسپتال میں داخل کرا دیجئے۔!“ اس نے رحمان صاحب سے کہا۔

”کیوں....؟“ رحمان صاحب کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

”کیا آپ اُسے صحیح الدماغ سمجھتے ہیں....؟ سوال یہ ہے کہ آخر اس ڈرامے کی کیا ضرورت تھی۔ جس وقت اُس نے بیری فان پر قابو پایا تھا اسی وقت ہتھ کڑیاں ڈال دی ہوتیں۔!“

”وہ بالکل صحیح الدماغ ہے اچھی لڑکی۔!“ رحمان صاحب آہستہ سے بولے ”اُس نے کھڑاگ اسی لئے پھیلایا تھا کہ تم مطمئن ہو جاؤ اور سفیر بھی صحیح حالات سے واقف ہو جائے ورنہ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ بیری فان گرفتار ہونے کے بعد ان سب باتوں کا اعتراف کر لیتا۔!“

روزا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر سر ہلا کر بولی۔ ”آپ ٹھیک کہتے ہیں اس نے مجھے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میرا باپ ڈیوڈ ہکسر اور یہاں کی حکومت کے مابین سازش کا شکار ہوا ہے۔ اسی طرح انقلابی پارٹی کے سارے ارکان ایک ایک کر کے ختم کرا دیئے جائیں گے۔ اگر وہ سب ہمارے ملک میں مارے گئے تو عوام ڈیوڈ ہکسر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔!“

”بہر حال اب تم مطمئن ہو گئیں۔!“

”جی ہاں.... آپ کا اور آپ کے بیٹے کا بہت بہت شکریہ۔! اگر وہ پاگل نہیں ہے تو بہت عظیم ہے۔!“

”کیا مطلب....!“

”وہ کسی کی بے بسی سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ میں اُسے ہمیشہ یاد رکھوں گی۔!“

رحمان صاحب کی آنکھوں میں عجیب سی چمک لہرائی جسے احساس فخر کے اظہار کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر روزا نے کہا۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے یہاں کی شہریت مل جائے اب میں واپس نہیں جانا چاہتی۔“

”ایک بار تو تمہیں واپس جانا پڑے گا اس کے بعد کوشش کی جائے گی کہ تمہیں یہاں کے حقوق شہریت مل جائیں۔!“

روزا پھر کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولی۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ کے ملک کا آدمی بیری فان کے چکر میں کیوں پڑ گیا۔“

”ڈاکٹر شہریار....!“ رحمان صاحب طویل سانس لے کر بولے۔ ”بہت دنوں تمہارے ملک میں رہ چکا ہے۔ اس زمانے میں وہ بالکل مفلس تھا۔ محنت مزدوری کر کے تعلیم حاصل کرتا رہا تھا۔ اس وقت اسے ساری دنیا کے انقلابیوں سے ہمدردی تھی لیکن جب خود صاحب جائیداد ہو گیا تو پھر بیری فان اُسے صرف ایک دوست کی حیثیت سے یاد رہ گیا اور مزید ہوس نے اُسے اس راہ پر ڈال دیا۔ اگر بیری فان مجھ پر قابو پا لیتا تو ایک لاکھ ڈالر اس کے تھے۔!“

”بلیک میلر سلوارا کا کیا قصہ تھا....؟“

”سلوارا جاسوس بھی تھا اور بلیک میلر بھی۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ہاتھوں اپنی گرفتاری سے پہلے وہ بیری فان کو بلیک میل کر کے اُس سے بڑی بڑی رقومات وصول کرتا رہا ہو۔ بہر حال بیری فان سے متعلق کاغذات اسی کے قبضے سے برآمد ہوئے تھے۔!“

دفعتاً باہر سے آواز آئی۔ ”کیا میں اندر آ سکتا ہوں....؟“

رحمان صاحب کا خوش گوار موڈ بدل گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے عمران کی آواز نے مشینی طور پر انہیں اس تغیر سے دوچار کر دیا ہو۔ ”آ جاؤ۔!“ وہ غرائے۔

عمران کمرے میں داخل ہوا اور سر جھکائے کھڑا رہا۔

”بیٹھ جاؤ۔!“

”ج.... جی.... بہت اچھا....!“ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”اب تم لڑکیوں میں جاؤ۔!“ رحمان صاحب نے روزا سے کہا اور وہ عمران کو گھورتی ہوئی

کمرے سے چلی گئی۔

"میرا ہم شکل کون تھا۔۔۔؟" رحمان صاحب نے خشک لہجے میں پوچھا۔

ایک خاص آدمی جو اس وقت تک اس واقعے کو بالکل بھول چکا ہوگا۔ عمران مسمسی صورت بنا کر بولا۔ "ویسے سفیر نے اعتراف کرلیا ہے کہ بیری فان اُسے دھمکیاں دیتا رہا ہے وہ یہی چاہتا تھا کہ آپ کسی طرح سفارت خانے کی عمارت تک پہنچیں اور وہ آپ پر برین فلسر آزمائے اور جناب عالی! روزا نے ہمیں ایک بڑے خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتا تو سیدھا عدم آباد ہی جا پہنچتا۔!"

"کیوں۔۔۔۔؟"

"شلوار و قمیض کے نیچے اس نے پاور ہاؤز پہن رکھا تھا۔!"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔!"

"ایک چھوٹی سی پریشر مشین جس میں زہریلی سوئیاں بھری ہوئی تھیں اس پاور ہاؤز سے اٹیچ تھی اور مختلف جگہوں پر متعدد بٹن تھے جن میں سے کسی پر بھی ہلکا سا دباؤ پڑنے پر سوئیاں نکلتیں اور آس پاس کے لوگوں کو سلاتی چلی جاتیں۔!"

"تو تم نے اسے سر سلطان کے حوالے کردیا۔!"

"جی ہاں۔۔۔۔ مجبوری تھی۔۔۔۔ انہی کے محکمے کا کیس تھا۔" عمران نے کہا اور چور نظروں سے رحمان صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔

رحمان صاحب کھڑکی کے باہر دیکھتے رہے۔

﴿ختم شد﴾

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام